ت جناح

میں قائداعظم جناب محمد علی جناح کے پورے حالات زندگی سادہ اور سلیس مگر بے انتہا دلکش زبان میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔ عہدِ حاضر کے اس مجدد سیاست کی زندگی جن جن سیاسی طوفانوں سے گذری ہے انکی تصویریں اس شان سے کھینچی گئی ہیں کہ کتاب اُردو لٹریچر میں بہت بلند پایہ حاصل ہوگیا ہے۔ حیاتِ جناح میں آپ کشتیٔ سیاست کے اس کامیاب ترین ناخدا کو بہت قریب سے دیکھ سکتے ہیں جناح صاحب کا ابتدائی دور، آل انڈیا نیشنل کانگریس میں شامل ہونا، انکی قوم پرورانہ زندگی، مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے انکے ہلال شہرت کا طلوع، ہندو مسلم اتحاد کیلئے سرگرم کوششیں ۱۹۱۶ء کا معاہدۂ لکھنؤ ہندو مسلم فسادات کے دور میں سمجھوتے کیلئے سعی۔ گول میز کانفرنس میں مسلمانان ہند کی قابلانہ نمائندگی مسلم لیگ کے دورِ جدید میں دو سال کے قلیل عرصے میں مسلمانوں کی حیرت انگیز تنظیم۔ جنگ چھڑنے پر وائسرائے جناح گاندھی گفت و شنید میں جناح صاحب کے تدبر کی شاندار فتوحات غرض حیات جناح میں وہ سب کچھ ہے جو جناح کے بارے میں جاننے کی آرزو ہو سکتی ہے۔ قیمت صرف ڈیڑھ روپیہ

ملنے کا پتہ:- اُردو کمپنی حویلی اعظم خاں۔ دہلی۔

(محبوب المطابع دہلی)

تاریخِ مُسلم لیگ

از

منظہر انصاری
بی۔ اے (آنرز)

اردو کمپنی حویلی اعظم خاں دہلی

سنہ ۱۹۴۰ء

بارِ اوّل　　تعداد ایک ہزار　　قیمت دو روپے

فہرست مضامین

سمرنا میں یُونانیوں کے مظالم۔ وزیر ہند مانٹیگو صلح کانفرنس کی تجویزوں کی مخالفت میں۔ مسلمانوں کا احتجاج۔ مسلمانانِ ہند کے غم و غصہ کی چند مخصوص وجوہات۔ ترکی نمائندوں کی یادداشت اور اس کا جواب صلح کانفرنس کی طرف سے۔ مسلم لیگ کی جدوجہد۔ خلافت کمیٹی کا قیام۔ مُسلم لیگ کا فوری اور اہم جلسہ۔ آل انڈیا مُسلم کانفرنس لکھنؤ ۱۹۱۹ء عملی کارروائی کا فیصلہ۔ وائسرائے کی ہمدردی۔ ہندوستان کی طرف سے "شورشِ" پنجاب کی تحقیقات کے لیئے سرکاری کمیٹی۔ ہندوستانیوں کی طرف سے غیر سرکاری کمیٹی۔ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۱۹ء۔ لیگ کا بارھواں اجلاس امرتسر ۱۹۱۹ء۔ پہلی نشست۔ علی برادران کی رہائی کا مژدہ۔ لیڈروں کی آمد۔ حاذق الملک کا حکیمانہ خطبۂ صدارت۔ لاہور کے دردانگیز مظالم پر دو آنسو۔ مسئلہ خلافت و مقامات مقدسہ ایران و انگلستان کا معاہدہ۔ مسلمانوں کی بے چینی اور خلافت کمیٹیاں۔ ہندوؤں اور گاندھی جی کا شکریہ۔ ترمیم شدہ

باب ا

غدر کے بعد سے قیامِ مسلم لیگ تک

غدر ۱۸۵۷ء کی سیاسی آندھی ہندوستانیوں کے دلوں سے اُٹھی تو اسی لئے تھی کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کو تہس نہس کر دے جو ظلم اور لوٹ کی بنیادوں پر کھڑی تھی۔ مگر کمپنی کا کچھ بگڑا یا نہ بگڑا مسلمانوں کا گھر بالکل ہی ویران ہو گیا۔ اس آندھی سے مغلوں کا بوسیدہ اور گرتا ہوا شاہی تخت ہی نہیں اُلٹا مسلمان قوم کے قدم بھی اکھڑنے لگے۔ وہ پستی کی دلدل میں پھنستی تو انیسویں صدی کے آغاز ہی سے چلی آرہی تھی جس کا سبب کمپنی بہادر کی چالیں تھیں، مگر غدر کی آگ کو کامیابی کے آہنی تلووں سے مسل کر بُجھا چکنے کے بعد انگریزوں کی مسلمان دشمنی اندھے انتقام میں تبدیل ہو گئی۔ یکم نومبر ۱۸۵۸ء کو تاجدار برطانیہ ملکہ وکٹوریہ کا اعلان بھی شائع ہو گیا۔ ہندوستان ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھوں سے نکل کر حکومت انگلستان کی ملکیت بھی بن گیا اور ہندوستان کے سب باشندوں کو بلا تمیز رنگ و نسل اور بلا امتیاز مذہب و ملت انگریزی رعایا بھی سمجھا جانے لگا۔ مگر مسلمانوں کی مصیبتوں کا خاتمہ نہ ہوا۔ خاتمہ کیسا ملکہ کے اعلان کے بعد تو ان پر اتنے ستم ٹوٹے کہ اس زمانہ کو ہندوستان کے مسلمانوں کی تاریخ کا تاریک ترین دور کہا جا سکتا ہے۔ مسلمانوں کی غدر کے بعد کی حالت کا نقشہ کھینچنے میں زیادہ طوالت سے کام لینے کی ضرورت نہیں۔ یہ اس کتاب کا اصل مضمون نہیں ہے بلکہ قیام مسلم لیگ کا، جہاں سے ہمارا اصل مضمون شروع ہوتا ہے، پس منظر ہے۔ اس لئے حوالوں اور تفصیلات سے گریز کر کے صرف خاکہ پیش کر دینا کافی ہے۔

جہالت کا اندھیرا غار

جن رسیوں سے مسلمانوں کی زندگی کی کشتی قدیم سیاسی و اقتصادی ستونوں سے بندھی ہوئی تھی انھیں تو غدر نی کاٹ کر بوسیدہ سفینے کو نئے حالات کے سمندر میں دھکیل دیا۔ مگر مسلمان کوشش کے ہاتھ پیر مارنے سے متنفر، اور اس نئے انداز شناوری سے بالکل ناآشنا تھے جس کی ضرورت آپڑی تھی۔ غدر سے پہلے تک وہ دہلی کی برائے نام اسلامی سلطنت سے اس طرح چمٹے رہے جس طرح ڈوبتا تنکے کے سہارے کو غنیمت جان کر اسی سے چمٹ جاتا ہے۔ غدر کے بعد وہ سہارا بھی چھوٹ گیا۔ اب دنیا ان کی نظروں میں تاریک تھی۔ ہر طرف مایوسی کا اندھیرا چھایا دکھائی دیتا تھا مصائب سے بچ نکلنے کی کوئی راہ نہ سوجھتی تھی

ادھر انگریزوں نے ہنگامۂ غدر کا سارا الزام مسلمانوں ہی کے گلے منڈھا (حالانکہ اس میں تنہا مسلمانوں کا ہاتھ نہ تھا) اور اس کی سزا میں مظالم توڑنے کے بعد بھی جب انتقام کی پیاس نہ بجھی تو انھوں نے کامیاب زندگی کی منزل کا ہر راستہ مسلمانوں کے لئے مسدود کرنا شروع کیا۔ اسکولوں اور دفتروں کے دروازے مسلمانوں پر عمداً اور جبراً بند کر دیئے گئے تعلیمی حیثیت سے انھیں پیچھے رکھنے کی کوششیں پورے زور شور سے شروع ہوگئیں۔ غدر سے پہلے بھی اس قسم کے انتظامات کئے جاتے تھے کہ مسلمان اسکولوں اور سرکاری دفتروں میں نہ گھسنے پائیں۔ لیکن غدر کے بعد تو انگریزی حکومت کا یہ سرکاری عقیدہ بن گیا کہ مسلمانوں کو ان جگہوں سے دور رکھنا سب سے بڑا سیاسی کارِ ثواب ہے۔ مسلمان خود بھی انگریزی اسکولوں اور سرکاری دفتروں میں قدم رکھنے کے لئے تیار نہ تھے۔ تقریباً سو برس سے یہ دیکھتے آرہے تھے کہ زمانہ کی رفتار ہمارے خلاف ہے۔ حکومت رفتہ رفتہ انگریزوں کے ہاتھوں میں چلی جارہی تھی۔ روز بروز نئی نئی ضرورتیں سامنے آرہی تھیں۔ کم سے کم انگریزی زبان سیکھنے کی ضرورت تو صاف صاف دکھائی دے رہی تھی۔ کیونکہ آئندہ زمانہ کی باگ اسی کے ہاتھوں میں جانے والی تھی۔ اسی کو جدید علوم کا سرچشمہ بننا تھا۔ مگر مسلمانوں نے اس ضرورت کی طرف سے قطعاً آنکھیں بند کرلیں۔ اور تن بہ تقدیر جہالت کے اندھیرے غار کی طرف قدم بڑھا دیا

بلائے افلاس

جہالت کے بعد سب سے بڑی بلا مفلسی ہوتی ہے۔ وہ بھی اپنا خوفناک منہ کھولے ہوئے مسلمانوں کی طرف بڑھنے لگی۔ ان کی بڑی بڑی جاگیریں اور املاک وغیرہ تو حکومت ہی بحق سرکار ضبط کر لیتی تھی۔ چھوٹے درجے کے امرا اور شرفا کے پاس جو کچھ ہوتا تھا اسے ہندو ساہوکار دونوں ہاتھوں سے چھین کر اپنی وسیع توندیں چھپا لینے کی کوشش کرتے تھے۔ ساہوکاروں کے پاس روپیہ تھا مسلمان امرا اور شرفا کو شاہانہ اخراجات رکھنے اور پیسے کو ہاتھ کا میل سمجھنے کی عادت تھی۔ ساہوکار معقول شرح سود پر روپیہ قرض دیتا تھا۔ مسلمان امیر بغیر حساب کتاب کے قرض لیتا تھا۔ حساب کے جھگڑے میں پڑنا اسکی عالی ظرفی اور شانِ امارت کے شایان نہ تھا۔ سود بڑھ کر سود در سود بنتا تھا۔ ساہوکار مسلمان امیر کی لاکھوں کی چیز ہزاروں بلکہ سینکڑوں میں ہتھیا لیتا تھا۔ حکومتِ وقت نے ساہوکار کے کام کو اور بھی زیادہ آسان بنانے کے لئے سود کی مقدار قانوناً غیر محدود کر دی تھی مسلمان افلاس میں روز بروز زیادہ تیزی کے ساتھ دھنستے جا رہے تھے۔ ضرورتیں شاہانہ تھیں۔ آمدنیاں عنقا تھیں۔ قرض لینا ہی پڑتا تھا۔ قرض سود پر ملتا تھا۔ ایکدفعہ قرض لینے کے بعد بغیر فقیر ہوئے اس سے پیچھا نہ چھوٹتا تھا

مسلمانوں کے بُرے احوال کے دو تماشائی

آخر جہالت اور افلاس کی ضربوں سے شیر کے دانت ٹوٹ گئے۔ اس کے بازو اور پنجے مصیبتوں سے کچلے جانے کے بعد بیکار ہو گئے۔ اب لوگ دلچسپی کے ساتھ اس کے تڑپنے کا تماشہ دیکھنے لگے۔ ان میں دو زیادہ نمایاں تھے۔ ایک انگریز دوسرے ہندو، جو مذہبی اختلافات کی وجہ سے مسلمانوں سے بہت برگشتہ تھے۔ اس برگشتگی کی ایک تازہ وجہ بھی تھی۔ غدر کے بعد ہی سے انگریز ان پر روز بروز زیادہ مہربان ہوتے چلے آ رہے تھے۔ اور ہندوؤں کے لئے سرکار کی سرپرستی حاصل کر لینا فائدہ کا سودا تھا بھی۔ سرکار کے پاس کیا نہیں تھا!! وہ سرکاری نوکریاں دے سکتی تھی۔ ہندوؤں پر ترقی کے دروازے کھول سکتی تھی۔ انکے بچوں کو سکولوں میں پڑھا لکھا کر مہذب اور ترقی یافتہ شہری بنا سکتی تھی۔

بڑی بڑی اسامیاں اور فائدے کے سرکاری کام دے سکتی تھی۔ یہ سب نفیس اور بڑھیا انعامات تھے۔ ایسے انعامات دینے والے انگریزوں سے دوستی کرنے سے ہندو محض اس لئے تو باز نہیں رہ سکتے تھے کہ یہ وہی ہیں جنھوں نے مسلمانوں کو تباہ کیا ہے!! حالات بہت تیزی سے بدل رہے تھے۔ سمجھداری کی بات یہی تھی کہ انگریزوں سے میل ملاپ کر لیا جائے۔ ہندوؤں نے اس سنہری موقع کو ہاتھ سے نہ دیا۔ انہوں نے سرکار انگریزی سے مؤدبانہ اشتراک عمل شروع کر دیا۔ سرکار نے ہندوؤں کی اس سمجھداری اور مستعدی کو دیکھکر اطمینان کا سانس لیا۔ سارے سرکاری عہدے، اسامیاں، ملازمتیں اور نفع بخش کام خوشی خوشی ان کی جھولی میں ڈال دیئے۔ مسلمان کی طرف غصّے کی نگاہ سے دیکھا اور حکم دیا کہ اسے ایوان حکومت میں نہ گھسنے دیا جائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ انگریز مسلمانوں کو برباد کر ڈالنے پر کمربستہ تھے۔ ہندو انگریزوں سے تعاون کر رہے تھے۔ اور مسلمان اپنے انجام سے لاپرواہ ہو کر صرف انگریزوں سے نفرت رکھنے کی وجہ سے تعلیم، ملازمت، دولت وغیرہ کے میدانوں سے ہٹ گئے تھے

مسلمانوں کا پہلا بیدار آدمی

یہ بات ہندوستان کے مسلمانوں میں سب سے پہلے سرسید احمد خاں نے محسوس کی کہ اگر یہی لیل ونہار رہے تو ہندوستان سے مسلمانوں کا نام ونشان مٹ جائے گا۔ ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد انھوں نے قوم کی خدمت کا بیڑا اٹھایا۔ سرسید نے ایک طرف تو انگریزوں سے ربط ضبط بڑھایا اور ان کے دلوں میں یہ خیال بٹھا دیا کہ غدر مسلمانوں کی کسی سازش کا نتیجہ تھا۔ بلکہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے بدانتظام افسروں کی سختیوں سے یہ ہنگامہ برپا ہوا۔ وہ رعایا کو اتنا کمزور اور مفلس بنا چکے تھے کہ اس میں خواہ مخواہ بے چینی پیدا ہو گئی۔ اگر ایسٹ انڈیا کمپنی کے افسر رعایا کو بھی حکومت میں حصّہ دیتے تو غدر نہ ہوتا۔ دوسری طرف انھوں نے مسلمانوں کو سمجھایا کہ اگر آئندہ کے لئے اس سرزمین پر عزت اور خوشحالی کے ساتھ زندگی بسر کرنی ہے تو انگریزوں کی مخالفت اور ان سے نفرت چھوڑ کر جدید علوم سیکھو تاکہ ترقی کر سکو۔ اس ضمن میں مسلمانوں کی سب سے بڑی ضرورت تھی انگریزی تعلیم حاصل

کرنا۔ سرسید نے اسی پر اپنا پورا زور صرف کر دیا۔ اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ مسلمان یورپ والوں کے جذبہ ترقی کو اپنے اندر منتقل کر کے موجودہ زمانہ کی ایک ترقی کرنے والی قوم بنیں۔ انھوں نے اس بات کا اندازہ لگا لیا تھا کہ انگریزوں کی سرپرستی میں ہندوستان رفتہ رفتہ خود مختار حکومت کی منزل کی طرف بڑھے گا۔ ہندوستان میں عوام کی، عوام کے ذریعے سے، عوام کے لئے، اور عوام کے ہاتھوں سے ہونے والی حکومت قائم ہوگی مسلمان اس حکومت میں اسی وقت حصہ لے سکتے ہیں جب وہ انگریزی زبان اور جدید علوم و فنون سے آشنا ہوں۔ اگر انھوں نے یہ زبان نہ سیکھی، جو نئی ترقیوں کی کنجی ہے، تو وہ اپنی قوم اور اپنے وطن کی تقدیر بنانے میں کوئی حصہ نہ لے سکیں گے۔ ترقی کی دوڑ میں دوسروں سے پیچھے رہ جائیں گے اور اس ملک میں باعزت زندگی بسر کرنے کے موقعے کھو دیں گے

مسلمانوں کی طرف سے سرسیّد کی مخالفت

مگر مسلمان سرسید کی مخالفت کرنے لگے۔ اس کی ایک وجہ تھی۔ ہر چند مسلمان اس وقت بے ہتھیار، پریشان حال، بیکس، اور لاچار تھے۔ مگر ابھی زبانوں کی تلواریں ان کے پاس تھیں۔ انہی کو کافر حکومت کے خلاف استعمال کرتے رہتے تھے۔ سرسید کی تلقین پر عمل کرنے سے یہ مزیدار شغل چھوڑنا پڑتا تھا۔ سرسید اور ان کے ساتھیوں کو کھلم کھلا برا کہا جانے لگا۔ ان پر کفر کے فتوے چسپاں کئے گئے۔ مذمتیں ہوئیں۔ مذاق اڑا گیا۔ پھبتیاں کہی گئیں۔ کہیں وہ ملحد بنے۔ کہیں بے دین اور "کرسٹان" کہلائے۔ اس مخالفت میں وہ علمائے دین بہت پیش پیش تھے جنھوں نے غلط قسم کے مذہب کو مسلمان قوم میں پھیلا کر مذہبی اجارہ داری قائم کر لی تھی۔ اس اجارہ داری کو قائم رکھنے کے لئے مذہبی توہمات اور رسم و رواج کو برقرار رکھنے کی بھی ضرورت تھی۔ ادھر سرسیّد قرآن مجید کو عقل کی عینک لگا کر پڑھتے تھے۔ وہ کتاب مقدس کے ارشادات و تعلیمات کے ایسے معنی نکالتے تھے جن سے نیچر کے اصولوں کی تردید نہ ہو نیز ان مذہبی توہمات کے بھی سخت مخالف تھے اور ان رسموں اور رواجوں کو بھی مٹا دینے کے خواہشمند تھے جو اصل مذہب تو

نہ تھے مگر جن کو مذہبی شان حاصل ہوگئی تھی۔

انڈین کونسلز ایکٹ سے جمہوری حکومت کی ابتدا

مسلمان اس حالت سے گذر رہے تھے کہ برطانیہ کی پارلیمنٹ نے ایک قانون انڈین کونسلز ایکٹ بناکر ہندوستان میں کونسلیں قائم کیں۔ ۱۸۵۷ء تک ہندوستان کا جتنا حصہ انگریزوں کے قبضے میں آیا تھا اس کی مالک ایک انگریزی کمپنی تھی۔ جو ۱۶۰۰ء میں ملکہ انگلستان کی اجازت سے یہاں تجارت کرنے لگی تھی اور اہل ہند کی پھوٹ سے فائدہ اٹھاکر حکمراں بن بیٹھی تھی۔ غدر کے بعد ہندوستان کی حکومت کی باگ تاجدار برطانیہ نے اپنے ہاتھوں میں لے لی۔ اور ہندوستان کے لئے قانون بنانے کا حق برطانیہ کی پارلیمنٹ یا پنچایت کو حاصل ہوگیا اس نے ہندوستان کے انتظام کے لئے ایک وزیر مقرر کردیا جو وزیر ہند کہلاتا ہے۔ نظام حکومت سنبھالنے کے بعد پارلیمنٹ نے غدر کے اسباب پر غور کیا۔ اور اس نتیجہ پر پہونچی کہ رعایا کو حکومت میں حصہ دینے ہی سے سیاسی بے چینی دور کی جاسکتی ہے۔ ۱۸۶۱ء میں انڈین کونسلز ایکٹ بن گیا۔ اس قانون سے بمبئی، مدراس، بنگال، یو۔پی اور پنجاب وغیرہ میں کونسلیں قائم ہوگئیں۔ ان کونسلوں میں ہندوستانی بھی ممبر بننے لگے۔ گو حکومت ان ممبروں کو خود ہی نامزد کرتی تھی۔ تاہم ملکی حکومت میں ہندوستانی حصہ لینے لگے۔ اس قانون کو ہندوستان میں دستوری حکومت کا سنگ بنیاد سمجھا جاتا ہے۔

ہندوؤں میں سیاسی بیداری

جو بات سر سید احمد خاں مسلمانوں کو سمجھانی چاہتے تھے وہ ہندوؤں کی سمجھ میں بہت پہلے آچکی تھی۔ انگریزی تعلیم، انگریزوں کی تاریخ اور ان کی ذہنیت سے واقفیت پیدا کرلینے کی وجہ سے انھیں یہ بات معلوم ہوگئی تھی کہ جوں جوں ہندوستانی راج سنبھالنے کے اہل ہوتے جائیں گے انگریز ہندوستان کی حکومت کو روز بروز زیادہ پنچایتی بناتے جائیں گے

اسی غرض سے ۱۸۳۲ء سے بنگال کے ہندوؤں میں ایک سیاسی تحریک جاری بھی تھی۔ ۱۸۵۱ء میں بنگال برٹش ایسوسی ایشن بنی۔ ۱۸۵۲ء میں سیاسی تحریک کے حامیوں میں

ایک انتہاپسند جماعت بھی پیدا ہوگئی جو انگریزوں سے ٹکر لینے پر مُصر تھی۔اسی زمانہ میں بمبئی میں بمبئی الیسوسی ایشن کام کر رہی تھی ۱۸۶۱ء میں انڈین کونسلز ایکٹ بننے سے ہندوؤں کو یقین ہوگیا کہ برطانیہ کی سیاسی چال ڈھال کے بارے میں جو اندازہ ہم نے لگایا ہے وہ غلط نہیں ہے۔ اب تحریک بنگال سے نکل کر ہندوستان کے دوسرے صوبوں میں بھی پھیلنی شروع ہوگئی۔ ۱۸۷۰ء میں مشرقی ہندوستان کی انجمن نے بڑے زور شور سے کام شروع کیا۔ وہ پہلے کی سب سیاسی جماعتوں پر سبقت لے گئی۔ مہاراشٹر میں اسی زمانہ میں پونا سارو جنک سبھا بن چکی تھی۔ بنگال میں ۱۸۷۶ء میں انڈین ایسوسی ایشن کی بنیاد رکھی گئی تھی جس کی کارروائیوں سے گورنمنٹ بہت پریشان تھی۔ تقریباً ۱۴۷۵ اخبارات بھی سیاسی بیداری پھیلا رہے تھے۔ ۱۸۷۸ء تک تحریک والوں کا حوصلہ اتنا بڑھ گیا کہ انھوں نے حکومت پر شدید نکتہ چینیاں بھی شروع کر دیں۔ انگریزی تاریخ کے مطالعہ سے انھیں یہ نکتہ ہاتھ لگا تھا کہ انگریز رائے عامہ سے مرعوب ہوتے اور آئینی ایجی ٹیشن سے بھی اثر لیتے ہیں۔ سہج سہج وہ اس پر عمل کرنے کی مشق کر رہے تھے۔

نیشنل کانگریس کا قیام

ابھی تک ہندوؤں کی یہ سب سیاسی انجمنیں اپنے اپنے طور پر الگ الگ سیاسی بیداری پھیلانے کا کام کر رہی تھیں۔ اب ان سب کو ملا کر ایک مرکزی انجمن بنانے کا خیال پیدا ہوگیا۔ ۱۸۸۵ء میں سیاسی تحریک نے آل انڈیا نیشنل کانگریس کی شکل اختیار کر لی۔ تاکہ ملک کے سارے کارکن ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کام کر سکیں۔ اور سال کے سال کسی مقام پر جمع ہو کر صلاح مشورہ کرنے کے بعد آنے والے سال کے لئے ملکی کاموں کی بابت پہلے سے سوچ بچار کر لیا کریں۔ اس انجمن کی بنیاد ایک انگریز مسٹر ہیوم نے رکھی۔ وہ پہلے تو اس کو صرف معاشرتی اصلاح کے لئے وقف رکھنا چاہتے تھے مگر جب گورنر جنرل لارڈ ڈفرن سے اس سلسلے میں مشورہ کیا گیا تو انھوں نے یہ صلاح دی کہ اس جماعت سے سال میں ایک مرتبہ کسی مقام پر اپنا جلسہ کر کے حکومت کے کاموں پر نکتہ چینی کرنے اور اس کے عیوب و نقائص کو ظاہر

کرنے کا کام لینا چاہیئے۔ لارڈ   ڈفرن کا خیال تھا کہ اس سے حاکم و محکوم دونوں کو فائدہ پہونچے گا۔ انھوں نے مشورہ تو دے دیا مگر ساتھ ہی یہ بھی تاکید کر دی کہ میرا نام ظاہر نہ ہو۔ اس لئے گورنر جنرل کا نام کانگریس کی تحریک سے وابستہ نہ کیا گیا۔ کانگریس کے سب سے پہلے اجلاس میں جو تجویزیں منظور ہوئیں ان میں ہندوستان کے نظام حکومت کی تحقیقات کے لئے ایک کمیشن مقرر کیا جائے، قانون ساز جماعتوں میں عوام کے چُنے ہوئے ہندوستانی ممبروں کو داخل کرنے، اور ہندوستان اور انگلستان میں بیک وقت سول سروس کا امتحان ہونے کا مطالبہ کیا گیا

سر سیّد احمد خاں اور شرکت کانگریس کی مخالفت

قیام کانگریس کے وقت علی گڈھ کے محمڈن اینگلو اورنیٹل کالج کو قائم ہوئے صرف آٹھ برس ہوئے تھے مسلمانوں کی آنکھیں کچھ کچھ کھل چکی تھیں۔ مگر کانگریس نے اپنا جو سیاسی معیار مقرر کیا تھا اس پر وہ اب بھی پورے نہ اترتے تھے۔ کانگریس کا اجلاس بمبئی بلانے والوں نے جو مینی فسٹو (اظہاری بیان) نکالا تھا اس میں صاف لکھا تھا کہ "وہ ڈیلیگیٹ اور نمایاں سیاستداں ہوں گے جو انگریزی زبان سے خوب اچھی طرح واقف ہوں۔" مسلمان قوم کی عام حالت یہ تھی کہ غدر کے جان لیوا ہنگامے سے بچ جانے کے بعد ۸۵ء تک اسے نئے حالات میں ڈھلنے اور نئی چیزوں میں حصہ لینے کے قابل بننے کے لئے مہلت ہی نہیں مل سکی تھی تیس برس سے مسلمانوں کو مسلسل مالی پریشانیوں اور افلاس و جہالت سے واسطہ پڑ رہا تھا جنھوں نے ان کو بہت زیادہ کمزور کر دیا تھا۔ کانگریس کی تحریک امن پسندانہ تو ضرور تھی اور اس کا مقصد بھی گورنمنٹ کے خلاف بغاوت کرنا نہیں تھا مگر جو چیز ہندوؤں کے معاملے ایک منظم سیاسی ایجی ٹیشن سمجھی جاتی وہ مسلمانوں کے ہاتھوں وجود میں آتے ہی حکومت وقت کی نظروں میں غدر کے بعد ایک دوسری سیاسی بغاوت بن سکتی تھی۔ اس سے مسلمان پھر ایک بار سرکار انگریزی کی بدگمانیوں اور غلط فہمیوں کا شکار بن جاتے انھی سب باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے سر سیّد نے

مسلمانوں کے کانگریس میں شریک ہونے کی مخالفت کی

جمہوریت میں قوی اقلیت بننے کی ضرورت

ان کا اندازہ یہ تھا کہ ہندو جس قسم کی حکومت کا مطالبہ کر رہے ہیں اور جو حکومت انگریز انھیں بتدریج دیں گے وہ جمہوری طرز کی ہوگی جس میں اکثریت راج کرتی ہے۔ اگر مسلمانوں نے خود کو قوی اور ترقی یافتہ نہ بنایا تو وہ ایک کمزور اقلیت میں تبدیل ہو کر رہ جائیں گے۔ ہندوستان میں مذہب ہی زندگی کی بنیاد ہے۔ تاوقتیکہ ہندوستان کی سب قومیں اپنا اپنا مذہب چھوڑ کر صرف ہندوستانی بننے پر آمادگی ظاہر نہ کردیں وہ معاشرت اور رسوم و رواج میں (جو مذہب کے پابند ہیں) ایک دوسرے سے اتنی الگ رہیں گی کہ ان کا ایک دوسرے میں جذب ہونا ناممکن ہوگا۔ ان جمہوری ملکوں میں جہاں ایک قوم ہوتی ہے، اکثریت اور اقلیت والی جماعتیں صرف اصولی اختلاف کی بنا پر وجود میں آتی ہیں۔ وہاں یہ ممکن ہوتا ہے کہ وہی اقلیت جو آج حکومت کی مخالفت کر رہی ہے۔ کبھی خود بھی اقتدار حاصل کر کے حاکم وقت بن جائے۔ مگر مذہب کے اس قدر شدید طور پر جزو زندگی ہونے کی صورت میں ہندوستان میں اس قسم کا کوئی واقعہ کبھی بھی ظہور میں نہیں آسکتا۔ اس لئے اقلیت کو اپنی زندگی کی حفاظت کے لئے پہلے تعلیم حاصل کر کے قوی اور طاقتور بننے کی ضرورت ہے

مسلمانوں کا یا بحیثیت مجموعی ہندوستان کا کوئی خیر طلب مسلمانان ہند کی رہنمائی کے لئے اس کے سوا اور کوئی راہ اختیار کر ہی نہیں سکتا تھا۔ سرسید اپنے عقائد کی وجہ سے تو مسلمان قوم کے زیادہ حصے کی ملامت ہی کا نشانہ تھے۔ مگر سیاست میں ساری قوم نے بلا چون و چرا ان ہی کی پیروی کی کسی منطقی مغالطے یا سبز باغ میں اتنی قوت نہیں ہو سکتی۔ سرسید احمد خاں کی کامیابی کی وجہ صرف یہ تھی کہ ان کی رائے صائب تھی

سرسید کی تحریروں، تقریروں اور زندگی سے یہ کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ وہ مسلمانوں کو ہندوستان کی سیاسی ترقی کے راستے میں ایک روک بنانا چاہتے تھے بلکہ یہ چیزیں ایک

ایسی شخصیت کی آئینہ داری کرتی ہیں جو تعصب سے پاک، وطن دوست، وطن پرور اور دُور اندیش انسان ہے، جس کے سینے میں اپنے وطن کی محبت کا جذبہ موجزن ہے، جو ہمسایوں سے دوستی رکھنے کا مشتاق ہے اور جو اپنا وجود قائم رکھتے ہوئے دوسروں کی طرف اتحاد و اتفاق کا ہاتھ بڑھانا چاہتا ہے۔ انھوں نے صرف وقتی طور پر مسلمانوں کو سیاست سے الگ رہنے کی تعلیم یہ سوچ کر دی کہ ہندوستان انگریزوں کی نگرانی میں جمہوریت کے راستے پر ترقی کے قدموں سے آگے بڑھے گا اور مسلمان اسی حالت میں اس کے ساتھ قدم ملا کر چل سکیں گے جب وہ تعلیمی ترقی کا مرحلہ طے کر کے میدانِ عمل میں اتر چکے ہوں

تعلیمی کانفرنس میں محسن الملک بہادر کی پہلی للکار

مسلمانوں کی تعلیمی جد وجہد میں عملی سرگرمی پیدا کرنے کے لئے سرسید نے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے نام سے ۱۸۸۶ء میں ایک انجمن قائم کی جس کا مقصد مسلمانوں میں جدید تعلیم کا چرچا کرنا تھا یہ کانفرنس سات برس تک مسلمانوں کے متحدہ مرکزی پلیٹ فارم کا کام دیتی رہی۔ ۱۸۹۳ء میں نواب محسن الملک میر مہدی علی خاں بہادر ریاست حیدر آباد کی ملازمت وزارت خارجہ سے سبکدوش ہو کر قومی خدمت کے لئے میدان میں اترے اور تعلیمی کانفرنس کو کسی قدر تیزی کے ساتھ آگے لے کر چلے

کانفرنس کے ۱۸۹۳ء کے اجلاس علی گڑھ میں انھوں نے مسلمانوں کے مستقبل پر تقریر کرتے ہوئے کہا۔ "ذرا آنکھیں کھول کر نیشنل کانگریس کی کارروائی کو دیکھئے اور اس کے نتیجوں پر خیال فرمائیے۔ کیا وہ جوش جو ہمارے ہموطن دکھلا رہے ہیں اور جس استقلال اور گرمجوشی سے وہ کام کر رہے ہیں اور جو اتحاد اور اخلاص ان میں ہے اور وہ ہمدردی جو قلم سے، مال سے، زبان سے، جان سے، وہ ظاہر کر رہے ہیں اس قابل نہیں ہیں کہ آپ سب حضرات انھیں عبرت کی نظر سے دیکھیں اور آپ کی حمیت وغیرت کا خون جوش میں آئے اور اپنی قوم کے لئے کچھ کریں ؟ تعلیم کی بدولت وہ اس قابل ہو گئے ہیں کہ اپنی اغراض پبلک کے سامنے پیش کر سکتے ہیں، اور اپنا استحقاق گورمنٹ پر ثابت

کرسکتے ہیں۔ وہ اس چیز کے پانے کی لیاقت رکھنے کے مدعی ہیں جس کو وہ مانگتے ہیں۔ اور باوجود اس بات کے کہ ان کی کوششیں کچھ ناجائز ہیں اور کچھ ناواجب اور کچھ قبل ازوقت، اور باوجود اس بات کے کہ بہت زبردست مزاحمت ان کے سامنے ہے، مگر وہ صرف اعلیٰ تعلیم میں لیاقت پیدا کرنے اور انگریزی میں پوری مہارت رکھنے اور فصاحت و بلاغت سے تقریریں کرنے اور زبردست تحریروں سے اپنے مطلب کے حاصل کرنے میں کامیاب ہوتے چلے جارہے ہیں۔ اور ایک حیرت انگیز رسوخ اور وقعت انگلستان کی پبلک کے دلوں میں پیدا کر رہے ہیں اور بتدریج پارلیمنٹ کے ممبروں کی توجہ بلکہ ہمدردی حاصل کر رہے ہیں

"کیا پارلیمنٹ میں سائمل ٹینئیس اگزامی نیشن یعنی ہندوستان اور انگلستان دونوں جگہ بیک وقت سرکاری ملازمتوں کے لئے مقابلہ کا امتحان ہونا، اور کیا گورنر جنرل بہادر کی شاہی کونسل میں انتخاب کے قاعدہ کا جاری ہونا ایسے دو بڑے واقعے نہیں ہیں جن کو عبرت کی نگاہ سے مسلمان دیکھیں اور جن پر نظر کرکے اپنی افسوسناک حالت پر توجہ کریں"

یہ تقریر مسلمانوں کی کتاب سیاست کے پہلے باب کی اوّلین سطر ہے

ہندوؤں اور مسلمانوں میں نااتفاقی

سرسید اور ان کے ساتھیوں کی ان کوششوں کو جو مسلمانوں کی ترقی کے سلسلے میں کی گئیں ہندوؤں نے وطن دشمنی سے تعبیر کیا اور مسلمانوں کی طرف سے ان کے خیالات میں مخالفت کی گرمی پیدا ہوگئی۔ ۱۸۹۳ء میں اعظم گڈھ کے ہندوؤں نے یہ چاہا کہ مسلمان بقرعید کے موقعے پر گائے کی قربانی نہ کریں۔ اس پر فساد ہوا بمبئی میں محرّم کے تعزیوں پر ہی خون خرابے ہونے لگے۔ مسٹر بال گنگا دھر تلک نے جو مہاشٹر کے ایک نمایاں ہندو لیڈر تھے ہندوؤں کی ایک انجمن بنا ڈالی جس کا مقصد ذبیحۂ گاؤ کی مخالفت کرنا تھا۔ ہندو عوام میں مسلمانوں کے خلاف جوش پھیلا۔ کئی فساد ہوگئے۔ اُردو زبان

کو ہندو عہد غلامی کی یادگار کہنے لگے اور اس کے مقابلے پر دیوناگری کو سرکاری زبان بنوانے کی کوشش کرنے لگے۔ سب سے پہلے بہار میں یہ کوشش ہوئی۔ وہاں کامیابی ہوگئی تو صوبہ متحدہ میں بھی اسی کے لئے زور لگایا گیا اور آخر میں کامیابی ہو ہی گئی۔ اُردو والے احتجاج ہی کرتے رہ گئے

مسلمانوں کو اپنے سیاسی وجود کی فکر

ہندوؤں کی اس روش سے مسلمان چوکنے ہوئے۔ اسکے علاوہ اب وہ کافی تعلیمیافتہ بھی ہوگئے تھے اور اپنا حق سمجھنے لگے تھے کہ ملازمتوں اور نظامِ حکومت میں انھیں بھی حصہ ملے۔ وہ کہتے تھے کہ پہلے تو یہ عُذر تھا کہ مسلمان انگریزی تعلیم حاصل ہی نہیں کرتے۔ انھیں ملازمتیں کیسے دیجائیں! لیکن اب ہم انگریزی تعلیم حاصل کرکے اہل ہوگئے ہیں تو ایوان حکومت اور دفاتر میں گھُسنے سے روکا جارہا ہے بلکہ پیچھے کی طرف دھکیلا جارہا ہے۔ ہندوستان کے پڑھے لکھے مسلمانوں میں اِس سرے سے اُس سرے تک بے چینی کی ایک لہر دوڑنے لگی اور انھیں اپنے سیاسی وجود کی فکر پڑگئی۔ سنہ ۱۹۰۱ء میں نواب محسن الملک بہادر نے اپنے ایک مضمون میں یہ بحث اٹھائی کہ مسلمانوں کو اپنے سیاسی حقوق کی حفاظت میں کیا کیا تدبیریں اختیار کرنی چاہئیں۔ اور تعلیمیافتہ نوجوان مسلمانوں کو دعوت دی کہ وہ اس سوال پر اپنی اپنی رائے کا اظہار کریں۔ بحث ونظر کا دروازہ کھل گیا۔ مسلمانوں کی سیاسی حق تلفی کے اسباب کی جستجو کی جانے لگی۔ معلوم کیا گیا کہ ملک میں جمہوری حکومت کی ابتدا ہوچکی ہے اور ہندوستانیوں کو نظام حکمرانی میں روز بروز زیادہ حصہ مل رہا ہے مگر ہندو حکومت پر خود ہی قبضہ کرتے چلے جارہے ہیں۔ انھوں نے مذہبی اختلافات کی بنیاد پر خود کو اکثریت اور مسلمانوں کو اقلیت سمجھ کر انھیں حکومت میں نہ گھسنے دینے کی پالیسی اختیار کرلی ہے۔

سنہ ۱۸۶۱ء میں انڈین کونسلز ایکٹ سے صوبوں میں قانون ساز کونسلیں قائم ہوئیں جن میں حکومت ہندوستانی ممبروں کو نامزد کرنے لگی۔ اسکے پچیس برس بعد انتخاب کا اصول رائج کرنیکا خیال پیدا ہوا۔ اور سنہ ۱۸۸۲ء میں یہ اصوُل مقامی میونسپلٹیوں اور بورڈوں میں تھوڑا بہت

رائج بھی ہوگیا۔ ۱۸۹۲ء میں کونسلوں کو ترقی دی گئی اور ان میں توسیع ہوئی میونسپل بورڈوں اور ڈسٹرکٹ بورڈوں کے ممبروں، ایوانہائے تجارت اور یونیورسٹی کے ارباب اختیار اور زمینداروں کو کونسلوں کے لئے ممبر چننے کا حق ملا۔ لیکن جہاں کہیں اس قسم کے حقوق ملے ہندوؤں نے اپنی اکثریت کی طاقت سے خود ہی ان سے فائدہ اٹھایا اور مسلمانوں کو محروم رکھا۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ مسلمان اپنا سیاسی وجود علیحدہ قائم کریں اور ایک ایسی سیاسی جماعت بنائیں جو ان کی نمائندہ، ترجمان اور سیاسی محافظ ہو

مسلم پولیٹکل ایسوسی ایشن

چنانچہ مسلم پولیٹکل ایسوسی ایشن کے نام سے اس قسم کی ایک جماعت بن گئی۔ اور اس نے اپنا عملی پروگرام بھی مرتب کرلیا۔ یہ خیال ظاہر کیا گیا کہ مسلمان بحالت موجودہ آل انڈیا نیشنل کانگریس کے ساتھ مل کر کام نہیں کرسکتے کیونکہ اس قسم کا اتحاد عمل مسلمان قوم کے لئے مفید ہونے کی جگہ مضر پڑیگا۔ محسن الملک بہادر کی تجویز یہ تھی کہ ہندوستان کے ہر گاؤں اور ہر ضلع میں مسلم پولیٹکل ایسوسی ایشن کی شاخیں قائم کیجائیں اور اسے تمام قوم کی واحد مرکزی قومی نمائندہ سیاسی جماعت کی حیثیت دی جائے

خود اختیار حکومت کی پہلی قسط ملنے کے آثار اور محسن الملک بہادر کی جد و جہد

لیکن ابھی اس جماعت نے پوری طرح کام شروع نہ کیا تھا کہ وزیر ہند لارڈ جان مارلے نے ۱۹۰۶ء کے آغاز میں برطانوی پارلیمنٹ کے دار العلوم میں بجٹ پر تقریر کرتے ہوئے یہ ظاہر کیا کہ برطانیہ ہندوستانیوں کو ہندوستان کی حکومت میں پہلے سے زیادہ حصے دینے والی ہے نواب محسن الملک بہادر اس وقت مسلمانوں کے سب سے بڑے سیاسی لیڈر تھے۔ وہ مسلمانوں کے سیاسی حقوق کے حصول کے لئے انتھک کام کر رہے تھے۔ انھوں نے فوراً مسلمانوں کے مطالبات حکومت تک پہنچانے کے لئے کام شروع کردیا

انھوں نے اور نواب وقار الملک بہادر نے فوراً ایک مسودہ مرتب کرایا۔ اس پر ہر صوبے کے پانچ ہزار مختلف خیالات اور طبقوں کے لوگوں کے دستخط حاصل کئے

ایک وفد بنایا جس میں ہر صوبے کے نمائندے تھے اور جس کے صدر سر آغا خاں تھے۔ اور یکم اکتوبر ۱۹۰۶ء کو مطالبات ایک یادداشت کی شکل میں گورنر جنرل لارڈ منٹو کے سامنے پیش کر دیئے۔ یہ سب کام بے انتہا رازداری کے ساتھ صرف دو ماہ کی مدت میں ہوا تھا

مسلمانوں کے مطالبات کی یادداشت

یادداشت کا بنیادی مطالبہ یہ تھا کہ مسلمان ہندوستان میں ایک نمایاں اقلیت کی حیثیت رکھتے ہیں اس لئے حکومت میں ہندوستانیوں کو حصہ دیتے وقت نمائندگی اور ملازمتوں میں مسلمانوں کا درجہ صرف ان کی تعداد کے اعتبار سے نہ رکھا جائے بلکہ انکی سیاسی اہمیت کا بھی لحاظ کیا جائے۔ یورپ کا جمہوری طرزِ حکومت ہندوستان کیلئے بالکل نیا ہے۔ اندیشہ ہے کہ کہیں اس کے ذریعے سے ہمارے حقوق کی باگ ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں نہ چلی جائے جنھیں ہم سے کسی قسم کی ہمدردی نہ ہو۔ حکومت ایسا انتظام کرے کہ ہندوستان کے تمام صوبوں کی ملازمتوں اور ممبریوں وغیرہ میں مسلمانوں کے لئے ایک تعداد مقرر ہو جائے اور ڈسٹرکٹ بورڈوں اور میونسپلٹیوں میں بھی ہندوؤں اور مسلمانوں کے ممبروں کی الگ الگ تعداد مقرر کر کے ہندوؤں اور مسلمانوں کو اپنے ممبر چننے کا خود حق دے دیا جائے۔ صوبوں کی کونسلوں اور وائسرائے کی کونسل میں بھی مقررہ اور اثر دار نمائندگی کا مطالبہ کیا گیا تھا اور اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ مسلمان ممبروں کی تعداد ان کی قوم کی مردم شماری کے اعتبار سے نہیں بلکہ اثر پڑ سکنے والی نمائندگی کے خیال سے مقرر کی جائے تاکہ ملکی معاملات پر مسلمانوں کی رائے اور ان کی آواز کا بھی اثر ہو۔ وائسرائے نے اصولی طور پر مسلمانوں کے مطالبات سے اتفاق کرتے ہوئے جواب دیا کہ "سردست میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مسلمان مطمئن رہ سکتے ہیں کہ جب تک میرا تعلق اس کشور کے انتظامی شعبوں سے باقی ہے ان کے قومی حقوق و مقاصد کا پورا لحاظ کیا جائے گا"

یادداشت کی اہمیت اور اس کا بنیادی نظریہ

مسلمانوں کی منظم سیاسی زندگی اسی یادداشت سے شروع ہوتی ہے سنہ ۱۹۰۶ء تک مسلمان عملی سیاست سے بالکل الگ تھے۔ ان کے لیڈروں کی رائے میں ان مخصوص حالات کا، جو مسلمانوں کو پیش آئے تھے، یہی تقاضا تھا لیکن سیاست میں داخل ہونیکا وقت آیا تو نواب محسن الملک بہادر نے اپنی قوم کو فوراً ایک منظم سیاسی طاقت بنا کر منزل مقصود کی طرف ایک معنی خیز اشارہ کر دیا

اس یادداشت کا بنیادی نظریہ یہ تھا کہ ہندوستان ایک گھر ہے جس میں ہندو اور مسلمان دو بھائی بستے ہیں اور انگریزوں کی حیثیت سرپرست کی سی ہے۔ چھوٹے بھائی (مسلمان) کو اپنی شخصیت قائم رکھنی، اپنی ضرورتیں پوری کرنی، اپنے سرپرست سے وفاداری اور اپنے بڑے بھائی سے پرخلوص محبت کرنی ہے مگر وقت پر اسے اپنے حقوق بھی حاصل کرنے ہیں۔ یادداشت چھوٹے بھائی کی طرف سے سرپرست کی خدمت میں ایک درخواست تھی کہ ہندوستان میں جو خود اختیار حکومت قائم ہو رہی ہے اس میں مجھے بھی میری حیثیت کے مطابق حصہ ملے۔ میری ضرورتیں اور مطالبات بڑھ رہے ہیں۔ اپنے وطن کی تقدیر بنانے کا جذبہ اب میرے سینے میں بھی جاگ اٹھا ہے۔ ان ترقیوں کو جو اب میرے گرد و پیش ہو رہی ہیں میں زیادہ دیر تک صرف تماشائی بن کر نہیں دیکھ سکتا۔ میری سیاسی طفولیت کے زمانہ میں بڑا بھائی جن موقعوں اور ذریعوں سے فائدہ اٹھاتا رہا ہے اب میں بھی انہی کا طالب ہوں اور انھیں حاصل کرنا اپنا حق سمجھتا ہوں

انگریزوں کا رویّہ

سرپرست نے چھوٹے بھائی کے مطالبات کی معقولیت کو تسلیم کیا۔ اور اسے یہ اطمینان دلایا کہ مسلمانوں کے لئے بھی ان موقعوں اور ذریعوں سے فائدہ اٹھانے کا بندوبست کیا جائیگا۔ لارڈ منٹو ابتدا میں تو وفد کو باریابی دیتے ہوئے ہچکچائے تھے کیونکہ انھیں یہ اندیشہ تھا کہ کہیں اس وفد سے ملک کی سیاست میں کوئی الجھن پیدا نہ ہو جائے اور بہت کوشش کی جانے کے بعد انھوں نے وفد سے ملاقات

کرنے پر آمادگی ظاہر کی تھی۔ مگر وفد سے ملنے پر انھوں نے خندہ پیشانی سے ارکان وفد کا خیر مقدم کیا۔ مطالبات کے جواب میں جو کچھ کہا، اس سے انھوں نے خود کو یا حکومت کو کسی خاص وعدہ کا پابند تو نہیں کیا تاہم مسلمانوں کو اس بات کا یقین آگیا کہ ان کے حقوق کی طرف سے چشم پوشی نہیں کی جائے گی۔" لندن ٹائمز" نے یادداشت اور اس کے مطالبات پر بڑے زور شور سے تبصرہ کیا اور یہ کہا کہ مسلمانوں کی طرف سے یہ یادداشت کیا پیش ہوئی ہے ان کی بیس برس کی خاموشی کی مہر سکوت ٹوٹی ہے

ہندوؤں کی روش

مگر بڑے بھائی کو چھوٹے بھائی کی یہ حرکت بُری لگی۔ کانگریس نے اس یادداشت اور مسلمانوں کے وفد کو غصہ اور خفگی کی نظر سے دیکھا۔ بنگالی اخباروں نے لکھا کہ یہ حکومت کے افسروں اور ہندوؤں کے مخالف انگریزی اخباروں کے اشارے سے پیدا ہوا ہے

بعض مسلمانوں نے بھی جو کانگریس کی طرف مائل تھے ڈیپوٹیشن کو "وفاداروں کی جماعت" بتایا۔ حالانکہ اس زمانہ میں آل انڈیا نیشنل کانگریس کمیٹی نے اپنی ممبری کے معاملے میں مسلمانوں کی مخصوص اور مقررہ نمائندگی کا اصول رکھ چھوڑا تھا اور اس نے اپنے بنیادی اغراض و مقاصد میں یہ دفعہ رکھی تھی کہ "کسی ایسے مطالبے یا عرضداشت میں جو کانگریس ہندوستانیوں کو ملکی انتظام میں زیادہ حصّہ دیئے جانے کے سلسلے میں کریگی، اقلیتوں کے مفاد کا لحاظ رکھا جائے گا"

جس طرح عہد طفلی سے گذر کر جوانی میں قدم رکھتے وقت انسان کے ذہن اور اسکے مزاج میں دوسروں کے خیالات کو قبول کرنے کی لچک ہوتی ہے اسی طرح اس دَور میں مسلمانوں کی ذہنیت بھی ایک سادہ ورق کی طرح تھی۔ ہندوؤں نے یادداشت کی مخالفت کر کے اس سادہ ورق پر اپنی ہمدردی کے خوش منظر نقش و نگار بنانے کا ایک زرّیں موقع ہاتھ سے کھو دیا

باب ۲
مسلم لیگ کا قیام

محسن الملک بہادر کی تحریک

جس طرح مسلمانوں کے سیاسی مطالبات حکومت کے سامنے پیش کرنے کا کام محسن الملک بہادر نے انجام دیا تھا۔ اسی طرح مسلم لیگ کی بنیاد رکھنے کا خیال بھی سب سے پہلے اسی جواں ہمت بوڑھے کے دل میں پیدا ہوا۔ انھوں نے سر آغا خاں کو لکھا: "جو ڈیپوٹیشن شملہ گیا تھا اسے زندہ رکھنا نہایت ضروری ہے۔ خیال یہ ہے کہ ایک کمیٹی مقرر ہو اور ڈیپوٹیشن کے ممبر اس کے ممبر ہوں۔ اور اس کا صرف یہ کام ہو کہ جو درخواستیں یادداشت میں (حکومت سے) کی گئی ہیں۔ انکی تکمیل کیلئے وقتاً فوقتاً گورنمنٹ سے خط و کتابت کرے اور میٹریل (ضروری مصالحہ) جمع کرتی رہے۔ یہ کام درحقیقت ایک انجمن کا ہے۔ وہ کل ہندوستان کیلئے ہو۔ اگر آپ نے اس تجویز کو منظور فرمالیا تو آئندہ کیلئے جو تجویزیں میرے خیال میں ہیں ان سے بھی آپ کو مطلع کروں گا۔"

سر آغا خاں نے یہ تجویز منظور کرلی اور ہندوستان کے نمایاں اور ذی اثر مسلمانوں کو ایک گشتی مراسلے کے ذریعہ اس سے مطلع کر دیا گیا۔ یہ مراسلہ نواب ڈھاکہ کی طرف سے بھیجا گیا تھا۔

ڈھاکہ کے جلسہ میں قیام لیگ

دسمبر ۱۹۰۶ء میں ڈھاکہ میں وقار الملک بہادر کی صدارت میں مسلمانوں کا ایک نمائندہ سیاسی جلسہ ہوا۔ نواب وقار الملک بہادر مولوی محمد مشتاق حسین خاں انتصار جنگ رئیس امروہہ (مرادآباد) ایک عرصہ سے ریاست حیدر آباد میں ملازمت کر رہے تھے۔ وہاں سے سبکدوش ہونے

کے بعد انھوں نے قومی خدمت کے میدان میں قدم رکھا تھا۔ محسن الملک بہادر کی طرح وہ بھی ان گنے چنے نمایاں اور ذی عزت مسلمانوں میں سے ایک تھے جنھوں نے تحریک علی گڑھ کے سلسلہ میں ان کی ہر ممکن امداد کی تھی۔ اور جنھیں بجا طور پر سرسید کے رفقائے کار کہا جاتا ہے۔ اب سے پہلے مسلمانوں کے جتنے نمائندہ جلسے ہوا کرتے تھے ان میں صرف تعلیمی ترقی کی باتیں ہوا کرتی تھیں اور سیاسیات کے ذکر از کار سرراہے ہی آجایا کرتے تھے۔ مگر چونکہ اس جلسہ کی غرض وغایت ہی سیاسی گفتگو تھی اس لئے مسلمانوں کی ایک مرکزی سیاسی جماعت قائم کرنے کے مسئلے پر خوب بحثیں ہوئیں۔ ہندوستان کے ہر صوبہ کے سربرآوردہ اور ذی عزت مسلمان موجود تھے۔ سب نے اپنی اپنی رائے کا اظہار کیا۔ ملک کی سیاسی صورت حال کا جائزہ لیا گیا۔ مسلمانوں کی حالت پر نظر ڈالی گئی۔ انگریزوں کی روش بھی زیر تبصرہ آئی۔ آخر کار یہ فیصلہ ہو گیا کہ مسلمانوں کی ایک نمائندہ سیاسی انجمن بنائی جائے۔ اُس کا نام آل انڈیا مسلم لیگ ہو۔ نواب محسن الملک بہادر اور نواب وقار الملک بہادر اس کے سکریٹری بنائے گئے۔ مسلم لیگ کے قواعد ضوابط تیار کرنے کیلئے ایک کمیٹی مقرر کر دی گئی۔ اس کے سکریٹری بھی محسن الملک بہادر اور وقار الملک بہادر ہی مقرر ہوئے۔ انھیں اس بات کا اختیار دیا گیا کہ جب کمیٹی قواعد ضوابط تیار کرلے تو ہر صوبہ اور علاقہ کے نمائندہ مسلمانوں کا ایک جلسہ طلب کیا جائے اور قواعد ضوابط ان کی منظوری کے لئے پیش کر دیئے جائیں۔ ہز ہائینس سر سلطان محمد شاہ آغا خاں کو لیگ کا مستقل صدر بنایا گیا۔ اس دور میں مسلمانوں کی رہبری کی باگ تحریک علی گڑھ کے حامی مسلمانوں ہی کے ہاتھوں میں تھی۔ جو سرسید احمد خاں کے اثرات کے آغوش میں پلے بڑھے تھے۔ لیگ کے قیام میں بھی زیادہ تر انہی کا ہاتھ رہا۔ مولانا محمد علی، جو اس زمانہ میں مسٹر محمد علی بی۔ اے (آکسن) تھے، ملازمت کر رہے تھے۔ مگر تاسیس لیگ کے مشوروں میں وہ بھی شریک کئے گئے۔ قیام لیگ کے سلسلہ میں جتنی تگ ودو انھوں نے کی اس کے اعتبار سے مولانا کو بھی نواب محسن الملک بہادر، نواب وقار الملک بہادر اور نواب ڈھاکہ

وغیرہ کے ساتھ لیگ کے بانیوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

لیگ کے مقاصد سہ گانہ رکھے گئے جنھیں ایک فقرہ میں یوں ادا کیا جا سکتا ہے کہ حکومت برطانیہ کے وفادار اور ہندوستان کی دوسری قوموں کے دوست رہتے ہوئے مسلمانوں کے حقوق کیلئے جدوجہد کرنا۔ ڈھاکہ کے جلسہ کی کارروائی کو مسٹر محمد علی (آکسن) نے نہایت فصیح و بلیغ زبان میں مرتب کیا اور اسے "نیلی کتاب" کے نام سے نہایت شاندار طریقے سے شائع کیا۔ یہ کتاب نہ صرف ہر اس ہندوستانی کے ہاتھوں تک پہونچی جو ملکی سیاسیات سے دلچسپی رکھتا تھا یا مسلمانوں کے سیاسی مستقبل کو شاندار دیکھنے کا آرزومند تھا بلکہ ہندوستان کے باہر بھی لوگوں نے اُسے ذوق و شوق کے ساتھ پڑھا اور حیرت اور خوشی کے ملے جُلے جذبات کے ساتھ اس قوم کو تازہ دم ہو کر میدان سیاست میں قدم رکھتے دیکھا جو غدر کے بعد کے زمانہ میں قریب قریب مٹ چلی تھی۔ برٹش ایمپائر (دولتِ برطانیہ) میں اس سرے سے اس سرے تک قیام لیگ کے جلسہ کی کارروائی بڑے بڑے اخباروں میں شائع ہوئی۔ لندن کے نمایاں اخباروں نے اس پر لیڈنگ آرٹیکل لکھے، اور قیام مسلم لیگ کو ہندوستان کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ قرار دیا۔

مسلمانوں کی طرف سے مسلم لیگ کا پُرجوش خیر مقدم

مسلمان تعلیم اور جدید علوم و فنون میں ہندوستان کی دوسری قوموں سے پیچھے تو ضرور تھے مگر وہ رہبران قوم کی ایک آواز پر فوراً لیگ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔ اس سے یہ ظاہر ہوا کہ سیاسی بیداری اور سیاسی اکساہٹ کا اثر قبول کرنے کی صلاحیت ان میں تعلیمی و اقتصادی پستی کے باوجود بھی دوسری قوموں سے کہیں زیادہ ہے اور وہ بہت جلد منظم ہو کر ایک متحدہ قومی سیاسی مرکز پر جمع ہو جانے کی اہلیت بھی رکھتے ہیں۔ جس انداز اور لب و لہجہ سے اسلامی ہند میں قیام لیگ کا خیر مقدم کیا گیا اس نے یہ ثابت کر دیا کہ مسلمان اغراض و مقاصد کی ہم آہنگی اور عملی یکجہتی کا شاندار ترین نظارہ پیش کر سکتے ہیں۔ ہر طبقہ و خیال کے مسلمان جنھیں سیاست سے کچھ بھی لگاؤ تھا، لیگ کے پلیٹ فارم کی طرف

کھنچ آئے۔ انھوں نے اپنے سیاسی خیالات کے اظہار کے لئے اسے مرکز بنالیا۔ مسلم لیگ مسلمانوں کی واحد نمائندہ سیاسی جماعت بن گئی۔ اس کے سر پر قوم کی رہبری کا تاج عظمت رکھ دیا گیا۔

اسی سال ہندوؤں کے حقوق کی حفاظت کیلئے بھی ایک جماعت قائم ہوئی جس کا نام رکھا گیا "ہندو مہاسبھا"۔ ظاہر تو یہی کیا گیا کہ ہندو مہاسبھا لیگ کے جواب میں نہیں بنائی گئی ہے۔ مگر آگے چل کر اس کا طرز عمل یہ دیکھا گیا کہ جو تجویزیں مسلم لیگ کے اجلاس میں یا مسلمانوں کے حقوق کے بارے میں پاس ہوتی تھیں بالکل ویسی ہی تجویزیں ہندو مہاسبھا کے پلیٹ فارم سے بھی ہندوؤں کے حقوق کے بارے میں حکومت کو بھیج دی جاتی تھیں۔ مسلم لیگ نے جب یہ مطالبہ کیا کہ اقلیت میں ہونے کی وجہ سے مسلمان یہ چاہتے ہیں کہ ان کے حقوق محفوظ کر دیئے جائیں تو مہاسبھا نے بھی ہندوؤں کے لئے (جو اقلیت میں نہیں اکثریت میں تھے اور ہیں) تحفظ حقوق کا مطالبہ حکومت کے آگے رکھا۔

قیام لیگ کے زمانہ میں ہندوستان کی سیاسی حالت کا خاکہ

ہندوؤں کی سیاسی تحریک بڑی تیزی سے ترقی کر رہی تھی مگر ابھی تک اس کا مقصد "آئینی ذرائع سے ہندوستان کے باشندوں کے مفاد کو ترقی دینا" ہی تھا۔ جلسوں میں یونین جیک لگائے جاتے تھے۔ وفاداری برطانیہ کی تجویزیں منظور ہوتی تھیں۔ حکومت پر نکتہ چینیاں کرنے کے باوجود انگریزوں کی سیاسی سرپرستی پر اظہار اعتماد کیا جاتا تھا۔ اور برطانیہ کے زیر سایہ حکومت کو ہندوستان کی دستوری و آئینی ترقی کیلئے ضروری بتایا جاتا تھا۔ اس پر زور دیا جاتا تھا کہ ہم "تاج" انگلستان کے وفادار رہتے ہوئے زیر سایہ برطانیہ آئینی ترقی کرنی چاہتے ہیں۔ انگریزوں کی دیانت داری، منصف مزاجی اور ان کی شاہانہ طاقت و قوت کی تعریف کی جاتی تھی۔ حکومت پر یہ بات ظاہر کی جاتی تھی کہ ہندوستان کی تعلیم یافتہ جماعتیں انگلستان کی دشمن نہیں ہیں بلکہ وہ اس کی دوست ہیں اور حکومت برطانیہ ہندوستان کو آئینی ترقی دینے کا جو کام کرنا چاہتی ہے اس میں وہ برطانیہ کی ساتھ ہیں

کانگریس پلیٹ فارم کی حالت

کانگریس کی پالیسی حکومت سے اعتدال پسندانہ انداز سے التجا کرنا تھی۔ کانگریسی سیاست دانوں کی تقریروں کا لُب لباب یہ ہوتا تھا کہ انگریز نہایت انصاف پسند اور صداقت شعار ہیں، اگر ان کے سامنے ہندوستانی مطالبات کی حقیقت رکھی جائے تو وہ اسے ماننے سے گریز نہیں کرینگے۔ کانگریس "تاج" انگلستان کی وفادار ہے، وہ صرف ہندوستان کی دفتری حکومت کی غیر ذمہ دارانہ حرکتوں کی شاکی ہے۔ انگریزوں کا دستور اساسی آزادیوں کا حامل ہے۔ انگریزوں کی پارلیمنٹ (قومی پنچایت) دنیا کی سب سے زیادہ ڈیموکریٹک باڈی (جمہوریت پسند جماعت) ہے۔ کانگریس کوئی باغی جماعت نہیں ہے۔ ہندوستانیوں کو حکومت میں مناسب حصہ دینے کیلئے انھیں سرکاری نوکریاں زیادہ تعداد میں ملنی چاہئیں۔ اہل ہند کو اعلیٰ ذمہ دار اسامیاں دے کر حکومت کرنیکے قابل بنایا جائے ۱۸۸۵ء سے لیکر قیام مسلم لیگ کے زمانہ تک کانگریس کا انگریزوں کی انصاف پسندی پر کامل اعتقاد تھا۔

وفاداری برطانیہ کا دور

کانگریس والوں کی مانند وہ مسلمان بھی جو سر سیّد احمد خاں کے اثرات کے ماتحت تعلیم پاکر ترقی یافتہ بنے تھے اور جنھوں نے اپنے حقوق کے لئے جدوجہد شروع کر دی تھی، برطانیہ پر اپنے اعتماد اور اسکے ساتھ اپنی وفاداری کا اظہار کرتے تھے۔ ان کے نمایاں لیڈر اس بات کی تلقین کیا کرتے تھے کہ اپنے مطالبات کیلئے پُرزور جدوجہد اور سرگرم کوششیں کرو۔ مگر جو کچھ مانگو ادب اور اعتدال کے ساتھ مانگو۔ اور وفاداری کی حدود سے آگے قدم نہ بڑھاؤ۔ وہ دَور ہی اعتدال پسندی اور وفاداری برطانیہ کا تھا ہندو مسلمان اور ہندوستان کی دیگر سب قومیں اسی رنگ میں رنگی ہوئی تھیں۔

ھندو مسلمانوں کی نااتفاقی

مگر آپس میں ھندوؤں اور مسلمانوں میں نااتفاقی تھی۔ مسلمانوں کو شکایت تھی کہ ہندو اور کانگریسی لیڈر ہماری ان کوششوں کو بہت بُری نظر سے دیکھتے ہیں جو ہم اپنے حقوق کے سلسلے میں کرتے ہیں۔ اس اعتبار سے ہندوؤں کی پالیسی ایک دودھاری چھری ہے جس سے وہ انگریز اور مسلمان دونوں کو بیک وقت زخمی کرنا چاہتے ہیں۔ انگریزوں سے اپنے لئے حکومت میں زیادہ حصہ طلب کرتے وقت وہ یہ

کہتے ہیں کہ اب ہم زیادہ اہل اور لائق ہو گئے ہیں اس لئے ہمیں حکومت میں اتنا حصہ ملنا چاہیے جو ہماری بڑھتی ہوئی ضرورتوں کو پورا کر سکے۔ مگر جب مسلمان یہ کہتے ہیں کہ اب ہم تعلیم حاصل کرنے کے بعد اس سطح پر آ گئے ہیں کہ ہمیں بھی حکومت میں حصّہ دار بنایا جائے تو ہندو ان کے اس مطالبہ کو نیشنلزم (قومیت) کی مخالفت اور وطن دشمنی قرار دیتے ہیں۔

تقسیم بنگال

تقسیم بنگال کی مخالفت میں ۱۹۰۵ء میں ہندوؤں نے انگریزی حکومت کے خلاف جو زبردست ایجی ٹیشن جاری کیا اس سے ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات میں اور بھی زیادہ فرق پڑ گیا۔ وائسرائے ہند لارڈ کرزن کی تجویز پر حکومت ہند نے صوبہ بنگال کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا، ایک مشرقی بنگال دوسرا مغربی بنگال۔ مشرقی بنگال کے علیحدہ صوبہ بن جانے سے وہاں کے مسلمان کاشتکاروں کو فائدہ پہونچا۔ ان کی ترقی کے امکانات زیادہ ہو گئے۔ حکومت نے مسلمانوں کی درخواست پر یا ان کے کہنے سے یا ان سے مشورہ کر کے بنگال کو دو حصوں میں تقسیم نہیں کیا تھا۔ اس لئے یہ ظاہر ہے کہ گو انھیں تقسیم بنگال سے فائدہ تو ضرور پہونچا تھا مگر اس تقسیم میں جو ہندوؤں کو ناگوار گذری اور جس سے بنگالی ہندوؤں میں بے چینی کی ایک لہر دوڑ گئی مسلمانوں کا کوئی ہاتھ نہ تھا۔

تقسیم بنگال کے خلاف بنگال کے ہندوؤں کا ایجی ٹیشن

بنگال کے ہندوؤں نے غصّہ میں آکر حکومت کے خلاف احتجاجی مظاہرے شروع کر دیئے۔ کانگریس نے تحریک کو فوراً اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ جس زمانہ میں مسلم لیگ قائم ہوئی ہے کانگریس اس ایجی ٹیشن کو پورے زور اور قوت کے ساتھ چلا رہی تھی۔ اس کے ہر سالانہ جلسے میں تقسیم کے خلاف غم اور غصّہ کا اظہار کیا جانے لگا۔ جگہ جگہ جلسے ہوئے۔ جلوس نکالے گئے اس کے بعد ہڑتالوں کی باری آئی۔ لیڈروں نے طلبا کو سیاسیات میں دھکیل دیا۔ حکومت نے تعلیم کے ضابطے کو زیادہ سخت بنا کر طلبا کو سیاست میں پڑ کر خراب ہونے سے روکا۔ تحریک مخالفت نے ایک منظم سازش کی شکل اختیار کر لی۔ ایک جگہ کے حالات اور واقعات کی خبر فوراً اسی دن باقی تمام علاقہ میں ہو جاتی تھی۔ بنگال کا مسئلہ تمام ہندوستان کا مسئلہ بن گیا۔ ہر علاقہ کے لوگوں نے اپنی اپنی شکایات کو تحریک تقسیم بنگال سے لا ملایا۔ اور ایجی ٹیشن کرنے لگے۔ بنگال میں گورنمنٹ کالجوں اور

اسکولوں کا بائیکاٹ شروع ہو گیا۔ مشرقی بنگال میں دو درجن کے قریب نیشنل اسکول قائم ہو گئے بدیشی اشیا کے بائیکاٹ کی تحریک بھی چلا دی گئی۔ رفتہ رفتہ تحریک میں تشدد پیدا ہونے لگا۔ بعض اخباروں میں جو نوجوانوں کے ہاتھوں میں تھے کھلم کھلا تشدد کا پرچار ہونے لگا۔ ایک بنگالی نوجوان کو ایک انگریز پر بم مارنے کا ارادہ رکھنے کے جرم میں پھانسی دیدی گئی۔ ملک میں چاروں طرف گرفتاریوں اور تشدد کا جال سا بچھ گیا۔ مخالفت کا طوفان اور حکومت وقت کی سختی میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا جاتا تھا۔ سیاسی نوعیت کے قتل بھی ہونے لگے۔

مسلمانوں کی غیر جانب داری

مسلمان ہندؤوں کے اس ایجی ٹیشن میں شریک نہ ہوئے تقسیم بنگال کے مخالفین اپنے ایجی ٹیشن کو برحق ثابت کرنے کیلئے جو دلیلیں دیتے تھے وہ مسلمانوں کی سمجھ میں نہ آتی تھیں۔ ایجی ٹیٹروں کی سب سے بڑی دلیل یہ تھی کہ تقسیم بنگال سے بنگال میں بسنے والے ہندو دو حصوں میں منقسم ہو جاتے ہیں۔ مسلمان یہ پوچھتے تھے کہ کیا اسی طرح شمالی ہند کے مسلمان یہ کہہ سکتے ہیں کہ انھیں یو۔ پی اور پنجاب کے دو مختلف سیاسی اور انتظامی علاقوں میں بانٹ دیا گیا ہے؟ کیا پنجاب کے مسلمان اس شکایت کو بنیاد مان کر ایک ایجی ٹیشن شروع کر سکتے ہیں کہ صوبہ سرحد بنا کر پنجاب کے مسلمانوں کو دو حصوں میں منقسم کر دیا گیا ہے؟ کیا مسلمان اس وقت بغاوت کا جھنڈا بلند نہیں کر سکتے تھے جب دہلی کرنال اور گوڑگانوہ کے اضلاع کو صوبہ پنجاب میں ملایا گیا تھا؟ کیا آسام والے احتجاج کرنے کا حق نہیں رکھتے کہ انھیں ۱۸۷۴ء میں بنگال سے کیوں الگ کیا گیا؟ مگر اس طرح نظام حکومت میں دخل اندازی کرنا بدامنی پیدا کرنے کے سوا اور کچھ نہیں۔ مسلمانوں کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ مشرقی بنگال کا نیا صوبہ بن جانے سے حکومت کا انتظام زیادہ بہتر ہو گیا ہے۔ اور باشندوں کی خوشحالی میں اضافہ ہوا ہے۔ تقسیم سے پہلے نئے صوبہ کے مشرقی حصوں کی یہ حالت تھی کہ وہ مرکزی حکومت سے اتنے دُور تھے کہ کسی سوشل، پولیٹکل، ایجوکیشنل یا کمرشل ترقی کی مدت مدید تک امید نہیں ہو سکتی تھی تقسیم سے مشرقی بنگال کے باشندوں میں نئی زندگی آ گئی اور کلکتہ سے دور پڑے رہنے کی صورت میں مرکزی نظام کی عدم توجہ کے پھندے سے ان کا گلا چھوٹ گیا تقسیم سے پہلے وہ مغربی بنگال کا دُم چھلا بنے ہوئے

تھے اور ان کے حقوق کی کوئی پرواہ نہ کی جاتی تھی۔ تقسیم کے بعد فوراً ہی ان کے حقوق مانے جانے لگے۔ اور ان کی اہمیت بھی بڑھ گئی۔ اگر بیس سولین بڑھے تو سینکڑوں ڈپٹی مجسٹریٹ اور سب ڈپٹی اور منصف اور سب رجسٹرار بھی بڑھائے گئے اور یہ سب نوکریاں مشرقی بنگال کے ہندو مسلمانوں کو ملیں۔

بنگالی ہندو تقسیم بنگال کو نیشنلزم (قوم پرستی) کے منافی قرار دیتے تھے۔ مگر مسلمان یہ کہتے تھے کہ آخر اس سے نیشنلزم کو کیا خطرہ ہے؟ آخر نیشنلزم کی صحیح تعریف کیا ہے؟ کیا بنگالی ہندوؤں کو متحد کرنے اور باقی سب قوموں سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی اجازت دیدینے ہی کا نام نیشنلزم ہے؟ کیا "انڈین نیشن" کا مطلب صرف مشرقی اور مغربی بنگال کے ہندو ہیں؟ کیا مسلمان ہندوستان میں نہیں بستے؟ کیا وہ خود کو ہندوستانی نہیں کہہ سکتے؟ کیا ان کا فائدہ ہونے سے ہندوستان کا نقصان ہوتا ہے؟

ہندو مسلمانوں سے متنفر

اس پر بنگالی ہندوؤں نے خصوصاً اور باقی ہندوؤں نے عموماً مسلمانوں سے بیر باندھ لیا۔ وہ حکومت کے خلاف تو صف آرا تھے ہی مسلمانوں پر بھی حملے کرنے لگے۔ مشرقی بنگال میں کئی مقامات پر ہندو مسلم فسادات ہوئے۔ اور بنگالی ہندوؤں نے مسلمانوں کے خلاف جارحانہ کارروائیاں کر کے اپنے غم اور غصے کا اظہار کیا۔ وہ انگریزوں سے زیادہ مسلمانوں سے نفرت کرنے لگے۔ ان کا خیال تھا کہ خواہ مشرقی بنگال میں مسلمانوں کو تقسیم سے کتنا بھی فائدہ ہو رہا تھا مگر حکومت کے خلاف انہیں اس ایجی ٹیشن میں ہمارے ساتھ شریک ہونا چاہیئے تھا ورنہ وہ غدّار اور دشمنِ وطن ہیں۔ تعلیم یافتہ ہندو مسلم طبقوں میں اس مسئلے پر بڑی کش مکش شروع ہو گئی۔

مسلم لیگ اور ہندو

ہندوؤں نے مسلمانوں کی ۱۹۰۶ء کی یادداشت کو تو غصّہ کی نظر سے دیکھا ہی تھا مسلم لیگ کے قیام اور اس کی کارروائیوں کی بھی مذمت کی۔ خالص کانگریسی حلقوں میں بھی لیگ پر شدید نکتہ چینی کی گئی۔ کانگریسی مسلم لیگ کو شک کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ جماعت حکومت نے اپنے استعمار کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی کے طور پر استعمال کرنے کیلئے بنائی ہے۔ اور اس کے ذریعہ ہندوستان کی سیاسی ترقی کے راستے میں روڑے اٹکائے جائیں گے۔ مسلمانوں کا زاویہ نگاہ یہ تھا کہ ہندو مسلمانوں کے قومی

مطالبات کو بے اثر بنانے کیلئے یہ رویہ اختیار کر رہے ہیں۔ وہ اپنے فائدہ کو قوم پرستی کہتے ہیں۔ اور ہمارے فائدے کو فرقہ پرستی کہہ کر رد کرنا چاہتے ہیں۔ ہندوؤں میں ایک طبقہ ایسا بھی تھا جو مسلمانوں کے مطالبات سے ہمدردی رکھتا تھا یہ طبقہ تسلیم کرتا تھا کہ "تعداد میں ہندوؤں سے کم ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کو بجا طور پر یہ خوف ہے کہ کہیں ان پر ہندو اکثریت کا غلبہ نہ ہو جائے۔ اور یہ خوف ایسا نہیں ہے جسے مذاق میں اڑا دیا جائے" مگر عام طور پر ہندوؤں میں مسلمانوں کی طرف سے یہ جذبہ نہیں پایا جاتا تھا

مسلم لیگ کا پہلا سالانہ اجلاس کراچی ۱۹۰۷ء

۲۹۔ دسمبر ۱۹۰۷ء کو کراچی کے مقام پر آل انڈیا مسلم لیگ کا پہلا سالانہ اجلاس ہوا۔ بنیاد ہندوستان کے مشرقی حصے کے ایک مشہور شہر ڈھاکہ میں پڑی تھی پہلا سالانہ اجتماع ہندوستان کے مغربی حصے کے مشہور اسلامی شہر کراچی میں ہوا۔ اجلاس کے صدر سر آدم جی پیر بھائی تھے۔ انھوں نے قومی انجمن کا صدر بنائے جانے پر قوم کا انتہائی زبردست شکریہ ادا کیا کہ اپنے خطبۂ صدارت کی ابتداہی ان الفاظ سے کی:۔ "یہ میری زندگی کے سب سے زیادہ قابل فخر لمحات ہیں۔ اس اعزاز کی یاد جو آپ نے مجھے بخشا ہے کبھی میرے ذہن سے محو نہ ہوگی"

ہندوستان کے مختلف حصّوں سے تعلیمیافتہ اور ذی حیثیت مسلمان کثیر تعداد میں کراچی آئے جس شوق سے وہ شریک اجلاس ہوئے وہ صاف صاف بتا رہا تھا کہ قیام مسلم لیگ سے مسلمانوں میں ایک ایسی زبردست سیاسی بیداری پیدا ہو گئی ہے جس کے دُوررس اثرات ہندوستان کا مستقبل بنانے میں ضرور ایک اہم کارنامہ پیش کریں گے۔ اجلاس میں شرکت کرنے والے اپنے ولولۂ خدمتِ قوم کے قلم سے تاریخ ہند کا ایک ناقابل فراموش صفحہ لکھ رہے تھے۔ اور اس صفحہ کا اولین حرف اس بات کا اظہار تھا کہ مسلم لیگ کا پیغام مسلمان قوم کے کانوں ہی نہیں دلوں تک بھی پہونچ گیا ہے اور وہ بیدار ہو کر اپنے سیاسی حقوق کی حفاظت پر کمربستہ ہو گئی ہے

سر آدم جی کا خطبۂ صدارت

صاحب صدر نے اپنے خطبۂ صدارت میں قوم کی اسی تازہ بیداری کا پُرزور الفاظ میں تذکرہ کیا۔ انھوں نے

نے کہا: "ایک جواں سال تحریک نے اپنے جلد ہمارے آدمیوں کے دلوں کو جا پکڑا ہے۔ اور ہم سب میں ایک مشترکہ مقصد کا احساس بیدار کر دیا ہے جو مسلمانوں کی تاریخی قوم کی ترقی ہے۔ میں یہ تو نہیں بتا سکتا کہ آئندہ چل کر لیگ کی کیا حالت ہو گی لیکن اگر یہی جذبہ جو آج کام کر رہا ہے، قوم کی تقدیر بناتا رہا تو وہ دن دور نہیں جب ہمارے حکمراں اور تمام دنیا کے مسلمان ہمارے صحیح ولولوں اور ہماری ترقیوں کا حال معلوم کرنے کیلئے لیگ کی کارروائیوں کو دیکھا کریں گے۔"

یہ خطبۂ صدارت بہت ہی مختصر تھا۔ کونسلوں میں توسیع ہونے پر اظہار اطمینان کرنے کے بعد مسلمانوں کو نصیحت کی گئی تھی کہ امپیریل کونسل میں جو چار نشستیں مسلمانوں کو ملی ہیں ان پر ایسے آدمی بھیجے جائیں جو ذاتی غرض پروری میں منہمک نہ ہوں۔ اور مسلمانوں کو صنعت و حرفت کی طرف متوجہ ہونے کی ہدایت کر کے نواب محسن الملک بہادر کی وفات پر اظہار افسوس کرنے کے بعد خطبۂ صدارت ختم کر دیا گیا تھا۔ بعض باہمی نااتفاقیوں کی بنا پر یہ اجلاس ملتوی ہو گیا۔

لیگ کا خاص اجلاس علیگڑھ ۱۹۰۸ء

۱۸۔ مارچ ۱۹۰۸ء کو علیگڑھ میں مسٹر محمد شاہ دین بار ایٹ لا (لاہور) کی صدارت میں اجلاس بارِ دیگر منعقد ہوا۔ تاکہ جو باتیں کراچی کے اجلاس میں زیرِ غور آنے سے رہ گئی ہیں اُن پر بحث کر لی جائے۔ اس اجلاس میں دو ضروری تجویزیں منظور ہوئیں۔ ایک تو شیخ عبدالقادر بار ایٹ لا (دہلی) کی تجویز پر گورنمنٹ کی زیرِ تجویز اسکیم پر غور کر کے مسلم لیگ کی رائے حکومت پر ظاہر کرنے کیلئے ایک کمیٹی بنا دی گئی۔ جس میں نواب وقار الملک، سید نبی اللہ بار ایٹ لا، ایم یوسف حسن، مولوی رفیع الدین بار ایٹ لا، ایم فضل حسین بار ایٹ لا (لاہور) وغیرہ تھے۔ دوسرے ایک تجویز میں (جسے مولوی رفیع الدین نے پیش کیا تھا) حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ ہر ہائیکورٹ اور چیف کورٹ میں ایک ایک مسلمان جج مقرر کیا جائے۔ سرکاری نوکریوں میں مسلمانوں کو ان کا حصہ دیا جائے، قانون ساز جماعتوں میں مسلمانوں کی کافی نمائندگی ہو اور ہندوستان کی یونیورسٹیوں کے سینٹوں، اور ٹیکسٹ بک کمیٹیوں میں مسلمان بھی ممبر بنائے جائیں تاکہ مسلمانوں کے تعلیمی حقوق کی حفاظت ہو سکے۔

باب ۳
مسلم لیگ کا پہلا کارنامہ

قیام مسلم لیگ کے زمانہ میں بین الاقوامی سیاست اور ہندوستان کی تاریخ اپنے اہم ترین دور سے گذر رہی تھی۔ جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے ایک زبردست انقلاب خاموشی کے ساتھ مگر زیادہ سے زیادہ یقینی طور پر ملک کی قسمت کو نئے حالات کے سانچے میں ڈھال رہا تھا۔ یہ انقلاب تین چیزوں پر مبنی تھا (۱) بین الاقوامی واقعات کے اثرات۔ (۲) ہندوستانیوں کی سیاسی بیداری جس کے نتیجے کے طور پر وہ پُرزور طریق سے اپنے مطالبات پیش کر رہے تھے۔ اور (۳) برطانیہ کا یہ رُجحان کہ رفتہ رفتہ ہندوستان کو خود مختار حکومت دیدی جائے۔ اس کا اظہار وقتاً فوقتاً برطانوی تاجداروں اور انگریزوں کے سیاست دانوں کی اعلانات اور تقریروں سے ہوتا رہا تھا۔

جنگ جاپان و روس کے اثرات

سنہ ۱۹۰۰ء کے شروع ہوتے ہی خوابیدہ مشرق گہری اہمیت کے معرکہ آرا اور دور آفریں واقعات کے ہاتھوں سے جھنجوڑا جانے لگا۔ جاپان میں سیاسی انقلاب ہو چکا تھا۔ سنہ ۱۸۹۰ء کے بعد ہی سے اس کی قومی زندگی کے درخت کی ہر شاخ میں حیرت انگیز ترقی کی شادابی دوڑ رہی تھی۔ اس ترقی کے انعام کے طور پر سنہ ۱۹۰۵ء میں حالات نے اسے جنگ روس و جاپان میں روس پر فتحیابی کا زرّیں تحفہ پیش کیا اور مشرق میں روس کی مرعوب کُن طاقت پاش پاش ہو گئی۔ ان تاریخ بنانے

والے سانحوں نے مشرقی قوموں کے تصورات کی آنکھیں کھول دیں۔ چین، مصر، ایران اور ٹرکی جیسے ایشیائی ممالک میں جمہوری حکومت کے مطالبات کی صداؤں سے فضائیں گونج اٹھیں۔ ہندوستان بھی ان واقعات سے متاثر ہو کر بے چینی کا گہوارہ بن گیا۔

ہندوستان میں انقلاب کی فضا

اہلِ ہند کی رگِ بیداری میں ایک اُچھال دینے والی سنسنی پیدا ہو گئی۔ مغربی تمدّن کے اثرات ایک مدت سے خاموشی کے ساتھ اپنا کام کر رہے تھے۔ انھوں نے بھی اس آگ کو بھڑکنے میں مدد دی ہندوستان کے مطلع زندگی پر مصائب اور ہلچل کی تیرہ و تار گھٹائیں مسلط ہونے لگیں۔ سیاسی فضا میں انقلاب انگیز اثرات کی بجلیاں دم بدم کوند کوند کر گرنے کا اعلان کرنے لگیں۔ تقسیم بنگال کے خلاف جو ایجی ٹیشن جاری ہوا اس سے ملک میں بغاوت کی ایک زبردست لہر دوڑ گئی۔ حکومت کا تختہ الٹ دینے کے لئے سازشوں کے جال بچھنے لگے۔ بم گرانے اور تشدد برتنے کی کھلم کھلا تلقین ہونے لگی۔ نوجوانوں کے دماغوں میں منصوبہ باز لوگوں نے خطرناک خیالات اور امن شکن ارادوں کے بیج بو دیئے۔ وقت کے اثرات نے جو ہر بیدار انسان کو انقلاب بپا کرنے پر اُکسا رہے تھے تقسیم بنگال کے ایجی ٹیشن کو ایک زبردست سیاسی تحریک بنا دیا بنگال سے بڑھکر یہ آگ سارے ہندوستان میں پھیل گئی۔ دوسرے حصوں کے لوگوں نے، جو بے چینی سے متاثر ہو رہے تھے، مقامی شکایات تک کو اس تحریک سے لا ملایا اور حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ ہر جگہ مخالفت کے آتش فشاں پھٹے پڑتے تھے۔ ہر جگہ ایجی ٹیشن کے الاؤ سلگ رہے تھے۔

مسلمان ہوشیار

سنہ ۱۹۰۶ء تک مسلمان ہندوستان کے میدان سیاست سے باہر رہے تھے۔ اس کے اسباب بہت سے تھے جیسے سر سیّد احمد خاں کا اثر جو مسلمانوں کو سیاست کی پُرخار وادی سے الگ رکھ کر پہلے حصول تعلیم کے راستے پر چلنا سکھانا چاہتے تھے، یہ خوف کہ کہیں سیاسی ایجی ٹیشن میں حصہ لینے سے

ہم حکومت کے عتاب کا ازسر نو شکار نہ بن جائیں۔ یہ احساس کہ انگریزی تعلیم میں دوسری قوموں سے پیچھے ہونے کی وجہ سے ہم کو سیاسی سبھا میں دوسروں کی جوتیوں ہی میں بیٹھنا پڑیگا، یہ اندیشہ کہ سیاسی داؤ پیچ سے ناواقف ہوتے ہوئے سیاست کے اکھاڑے میں اترنے سے ہنسی اڑے گی، یہ یقین کہ سرکار انگریزی کا راج قائم رہنے سے مسلمانوں کی خوشحالی اور ان کی ترقی کیلئے راہیں نکلیں گی، ایسے ذی اثر لیڈروں کی کمی جو سیاسی تخیل، سرگرمی، جوش عمل اور زور بیان کے مالک ہوتے، مذہب اور شاندار عہد ماضی کی پرشکوہ روایات کے اثر سے پیدا ہو جانیوالا (حالات کے خلاف) یہ جذبۂ نفرت (جس میں مایوسی بھی شامل تھی) کہ زندگی کی دوڑ میں پیچھے رہ جانے کے بعد اب ہم انہی لوگوں کے مقابلہ میں بطور امیدوار میدان عمل میں کیا اتریں جن پر کل تک ہمارا حکم چلتا تھا۔ اور سب سے بڑھکر مسلمانوں کی ناقابل تسخیر غفلت، بے حسی، کام اور محنت سے جی چرانا اور آرام و آسائش کی قربانی دیکر مستقبل تعمیر کرنے پر آمادہ نہ ہونا

مگر ۱۹۰۶ء میں یہ نظر آنے لگا کہ جو قومیں اور فرقے اس نازک اور اہم دور میں ہاتھ پر ہاتھ رکھکر بیٹھے رہیں گے وہ نامرادی اور مایوسی کے گڑھے میں پڑے رہیں گے۔ مسلمانوں نے یہ محسوس کیا کہ اب ان کیلئے علیحدگی سیاست کی تنگ کوٹھڑی سے باہر نکلنے کا وقت قریب آگیا ہے۔ چاہیے کہ اپنی قومی اہمیت اور تاریخی روایات کی قوت پر اپنے جائز حقوق کا مطالبہ کیا جائے۔ اب وہ قناعت کے مکانوں میں تقدیر کے بت کے آگے ہاتھ باندھے کھڑے رہنے کی پالیسی سے اُکتا چکے تھے۔ اب گذشتہ عظمت کا تصور باندھے ہوئے بیٹھے رہنے کی فرصتوں کی انھیں کوئی تمنا نہ رہی تھی۔ کیونکہ اب یہ صاف صاف دکھائی دے رہا تھا کہ اگر دیر لگائی تو حالات کے دربار میں مستقبل کی بہتری بٹ بٹا کر ختم ہو جائیگی اور ہم محروم و نامراد رہ جائیں گے۔ لیگ میں قوم کے بوڑھے، جوان، جہاں دیدہ اور نو آموز سبھی تھے۔ انھوں نے آپس میں بات چیت کرکے ایک دوسرے کو زمانہ کے تیور بتائے، وقت کے بہاؤ کا رخ دکھایا، اپنی قوم کی حالت پر نظر کی، دوسروں کی حالت دیکھی اور یہ فیصلہ کر لیا کہ مسلمانوں کے اس جدید

جذبے کو بھاپ کی مانند اڑنے نہیں دیا جائیگا۔ قوم کی تنظیم ہو ہی رہی تھی مسلم لیگ مشترکہ قومی پلیٹ فارم بن ہی چکی تھی۔ یہ طے کر لیا گیا کہ موقع پڑنے پر اسی پلیٹ فارم سے آواز اٹھائی جائیگی

حکومت کے تفکّرات

ہندوستان کی حکمراں جماعت ان باتوں سے ناواقف نہیں تھی۔ اس زمانہ میں لارڈ منٹو ۱۹۰۶ء میں ہندوستان کے گورنر جنرل (وائسرائے) بنے تھے۔ انھوں نے ایک جگہ لکھا ہے "ہم (گورنمنٹ آف انڈیا) موجودہ حالت کی طرف سے آنکھیں بند نہیں کر سکتے۔ سیاسی فضا تبدیلی سے لبریز ہے۔ ایسے سوالات ہمارے روبرو ہیں جنھیں ہم نظر انداز کر نہیں سکتے۔ اور جن کے جوابات مہیّا کرنے کی ہمیں لازمی طور پر کوشش کرنی ہے۔ اور مجھے تو یہی بات سب سے زیادہ اہم معلوم ہوتی ہے کہ پہل ہماری ہی طرف سے ہو۔ گورنمنٹ آف انڈیا کو ایسی پوزیشن میں نہ آنے دیا جائے کہ ہندوستان کے ایجی ٹیشن یا برطانیہ کے دباؤ سے اس کے ہاتھ بندھے ہوئے معلوم ہوں۔ سب سے پہلے ہم ہی کو گردو پیش کے حالات کا اعتراف کرنا چاہئے اور ہم ہی کو ملک معظم کی حکومت کے سامنے وہ رائیں پیش کرنی چاہئیں جنھیں فارم کرنیکا حق ہمیں ذاتی تجربے اور ہندوستان کی روزمرّہ کی زندگی سے قربت کی وجہ سے پہنچتا ہے" چنانچہ لارڈ منٹو اور وزیر ہند لارڈ مارلے نے ہندوستان کی بے چینی کا اصل مطلب سمجھتے ہوئے اس پر آمادگی ظاہر کی کہ ہندوستان کی حکومت میں جو فی الوقت صرف انگریزوں ہی کے ہاتھوں میں ہے ہندوستانیوں کو بھی حصّہ دیا جائے۔

منٹو مارلے اصلاحات کیلئے شاہی تحقیقاتی کمیشن ۱۹۰۸ء

اس وقت تک ہندوستانیوں کو حکومت میں یہ حصہ ملا تھا کہ صوبجاتی کونسلوں میں حکومت کا کچھ کام ہندوستانی ممبروں کو بھی دیدیا گیا تھا۔ یہ کونسلیں اپنے اپنے صوبوں کیلئے قانون تو بناتی تھیں تاہم تھیں گورنر جنرل کی مرکزی حکومت کی پابند (تمام ہندوستان پر ہمہ گیر اختیار حکمرانی اسی کو حاصل تھا) یہ بات محسوس کی جارہی تھی کہ جب کچھ معاملات ایسے ہیں جنھیں صوبوں کی حکومتیں مرکزی حکومت کے اثر سے آزاد رہتے ہوئے خود بھی اپنے

طور پر اچھی طرح طے کرسکتی ہیں تو مرکزی حکومت کا ان میں دخل دیتے ہوئے حکومت کی ساری باگیں اپنے ہی پنجے میں دبائے رکھنا فضول سی بات ہے۔ یہ دیکھنے کیلئے کہ کون کون سے اختیارات صوبوں کی حکومتوں کو دیئے جاسکتے ہیں ایک کمیشن مقرر ہوا۔ یہ کمیشن سارے ہندوستان میں دورہ کرتا پھرا سینکڑوں سرکاری اور غیر سرکاری شہادتیں لینے اور حالات کی بہت کافی چھان بین کرنیکے بعد آخر ۱۹۰۸ء میں اس نے اپنی یہ رپورٹ حکومت کے سامنے پیش کردی کہ صوبوں کی حکومتوں اور ڈسٹرکٹ اور ڈویژنل آفیسروں کے اختیارات کو بڑھا کر ان میں خود اپنی ذمہ داری پر کام کرنیکی گنجائش اس طرح پیدا کردی جائے کہ صوبوں کے افسر زیادہ آزادی سے کام کرسکیں مگر رہیں مرکزی حکومت کی ماتحت

وزیرِ ہند لارڈ مارلے کا ڈسپیچ (مراسلہ)

شاہی کمیشن کی سفارشوں پر عمل کرتے ہوئے ایک نیا قانون بننے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ نومبر ۱۹۰۸ء میں وزیرِ ہند نے حکومت ہند کے پاس ایک سرکاری مراسلہ بھیجا جس میں آئینی اصلاحات کے بارے میں تجویزیں درج تھیں۔ مراسلہ کے دو بنیادی اصولوں میں سے پہلا اور زیادہ نمایاں اصول یہ تھا کہ قانون سازی اور انتظام کے اختیارات انگریزوں ہی کے ہاتھوں میں رہنے دیئے جائیں۔ دوسرا اصول یہ تھا کہ ملکی مفاد پر اثر ڈالنے والے معاملات کے بارے میں ہندوستانیوں کی رائے بھی ضرور سننی چاہیئے

وزیرِ ہند کے مراسلہ سے ہندوستانیوں کو معاملات حکومت میں مشورہ دینے کے حق کے سوا اور کچھ بھی نہیں ملتا تھا۔ ہندوستانیوں کے انتہا پسندوں اور اعتدال پسندوں دونوں کے خیال میں یہ اصلاحات ناکافی تھیں

مسلمانوں کیلئے مخلوط طریقۂ انتخاب

جہانتک مسلمانوں کا تعلق ہے مراسلہ اس اعتبار سے مسلمان اقلیت کے حقوق کو تسلیم کرنے میں بالکل ناکام رہا۔ اس میں مسلمانوں اور ہندوؤں کو ایک اور تین کے تناسب میں رکھکر مسلمانوں کے مطالبات کا وزن گھٹا دیا گیا۔ تعداد کے اعتبار سے تو یہ تناسب درست تھا مگر ہندوستانی مسلمانوں کی حیثیت کے پیش نظر یہ بالکل نامناسب تھا۔ ان کا مطالبہ یہ تھا کہ ایک تاریخی

قوم ہونے کی حیثیت سے، جس نے صدیوں تک ہندوستان کی تاریخ بنائی ہے ہمیں مخصوص مراعات ملنی چاہئیں۔ مسلمان ایک مخصوص سیاسی اہمیت کے مالک ہیں۔ اور جہاں تک ہندوستان کے ڈیفنس (فوجی تحفظ) کا سوال ہے حکومت صرف مسلمانوں پر حصر رکھتی ہے مراسلہ کے پیراگراف نمبر ۹، ۱۱، ۱۲، اور ۱۳، اسی موضوع پر تھے۔ پیراگراف نمبر ۹ میں یہ بتایا گیا تھا کہ کونسلوں میں مسلمانوں اور زمینداروں کے کافی نمائندوں کے بغیر کوئی نظام نمائندگی مکمل نہ ہوگا پیراگراف نمبر ۱۱ میں مسلمانوں کو علاقی ادارہ ہائے انتخاب میں حق رائے دینے کے ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا گیا تھا کہ اگر تعداد کے اعتبار سے بھی مسلمانوں کو رائے دینے کا حق حاصل ہا تو ان کو ڈبل ووٹ کا حق مل جائیگا۔ پیراگراف نمبر ۱۲ میں اعدادی حق رائے دہی کے ذرائع کا ذکر تھا اور پیراگراف نمبر ۱۳ میں یہ بتایا تھا کہ اقلیتوں کی حفاظت ہوگی۔ کل آبادی کے تناسب سے ہر حصہ آبادی کو ممبر بھیجنے کا حق ہوگا۔ اور نامزدگی کی جگہ انتخاب سے کمی پوری کی جایا کرے گی

مسلم لیگ کا دوسرا سالانہ اجلاس امرتسر ۱۹۰۸ء

۳۰ دسمبر ۱۹۰۸ء کو امرتسر کے مقام پر آنریبل سر سید علی امام کی صدارت میں مسلم لیگ کا دوسرا سالانہ اجلاس ہوا۔ اس میں یہ اہم سوال پورے زور شور کے ساتھ زیر بحث آیا پہلے روز کے اجلاس کی دوسری نشست کا تمام وقت (ڈھائی بجے سے لیکر چھ بجے شام تک) گورنمنٹ آف انڈیا کی ریفارم اسکیم پر غور وخوض کرنے کیلئے وقف کر دیا گیا اور اسی سلسلے میں وزیر ہند کے مراسلہ پر بھی بحث ہوئی۔ آنریبل سید علی امام نے کرسی صدارت سے تین رزولیوشن پیش کئے پہلے میں وزیر ہند لارڈ مارلے اور وائسرائے ہند لارڈ منٹو کا اس فراخدلانہ پالیسی کے لئے جو ریفارمز اسکیم والے مراسلہ میں ظاہر کی گئی تھی شکریہ ادا کیا گیا۔ دوسرے میں اس امر پر اظہار افسوس کیا گیا کہ مراسلہ میں کھلے طور پر اس بات کی تصدیق نہیں کی گئی ہے کہ حکومت بن حصہ دیتے وقت مسلمانوں کی حیثیت کا وزن صرف ان کی تعداد کے مطابق نہیں بلکہ ان کی سیاسی اہمیت اور تاریخی وقعت کے لحاظ سے مقرر کیا جائے گا حالانکہ وائسرائے ہند نے اکتوبر ۱۹۰۶ء کے وفد کو یہ یقین دلایا تھا کہ ایسا ہی ہوگا اور تیسرے

ریزولیوشن میں وزیر ہند کے مراسلے کے پیراگراف نمبر ۱۲ کا حوالہ دیکر اس پر اظہار افسوس کیا گیا کہ مراسلے کی زبان مبہم سی ہے جس سے مذکورہ پیراگراف کا یہ مطلب نکلتا ہے کہ مسلمانوں کیلئے کونسلوں میں نشستیں تو محفوظ ہونگی مگر وہ ان نشستوں کیلئے جداگانہ انتخاب سے ممبر نہ بن سکیں گے بلکہ ان کا انتخاب ہندو مسلمان ملکر مخلوط انتخاب کے ذریعہ کریں گے

سرکاری مراسلے پر سر علی امام کی زبردست تقریر

۱۹۰۸ء میں مسلمانوں کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ تحفظ حقوق کا تھا جو آنے والی اصلاحات میں حقوق محفوظ کرانے سے حل ہو سکتا تھا۔ اس کام کیلئے قوم کی رہبری کی باگ کسی مکمل قانونی آدمی کے ہاتھوں میں دینے کی ضرورت تھی چنانچہ سر علی امام کو جو اپنے زمانے کے بڑے زبردست مقنن تھے اجلاس امرتسر ۱۹۰۸ء کا صدر بنایا گیا تھا۔ انھوں نے اس اجلاس کیلئے جو خطبہ صدارت لکھا تھا اس میں وزیر ہند کے مراسلے کا کوئی ذکر نہ تھا کیونکہ وہ ماہ نومبر میں منظر عام پر آیا اور خطبہ صدارت اس سے پہلے چھپ کر تیار ہو چکا تھا۔ اس کی تلافی سر علی امام نے ایک زبردست طویل تقریر سے کی جسمیں انھوں نے وزیر ہند کے مراسلے کے حسن و قبح پر ایسی قابلیت سے روشنی ڈالی کہ اس کا ہر گوشہ مسلمانوں کے سامنے آگیا۔ انہوں نے اپنی تقریر میں صاف صاف کہدیا کہ ان اصلاحات سے جن کی تجویزیں مراسلے میں ہیں۔ ملک بالکل مطمئن نہو گا کیونکہ حکومت میں اہل ملک کو کوئی حصہ دیا ہی نہیں گیا ہے۔ ان کے نمائندے صرف صلاح مشورہ دے سکینگے مراسلے میں مسلمانوں کی جو حق تلفی کی گئی تھی اسے انھوں نے بہت کافی شرح و بسط کیساتھ بیان کیا۔ آخر میں کہا "صرف نشستوں کی ایک تعداد ہمارے لئے مہیا کر دینے اور تحفظ کے اس اصول کو انتخابی اداروں تک وسعت نہ دینے سے تو کونسل چیمبر کو ہمارے لئے تباہی کا گھر بنایا جا رہا ہے۔ اس سے اقلیتوں کے ہاتھ پاؤں بندھ جائیں گے اور وہ اکثریت کے رحم و کرم پر ہونگی۔ اس طرح کونسلوں میں بیٹھنے والے مسلمان ممبر قوم کے "افراد" تو ہوں گے "نمایندے" نہ ہوں گے۔ اس سے مسلمانوں کی قومی زندگی تباہ ہو جائیگی" سر علی امام کی تقریر کے بعد دوسرے نمایاں مسلمانوں نے بھی اس مسئلہ پر تقریر کی۔ خان بہادر میاں محمد شفیع بار ایٹ لا نے کہا

ہندوستان کے ستر ملین مسلمان اس ملک کی باقی آبادی کے ساتھ مشترک اغراض رکھتے ہیں مگر پھر بھی وہ ایک جداگانہ قوم ہیں اور ان کے بعض ایسے مخصوص مفاد ہیں جو ہندوستان میں انکے وجود کیلئے ضروری ہیں۔ ایسی حالت میں یہ بات بالکل صاف ہے کہ کوئی ایسی ریفارمز اسکیم مکمل نہیں کہی جاسکتی جو ہندوستانی مسلمانوں کو قابل قبول نہ ہو۔ اور جو ان کیلئے ظاہری نہیں بلکہ حقیقی نمایندگی کا بندوبست نہ کرے۔ چونکہ لارڈ مارلے کے مراسلے کی اسکیم مسلمانوں کے اس حق کو نظرانداز کر رہی ہے اس لئے میں صاحب صدر کی تجویز ۲ اور ۳ کی تو تائید کرتا ہوں مگر وزیر ہند کا شکریہ ادا کرنے کو اپنا فرض خیال نہیں کرتا کیونکہ ان کی اسکیم سے ہمارے مفاد کو نقصان پہنچتا ہے۔"

صاحبزادہ آفتاب احمد خاں بار ایٹ لا علیگڈھ نے کہا "موجودہ تحریک ہندوستان کی تاریخ میں ایک اہم نشان راہ ہے مگر یہ بات صاف ہے کہ اگر مسلمان ایک علیحدہ قوم ہیں اور انھیں اپنے حقوق محفوظ کرنے ہیں تو انھیں ایسی حیثیت ملنی چاہئے کہ وہ معقول طور پر اپنے حقوق کی حفاظت کر سکیں۔"

مولوی رفیع الدین احمد بار ایٹ لا بمبئی نے کہا "ہندوستان کو لوکل سیلف گورنمنٹ دیتے ہیں مسلمانوں کو ان کے حقوق حفاظت کی گارنٹی نہ دینا غیر دانشمندانہ ہے۔"

آنریبل خان بہادر سید نواب علی چودھری ڈھاکہ نے کہا "اسکیم سے جو انتخابی ادارے بنتے ہیں ان میں اکثر صوبوں میں ہندو صاحبان کی اکثریت ہوگی۔ جو مسلمان ہندوؤں سے ہمدردی رکھتا ہوگا اسے ہندو اکثریت کے ووٹ اس مسلمان سے زیادہ مل سکیں گے جسے مسلمان قوم ترجیح دیتی ہوگی۔ اس طرح جو مسلمان منتخب ہوگا وہ مسلمانوں کا کام کریگا یا ہندوؤں کا۔ مشترکہ انتخاب سے مسلمانوں کے مفاد کو ضرور نقصان پہنچے گا۔ ہندو انکی مخالفت کو اپنی اکثریت کی رو میں بہا لیجائیں گے اور وہ اس بات کی بالکل پرواہ نہیں کریں گے کہ اس سے مسلمانوں کو کوئی نقصان پہنچتا ہے یا نہیں۔ اس سے بچاؤ کیلئے میونسپلٹیوں، ڈسٹرکٹ بورڈوں، لوکل بورڈوں، اور لیجسلیٹو کونسلوں میں مسلمانوں کی نشستیں مقرر کر دی جائیں اور ان کے لئے

ممبر چننے کا حق مسلمانوں کو دیا جائے۔"

مولانا محمد علی کی زبردست تقریر

لیگ کے اس اجلاس میں مسٹر محمد علی بھی شریک تھے جو اس وقت ریاست بڑودہ میں محکمۂ افیون کے افسر اعلیٰ تھے اس سے پہلے انہوں نے ۱۹۰۶ء میں لیگ کی بنیاد رکھنے میں بھی پیرانہ سال سیاستدانوں کے دوش بدوش کام کیا تھا۔ سید نواب علی چودھری کے بعد ان سے بھی تقریر کرنے کیلئے کہا گیا مسٹر محمد علی نے اس فرمائش پر انگریزی زبان میں تقریر کی۔ طویل ہونے کے باوجود یہ تقریر اس قدر پر معلومات اور دلچسپ تھی کہ سامعین مسحور ہو گئے۔ انگریزی زبان پر عبور رکھنے کے معاملے میں محمد علی آکسن پہلے ہی سے مشہور تھے۔ مگر اب اس تقریر سے یہ کھلا کہ وہ ادب کی چاشنی رکھنے والی زبان میں سیاسی مسائل حل کر دینے پر بھی پوری قدرت رکھتے ہیں۔ سر علی امام نے نہایت فاضلانہ انداز میں قانونی پہلو سے لارڈ مارلے کے مراسلے پر روشنی ڈالی تھی مسٹر محمد علی آکسن نے ایک اور پہلو سے بحث شروع کی۔ انہوں نے کہا "ہندوستان کی سیاسی اختلاف رکھنے والی جماعتوں کی تقسیم علاقہ جاتی نہیں ہے بلکہ اعدادی ہے۔ اس کے علاوہ اس ملک میں مذہبی اختلاف ہر قسم کے اختلاف کی بنیاد ہے۔ چونکہ انگلستان میں سیاسی تقسیم علاقہ جاتی تقسیم سے ہوتی ہے اس لئے لارڈ مارلے نے ہندوستان سے ناواقفیت رکھنے کی وجہ سے ہندوستان پر بھی اسی قسم کی اسکیم عائد کر دی جو انگلستان میں چل سکتی ہے۔ لارڈ مارلے نے مسلمانوں کے لئے نشستیں محفوظ کر کے مسلمانوں کو معاملات حکومت میں بولنے کا موقع تو دیدیا ہے مگر مخلوط انتخاب رکھکر ایسا ڈھنگ ڈالدیا ہے کہ بولنے والے مسلمانوں کے ہونٹ اور ان کی زبانیں تو مسلم ہونگی مگر آواز برہمن کی آواز ہوگی۔ ہم یہ شکایت کیا کرتے تھے کہ ہم مسلمانوں کو لیجسلیٹو کونسلوں میں ممبر نہیں بنایا جاتا۔ اب یہ شکایت اس طرح دور ہوگی کہ ہماری تلوار ہمارا ہی گلا کاٹنے کے لئے تیز کی جارہی ہے۔

"اتحاد کے علمبردار یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا مفاد ہندوؤں سے مختلف نہیں ہے اگر خیال خواہش ہی سے پیدا ہوتا ہے تو میں ان کے اس دعوے کے جواب میں یہ کہوں گا

کہ خدا ایسا ہی کرے۔ مگر ہمیں دوہرے معنی رکھنے والے سیاسی تصورات سے برباد نہیں ہونا ہے جب وہ مفاد کا ذکر کریں تو ہمیں پوچھنا چاہئے کہ مفاد سے ان کا کیا مطلب ہے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے اختتامی مفادات تو بیشک یکساں ہی ہیں۔ وہ اس وقت بھی یکساں تھے جب سیواجی نے اورنگ زیب کے خلاف بغاوت کی یا جب بنکم چندر چٹرجی کے ناول آنند مٹھ (جس میں بندے ماترم کا گیت ہے) میں بیان کی گئی فضا موجود تھی۔ ان معنوں میں تو ساری انسانیت کا مفاد ایک ہی ہے کیونکہ سب انسانوں کے اختتامی مفاد یکساں ہیں۔ مگر انتظام حکومت، پولیس، مجسٹریٹی، ججوں، جیوری اور لیجسلیٹو کونسلوں کے خاص طور پر منتخب کئے ہوئے ممبروں وغیرہ قسم کے قیمتی آلات حکومت کا وجود اس وقت تک اسلئے ہے کہ انسان ابھی تک سب کے سب اپنے ضروری فرائض کے انتہائی بلند تصور تک اونچے نہیں ہوئے ہیں، اور ہم ابھی تک اس جنت ارضی کے اندر داخل نہیں ہوئے ہیں جہاں طاقتور کمزور کی دیکھ بھال ہی کرتا ہے، جہاں چور امیر آدمیوں کی املاک کی حفاظت ہی کرتا ہے جہاں سفید فام استعمار پسند سیاہ فام کانگریسی کی بھلائی کے لئے ہی زندہ رہتا ہے۔ اور جہاں مسٹر تلک اور مسٹر گوکھلے ہم سب کے بھلے کے لئے ہی کام کرتے ہیں۔

"سیاست میں انسانوں کے اختتامی مفاد کا نہیں بلکہ فوری اور قریبی مفاد کا سوال ہوتا ہے۔

"انڈین ڈیلی نیوز" نے مسلمانوں کے جداگانہ انتخاب کے حق پر بحث کرتے ہوئے "یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ آزاد مقابلے سے سیاسی طور پر بیدار ہوتی ہوئی مسلمان قوم کو زیادہ فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ مگر نمائندگی کے معاملے میں آزاد مقابلے کا سوال ہی کیا ہے۔ کیا انگلستان اس سے مطمئن ہو جائیگا کہ ہیگ کی بین الاقوامی عدالت میں (جہاں قوموں کے باہمی جھگڑوں کا تصفیہ ہوتا ہے) انگلستان کے نمائندے آزاد مقابلے سے چنے جائیں اور انگلستان اس آزاد مقابلے میں ان یوروپین قوموں کا مقابلہ کرے جو تعداد میں اس سے بڑی ہیں، لیجسلیٹو کونسل کی ممبری کوئی فائدے کی آسامی تو ہے نہیں۔ یہ تو ان سب

مختلف قوموں کی طرف سے جن کے مفاد جدا جدا ہیں اس قانون ساز جماعت میں اپنے نمائندے بھیجنے کا معاملہ ہے جسے ان سب کے لئے ان سب کی متحدہ خواہشوں سے قانون بنانے کا کام سونپا جاتا ہے۔ اس میں کمزور کو کچلو یا نہیں جا سکتا۔

"علمبرداران اتحاد کی ایک دلیل جداگانہ انتخاب کے خلاف یہ بھی ہے کہ اس سے مذہبی اختلافات بڑھ جائیں گے۔ یہ "مذہبی اختلاف بڑھنے" کی ترکیب بھی خوب ہے۔ کیا اختلافات پہلے ہی سے کافی نہیں بڑھے ہوئے ہیں؟ کیا گورنمنٹ اس حقیقت کو نظرانداز کرکے اقلیت کی حفاظت کا بندوبست کئے بغیر علاقہ جاتی حق رائے دیدے گی؟ ہم سب مذہبی اور فرقہ وارانہ جھگڑوں کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ مگر ہمیں نیک خواہشات پر نہیں بلکہ واقعات کی بنیادوں پر عمارت تعمیر کرنی چاہیئے۔ سیاست نام ہے حقیقت کی بنیاد پر مثالی چیز بنانے کا۔ ہمیں گورنمنٹ کے ہر اس قدم کی مذمت کرنی چاہیئے جو استحکام کو انتشار میں بدلتا ہو۔ اگر ہندو مچھلی کا اپنا پچھلا ریکارڈ اس سے مختلف اور بہتر نہ ہو تو مسلمان مچھلی کو گورنمنٹ کے ڈالے ہوئے چارے پر آگے لپکنے سے روکنے کا کیا فائدہ۔ صوبہ متحدہ کے ایک سابق لفٹننٹ گورنر کی، جواب دوسروں کی سیاسی غلطیوں کی مذمت کررہا ہے۔ زبردست سیاسی غلطی ابھی ہمیں فراموش نہیں ہوئی ہے۔ کیا اتحاد کے علمبردار اس مزیدار چارے کو حلق سے نیچے نہیں اتار گئے تھے؟ اور کیا اس کے بعد انھوں نے اپنے لاڈلے اکبر اور اس کے جانشینوں کی شاندار لشکری زبان اردو کے ہر فارسی اور عربی لفظ کا بائیکاٹ شروع نہیں کردیا تھا؟ انہوں نے عرب اور عجم کی ٹکسال کے وہ چمکدار سکے خس وخاشاک کی نذر کردیئے جن سے ہمارا متحدہ خزانہ مالا مال تھا۔ میری خواہش ہے کہ میرے ہندو بھائی اس تلخ مگر مفید حقیقت کو سمجھیں کہ حب الوطنی یا اتحاد تو سیدھے راستے پر چل کر ہی ہوگا (چاہے وہ راستہ کتنا ہی لمبا ہو)۔ پگ ڈنڈیوں سے (راستہ قطع کرکے) نہیں ہو سکتا۔

"مجھے معلوم ہے کہ ہندوستان میں اتحاد کے ایک اور تصور کا بھی چرچا ہے، جو

روحانیت پرستوں کا دیرینہ خواب ہے۔ اس تصور کا لب لباب نروانہ ہے یعنی محدود فنا ہوکر غیر محدود میں مل جائیگا۔ یہ ممکن ہے کہ ہمارے ہندو دوست اس تصور کو کسی قسم کے اچھے ہوئے معنی پہناتے ہوئے اقلیت کا اکثریت میں نروانہ ہو جانے کی آرزو رکھتے ہوں مگر انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ جو اتحاد اقلیتوں کے خاتمے کے ذریعے سے کیا جاتا ہے، اس کا اکثریت پر بُرا ردِ عمل ہوتا ہے۔ اور بہرحال مسلمان عام طور پر زندہ رہنے پر مُصر ہوتے ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ مخلوط انتخاب چاہنے والے ہر ہندو کی نیت خراب ہے اور وہ ہمیں پھانس کر برباد کرنا چاہتا ہے مگر ایک غیر محفوظ اقلیت اکثریت کے موجودہ لیڈروں کی نیک نیتی ہی پر تو بھروسہ نہیں کر سکتی۔ یہ ہماری زندگی اور موت کا سوال ہے۔ ہم صرف وعدوں پر نہیں رہ سکتے"

مسٹر محمد علی آکسن کے بعد دیگر اہل رائے نے تقریریں کیں۔ مسٹر شیخ عبدالقادر بار ایٹ لا (دہلی) نے کہا "ہم پر لارڈ مارلے کا شکریہ ادا کرنا فرض نہیں ہے۔ مسٹر یعقوب حسن مدراس نے کہا "مدراس کی صوبائی لیگ نے بھی اسی مضمون کا ریزولیوشن منظور کیا ہے" خواجہ گل محمد پلیڈر "میں شیخ عبدالقادر صاحب (دہلی) کی تائید کی خواجہ احمد شاہ رئیس لدھیانہ مالک اخبار اوبزرور نے کہا" ریزولیوشن نمبر دو اور تین کو منظور کر لیا جائے اور شکریہ کی تجویز اس وقت تک کے لئے روک لی جائے جب اسکیم میں مسلمانوں کی خواہشات کے مطابق تبدیلی ہو" نواب وقار الملک نے کہا "جو چیزیں مسلمانوں کو پسند ہیں صرف ان کے لئے شکریہ ادا کرنے میں کیا حرج ہے"۔

خواجہ احمد شاہ نے ترمیم روک لی۔ تینوں تجویزیں منظور ہوگئیں متفقہ طور پر یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ ایک کمیٹی بنائی جائے جو ان تجویزوں کی بنیاد پر ایک ایڈریس تیار کر کے والسرائے ہند کی خدمت میں پیش کرے اور بہت جلد ایک وفد بھی لے جایا جائے کمیٹی میں یہ اصحاب لئے گئے:۔

نواب وقار الملک بہادر۔ دی آنریبل نواب ڈھاکہ۔ دی آنریبل خان بہادر سید نواب علی چودھری۔ صاحبزادہ آفتاب احمد خاں بار ایٹ لا مسٹر فضل حسین بار ایٹ لا

خان بہادر میاں محمد شفیع بار ایٹ لا۔ شیخ عبدالعزیز ایڈیٹر "اوبزرور"۔ نواب نصیر حسین خیال مسٹر یعقوب حسن (مدراس)، مسٹر مظہر الحق بار ایٹ لا۔ (سکرٹری کمیٹی) مولوی رفیع الدین احمد بار ایٹ لا مسٹر محمد علی بی، اے (آکسن) مسٹر نبی اللہ بار ایٹ لا مسٹر شیخ عبدالقادر مسٹر سید علی امام (صدر کمیٹی) مسٹر عبدالسلام رفیقی۔ خان بہادر خواجہ یوسف شاہ۔ خان بہادر شیخ غلام صادق مسٹر عبدالعزیز بار ایٹ لا (پشاور) حاجی محمد موسیٰ خاں قائمقام آنریری سکرٹری مسلم لیگ اس کمیٹی کو یہ بھی اختیار دیا گیا کہ وہ مسلم لیگ کیطرف سے ایک وفد انگلستان بھیجے جو وزیر ہند سے ملکر ان کے سامنے مسلمانوں کی خواہشات اور ان کے سیاسی مطالبات کو زیادہ سے زیادہ وضاحت اور زور سے پیش کرے۔

اس اجلاس کی دوسری تجویزیں

اس اجلاس میں کل ۱۴ تجویزیں منظور ہوئیں (۱) (۲) (۳) کے علاوہ (۶) کا بھی ذکر اوپر آگیا ہے۔

باقی تجویزوں میں سے (۴) میں ہندوستان بھر کے میونسپل اور ڈسٹرکٹ بورڈوں میں مسلمانوں کے لئے نشستیں معین کر دینے کا مطالبہ کیا گیا (۵) میں والسرائے اور گورنران مدراس اور بمبئی کی ایگزیکٹو کونسلوں میں مسلمان ممبر لینے کی درخواست کی گئی (۷) میں گورنر بمبئی سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ وہ صوبہ بمبئی کی مسلم لیگ کے مطالبات پر توجہ کرے (۸) میں گورنمنٹ آف انڈیا کے ذریعہ سے وزیر ہند کے سامنے یہ تجویز رکھی گئی کہ ہندو لا اور محمڈن لا کے صحیح استعمال کے لئے پریوی کونسل کی جوڈیشل کمیٹی میں ایک ہندو اور ایک مسلمان جج بھی رکھا جائے (۹) میں سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کا جائز حصہ طلب کیا گیا (۱۰) میں حکومت سے اوقاف کی حالت کی تحقیقات کرنے کے لئے ایک کمیشن مقرر کرنے کی درخواست کی گئی (۱۱) میں وقف کے بارے میں اسلامی قانون کو غلط سمجھے جانے کی وجہ سے مسلمان خاندانوں پر جو برا اثر پڑتا ہے اسے روکنے کے لئے ایک ایسی قانون کی ضرورت ظاہر کی گئی جس سے وقف واقفت کے ورثا اور خاندان کو فائدہ پہنچ سکے اور غبن و خیانت وغیرہ سے محفوظ ہو جائے (۱۲) (۱۳) اور (۱۴) کا تعلق بنگال کی شورش

اور جنوبی افریقہ کے ہندوستانیوں سے تھا۔

لیگ کے تیسرے اجلاس کی اہمیت

لیگ کا تیسرا سالانہ اجلاس مسلمانوں کی سیاسی زندگی میں ایک مخصوص اہمیت رکھتا ہے۔ اس اہمیت کی وجہ صرف یہ نہیں ہے کہ ہندوستان کے ہر گوشے اور ہر زاویۂ نگاہ کے مسلمان اپنی قوم کے سیاسی مستقبل کے متعلق غور و فکر کرنے کے لئے امرتسر اور کشمیر کے شالوں سے ڈھکے بنے ہوئے پنڈال میں جمع ہو گئے تھے بلکہ جو تجویزیں اس اجتماع میں منظور ہوئیں اور تجویزوں کے حق میں جو مدلل اور پُر زور تقریریں کی گئیں ان سے حکومت اور ہندوؤں پر مسلمانوں کی خواہشات اور اُن کا زاویۂ نگاہ اچھی طرح واضح ہو گیا اور مسلمانوں کی رائے عامہ کی بھی رہنمائی ہو گئی۔

اجلاس کے فیصلے سے ہندوستان کے مسلمان اس قدر متاثر ہوئے کہ انھوں نے لیگ کے مطالبے کو سینکڑوں پلیٹ فارموں سے دُہرایا۔ ہزار ہا مقامات پر مسلم انجمنوں اور جماعتوں کے زیر انتظام جلسے ہوئے، ان جلسوں میں جداگانہ حق نیابت کی تائید میں تجویزیں منظور ہوئیں اور ان کی نقلیں وائسرائے اور وزیر ہند کو بھیجی گئیں۔ سینکڑوں مقامات سے حکومت کو یادداشتیں بھیجی گئیں۔ مسلمانوں کی اِس سیاسی سرگرمی سے ملک، قوم، اور حکومت سب نے گہرا اثر قبول کیا۔

لیگ کا وفد لندن

اجلاس میں یہ فیصلہ ہوا تھا کہ لیگ اپنے نمائندے لندن بھیجے اور وہ لیگ کے مطالبات کی وزیر ہند کے سامنے وضاحت کریں۔ یہ کام لیگ کی شاخ لندن کو سونپا گیا اور اُس نے ایک وفد ترتیب دیا جس کے قائد سید امیر علی تھے۔ لندن کے وفد نے وزیر ہند سے ملاقات کی اور انھیں بتایا کہ ہندوستانیوں کو ملکی حکومت میں حصہ لینے کا جو موقع دیا جانے والا ہے مشترکہ انتخاب رکھنے سے اس میں مسلمانوں کو کچھ نہ ملے گا۔ وزیر ہند نے جواب دیا کہ میں مخلوط انتخاب پر زور نہیں دیتا۔ برطانوی پارلیمنٹ کے دارالعوام میں وزیر اعظم برطانیہ نے بھی مسودۂ قانون

پر تقریر کرتے ہوئے یہی کہا کہ مسلمانوں کے لئے انتخاب میں ایک جداگانہ رجسٹر رکھا جائیگا مگر خود مسلمان اس معاملے میں دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے، ایک گروہ کہتا تھا کہ مسلمانوں کو مشترکہ انتخاب کا اصول مان لینا چاہئے کیونکہ اس سے ہندوؤں اور مسلمانوں میں میل ملاپ اور اتفاق و اتحاد بڑھیگا ورنہ وہ ہندوستان کی اکثریت رکھنے والی قوم سے دور رہ کر ترقی نہ کر سکیں گے۔ اس رائے کے اصحاب تعداد میں کم تھے۔ دوسرا گروہ یہ رائے رکھتا تھا کہ مسلمانوں کو جداگانہ انتخاب کے مطالبے پر مضبوطی سے قائم رہنا چاہئے جہاں تک ہندو مسلم اتحاد کی اسپرٹ کا تعلق ہے اس گروہ کے افراد بھی اسکے مخالف تو نہ تھے۔ مگر ان کا سیاسی عقیدہ یہ تھا کہ مشترکہ انتخاب سے ہندوؤں مسلمانوں میں ایسے جھگڑے پیدا ہو جائیں گے جن سے مسلمانوں کو نقصان پہنچے گا۔

انڈین کونسلز ایکٹ اور مسلمانوں پر اُس کا اثر

۱۹۰۹ء میں انڈین کونسلز ایکٹ کے نام سے برطانوی پارلیمنٹ نے ایک قانون منظور کیا اسی کو منٹو مارلے ریفارمز بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ مسٹر مارلے وزیر ہند اور لارڈ منٹو وائسرائے ہند کی سعی و کوشش سے وجود میں آیا تھا۔ اس سے صوبوں کی کونسلوں کو حکومت کے انتظامی شعبے پر پہلے کی بہ نسبت زیادہ قابو حاصل ہو گیا۔ مگر کوئی انتظامی ذمہ داری ان پر اب بھی نہیں ڈالی گئی۔ عملاً ان کونسلوں کی حیثیت مشورے دینے والی مجلسوں سے زیادہ نہیں تھی۔ البتہ اس سے ہندوستان کی آئینی و دستوری ترقی کی بنیاد ضرور پڑ گئی۔ ہندوستان کی قانون ساز کونسلوں کو اس سے پہلے بھی وسعت دی گئی تھی لیکن اس مرتبہ جس طریقہ سے ان کو زیادہ وسیع کیا گیا اس کے بعض پہلو ایسے تھے جو ہندوستان کے سیاسی ارتقا کے راستے پر اہم اور قابل ذکر نشانہائے راہ ہیں۔ ہندوستانیوں کو کونسلوں میں تجویزیں پیش کرنے، بجٹ پر بحث کرنے ضمنی سوالات دریافت کرنے کی اجازت ہو گئی۔ ہندوستانی وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر بھی بننے لگے۔

انڈین کونسلز ایکٹ سے ہندوستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ آئینی و دستوری طور پر مسلمانوں کے سیاسی حقوق تسلیم کئے گئے۔ ریفارمز کے نتیجے کے طور پر آنریبل سید علی امام جو ایک زبردست قانون داں اور اہل سیاست تھے والسرائے کی ایگزکٹو کونسل کے ممبر بنے۔ ہندوستان کی انتظامی تاریخ میں پہلی مرتبہ ایک ہندوستانی شریک کار کے طور پر ایگزکٹو کونسل میں والسرائے کے ساتھ بیٹھا۔ یہ نئی کونسل اپنے وجود کے لئے لارڈ منٹو کی کوششوں کی رہین منت تھی اور لارڈ موصوف کے لئے یہ کچھ کم فخر کی بات نہیں تھی کہ اُن ہی نے پہلی بار اس کی صدارت کی۔ اسی طرح وزیر ہند کی کونسل میں بھی آنریبل مسٹر مرزا عباس علی بیگ ممبر بنائے گئے جس سے مسلمانوں کو وزیر ہند کی کونسل میں حصہ نمائندگی ملا۔ مگر مسلمانوں کو کچھ مایوسیاں بھی برداشت کرنی پڑیں۔ پنجاب میں انھیں امپریل (شاہی) کونسل میں جداگانہ نمائندگی کا حق نہیں دیا گیا۔ صوبہ متوسط اور برار میں لیجسلیٹو کونسل قایم ہی نہیں ہوئی۔ اور وہاں کے مسلمانوں کے لئے امپریل کونسل میں نمائندگی کی گنجائش بھی نہیں رکھی گئی۔ تاہم بحیثیت مجموعی مسلمانوں نے ریفارمز کو قبول کر لیا۔

باب ۴

مُسلم لیگ کا نیا میدانِ عمل

ہندو مُسلم اتحاد کی کوشش

دسمبر ۱۹۰۶ء میں ڈھاکہ کے مقام پر آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام کل کی سی بات ہوتی ہے۔ مگر اس تاریخی واقعہ کو پورے تین سال گذر چکے ہیں۔ اب ۱۹۱۰ء اپنی تمام پیچیدگیوں اور بےچینیوں کو نازک حالات کے دامن میں لئے ہوئے ہندوستان کے مطلعٔ زندگی پر نمودار ہو رہا ہے۔ مسلمانوں نے ان تین برسوں میں اپنی قومی تقدیر بنانے کے لئے جو زبردست جدوجہد کی ہے اس نے اپنے بیگانے سب کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔ صرف تین سال کے مختصر عرصے میں انھوں نے حکومت وقت سے ہندوستان میں اپنا جداگانہ قومی وجود تسلیم کرا لیا ہے اور ان کی قومی تنظیم حیران کن رفتار سے ترقی کر رہی ہے۔

اس مرحلے کو طے کر لینے کے بعد مسلمانوں کی نمائندہ سیاسی جماعت ایک نئے میدانِ عمل میں داخل ہوئی۔ مطالبات تسلیم کر لئے جانے کے بعد مسلمان ہندوؤں سے اتحاد کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ اب وہ اس بات پر غور کرنے لگے تھے کہ اپنے ان حقوق کے علاوہ جو صرف ہماری قوم کے ساتھ مخصوص ہیں وہ ملکی مفادات کون کون سے

ہیں جو ہم میں اور ہندوؤں میں مشترک ہیں اور وہ کون سے میدان ہیں جن میں ہم اور ہندو ایک ساتھ کام کر سکتے ہیں۔ سنہ ۱۹۱۰ء کے آغاز ہی سے دونوں قوموں کے نمایاں رہبروں کی توجہ اتحاد کے ذریعوں پر لگی ہوئی تھی۔ انگلستان میں سر آغا اور صدر کانگریس سر ڈبلیو ویڈربرن میں ہندو مسلم اتحاد کے بارے میں بات چیت بھی ہوئی اور ان دونوں نے فیصلہ کیا کہ ہندوستان میں ہندو مسلم رہنماؤں کی ایک کانفرنس بلائی جائے اور ان سب باتوں پر گفتگو کر کے جو تنازعہ کی وجہ بنی ہوئی ہیں، کوئی ایسا سمجھوتہ کر لیا جائے جس سے ہندو مسلم متحد ہو کر ملک کے فائدے کے لئے کام کر سکیں۔

سنہ ۱۹۱۰ء کے آغاز میں ہندوستان کی حالت

انڈین کونسلز ایکٹ سے ہندوستان میں انگریزی راج کی تاریخ میں ایک نیا باب شروع ہو رہا تھا۔ ہندو مسلمان ایک نئے دور کی چوکھٹ پر کھڑے تھے۔ انکا خیال تھا کہ ہندوستان کے باشندوں کو انگریزوں نے اہم اور قیمتی مراعات بخشی ہیں اور وہ مغربی لائنوں پر اس مشرقی ملک کو قدم بقدم چلا رہے ہیں۔ مگر ان مراعات کے باوجود فضا میں شدید بے چینی موجود تھی۔ ملک ابھی تک ہلچل اور انقلاب کے دورے گذر نہیں چکا تھا۔ بغاوت کے اثرات برابر اپنا کام کر رہے تھے۔ کئی انگریزوں کی جانیں، بم بازوں اور تشدد پر عقیدہ رکھنے والے ہندوستانی نوجوانوں کے ہاتھوں ضائع ہو چکی تھیں۔ ہندو مسلمانوں کے تعلقات میں کشیدگی تھی۔ دونوں طرف کے بعض اخبارات اور جماعتیں برابر اختلاف کی آگ کو ہوا دیتی رہتی تھیں۔ آریہ سماجی اخبارات اس کام میں بہت پیش پیش تھے۔ مگر مسلمان ان اختلافات کو فراموش کر کے ملکی ترقی کے مطالبات میں ہندوؤں کی ہمنوائی کرنے پر آمادہ تھے۔ وہ نئے ایکٹ کے تناسب نمائندگی سے مطمئن تھے اور ان ہندوؤں اور کانگریسیوں (جیسے آنریبل مسٹر سہنا اور سر فیروز شاہ مہتہ) کے بھی ممنون تھے جنہوں نے مسلمانوں کے جداگانہ حق نیابت کی اس لئے تائید کی تھی کہ اس طرح نظام حکومت میں مسلمانوں کی صحیح نمائندگی ممکن تھی۔ ان دنوں شدھی

کا طوفان بھی اٹھا تھا مسلمان قوم کو اس قسم کے حملوں سے بچانے کے لئے یہ ضروری تھا
کہ مسلمانوں میں مزید تعلیم پھیلائی جائے اور ان میں پہلے سے زیادہ تیزی کے ساتھ سیاسی بیداری
پیدا ہو۔ اس وقت تک لیگ کی صوبجاتی شاخوں کی تعداد بہت کم تھی۔ اور جو شاخیں تھیں
ان میں اور مرکزی مسلم لیگ میں کوئی مضبوط رشتہ نہ تھا۔ لیگ کو یہ کام بھی انجام دینا تھا۔
قانون وقف علی الاولاد کے جو معنی برطانوی عدالتیں نکال رہی تھیں اور ان کی روشنی میں وقف
کے مقدمات کا جسطرح فیصلہ کیا جا رہا تھا اس سے بہت سے مسلمان خاندان تباہ و
برباد ہو چکے تھے۔ اس آفت کا دفعیہ بھی ضروری تھا۔

لیگ کا تیسرا اجلاس دہلی سنہ ۱۹۱۰ء

لیگ کے دونوں گذشتہ سالانہ اجلاس دسمبر ہی کے مہینوں میں ہوئے تھے۔ مگر سنہ ۱۹۰۹ء میں اجلاس
دسمبر میں نہ ہو سکا بلکہ ۲۹ر جنوری سنہ ۱۹۱۰ء کو (یعنی پورے ایک ماہ بعد) دہلی میں سنگم تھیٹر میں ہوا
جسے آج کل نشاط سینما کہتے ہیں۔ اس جلسے میں تین سو ڈیلی گیٹ اور تقریباً چار ہزار
وزیٹروں کے لئے گنجائش رکھی گئی تھی۔ مگر شرکا اس کثرت سے آئے کہ سنگم تھیٹر کے وسیع
اور خوشنما ہال میں تل دھرنے کو جگہ نہ رہی۔ اس اجلاس کے صدر منتخب آنریبل
سر غلام محمد علی خاں بہادر شہزادہ ارکاٹ تھے جو کرناٹک کے مسلمان حکمراں خاندان سے
تعلق رکھتے تھے۔ استقبالیہ کمیٹی کے صدر، دہلی کے نامور رئیس حاذق الملک حکیم حافظ محمد اجمل خاں
تھے جو بعد کو ملک کے سب سے زیادہ باوقار سیاسی رہبروں میں شمار ہوئے۔ ہندوستان کے
تمام گوشوں سے مسلمان قوم کے ہر طبقہ و خیال کے نمائندہ اور چیدہ افراد اجلاس میں شرکت
کرنے کے لئے آئے تھے۔ دہلی والوں نے بھی اجلاس سے اتنی دلچسپی لی کہ مقررہ وقت
تک ہال، دالانچیاں، برآمدہ اور زینہ غرض چپے چپے پر آدم ہی آدم تھا۔ اجلاس کی سیاسی
اہمیت یہ تھی کہ حکومت برطانیہ کا اس بنا پر شکریہ ادا کرنے کے لئے کہ اس نے ان کے سیاسی
حقوق کا اعتراف کر لیا اور ہندوستان کی دوسری قوموں بالخصوص ہندوؤں کے جائز مقاصد
سے ہمدردی اور اشتراک عمل کا عندیہ اس بنا پر ظاہر کرنے کے لئے کہ وہ ان کے ہموطن تھے

مسلمان ایک جگہ جمع ہوئے تھے۔ مسلمانوں کو حکومت اور ہموطنوں کے روبرو اپنے سیاسی عقیدے کا اظہار کرنا تھا۔ یہ اجلاس اس وجہ سے بھی اہم تھا کہ اب سے پہلے تو لیگ کا اجلاس آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے ساتھ ہی ہوا کرتا تھا مگر اس اجلاس سے لیگ کے جداگانہ وجود کو تسلیم کر لیا گیا جو مسلمانوں کی سیاسی بیداری کی نمایاں علامت تھی۔

سر آغا خاں ہندو مسلم اتحاد کے مسئلہ پر

سر آغا خاں نے جو لیگ کے مستقل صدر تھے ایک افتتاحی ایڈریس پڑھا۔ وقت کا اہم ترین مسئلہ ہندو مسلم اتحاد تھا۔ اس مسئلے پر روشنی ڈالتے ہوئے انہوں نے کہا "اب جبکہ ہمیں جداگانہ انتخاب حاصل ہو گیا ہے، مجھے امید ہے کہ اس کا نتیجہ دونوں ہمسایہ قوموں کے افراد کے درمیان ایک مستقل سیاسی ہمدردی اور ایک حقیقی ملاپ ہو گا..... مجھے اس بات پر زور دینے میں کوئی تامل نہیں ہے کہ جبتک ہندو اور مسلمان ان تمام امور میں جو اس ملک کی نشو و نما سے تعلق رکھتے ہیں ایک دوسرے کے ساتھ اشتراک عمل نہ کریں گے، دونوں میں سے کوئی ایک بھی اپنے جائز ولولوں کو پوری طرح نشو و نما نہ دے سکے گا اور نہ انکے امکانات کے لئے پوری گنجائش نکلے گی۔"

دی رائٹ آنریبل سیّد امیر علی کا ہمت افزا پیغام

آنریبل سید امیر علی نے جو مسلمانوں کے مُسلّم لیڈر تھے اور انگلستان میں مسلمانوں کا کام کر رہے تھے حاضرین اجلاس کو یہ پیغام بھیجا تھا "مجھے خلوص کے ساتھ بھروسہ ہے کہ وہ دونوں بڑی بڑی قومیں جن پر ریفارمز کا اثر سب سے زیادہ پڑیگا اپنے مشترکہ ملک کے لئے یگانگت کے ساتھ مل کر کام کرنے کا فیصلہ کریں گی۔ حکومت خوداختیاری کے خواب کی نشو و نما اور تکمیل ان دونوں کے اشتراک عمل پر منحصر ہے۔"

سر آغا خاں نے اپنے ایڈریس میں عوام کے لئے مفت ابتدائی تعلیم کی ضرورت زراعت کے ترقی دینے کے وسائل اور جنوبی افریقہ کے ہندوستانیوں کی حالت پر بھی بحث کی اور مسلمانوں کے لئے ایک مسلم یونیورسٹی کے قیام کی اہمیت پر روشنی ڈالی۔

شہزادہ ارکاٹ کا خطبۂ صدارت

اس دور میں مسلمانوں کی سیاسی رہبری میں سر آغا خان اور رائٹ آنریبل سید امیر علی بہت پیش پیش تھے۔ اس لحاظ سے اس اجلاس کی صدارت کا تاج عزت سید امیر علی صاحب کے سر پر رکھا جانا چاہئے تھا۔ مگر وہ اصلاحات کی رو سے انگلستان میں پریوی کونسل کی جوڈیشل کمیٹی میں لے لئے گئے۔ اور ہندوستان نہ آسکے۔ مسٹر سنہا کو وائسرائے کی انتظامی کونسل میں نامزد کیا گیا تھا۔ اس لئے شہزادہ ارکاٹ نے اپنے خطبۂ صدارت میں ان کے صدر نہ بننے پر اظہار افسوس کیا اور کہا کہ میری جگہ وہ زیادہ مناسب ہوتے۔

جداگانہ نیابت پر کی گئی نکتہ چینی کا جواب

بعض حلقوں میں اصلاحات کی اس بنا پر مخالفت کی جا رہی تھی کہ اس میں جداگانہ انتخاب کا اصول تسلیم کر کے ہندوستان کی قوموں کے درمیان آہنی دیواریں کھڑی کر دی گئی ہیں۔ شہزادہ ارکاٹ نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا "صرف جداگانہ نیابت ہی دو مختلف وزنوں کی قوموں کے درمیان اس کھینچا تانی کو کم کر سکتا ہے جو مختلف نسلوں اور مذہبوں کے امیدواروں کے ایک ہی اعزاز کو حاصل کرنے کی کوششوں سے پیدا ہو سکتی ہے۔ حال ہی کے لیجسلیٹو کونسلوں کے انتخاب میں بعض ایسی جگہوں پر جہاں مخلوط انتخاب ہے مسلمان چناؤ میں آگئے ہیں۔ مگر ان تمام باتوں کے باوجود جو ہمارے ہندو بھائی کہتے ہیں غیر جانبدارانہ طور پر حالات کا مطالعہ کرنے سے بہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ انہیں محض اتفاقی طور پر کامیابی حاصل ہوگئی وگرنہ ہندوؤں نے عموماً اپنی ہی پسند کے امیدواروں کو رائیں دیں۔ ہندوؤں کا پروپگنڈا کرنے والا طبقہ ان اتفاقاً کامیاب ہو جانے والے امیدواروں کے انتخابات کو ہی مسلمانوں کے جداگانہ حق نیابت کی مذمت کے لئے استعمال کر رہا ہے..... میرا یہ پختہ یقین ہے کہ اگر کبھی ہندوستان میں اتحاد ہوا تو وہ ہمارے بعض ہموطنوں کی اختیار کردہ اس تنگ نظرانہ پالیسی سے نہیں ہوگا کہ ہر اعتبار سے دوسروں کو اپنا ہمرائے بنایا جائے اور ان آرا اور جذبات کی اہمیت کو کم کیا جائے جو ہماری رائے

کے مطابق نہوں بلکہ وہ فراخدلی کے ساتھ اختلافات کو ماننے اور ملک کی بہتری کے خیال سے سب کو ان کا جائز حصہ دینے کی پالیسی سے ہوگا۔" آپ نے ہر صوبے میں ایک انگریزی اخبار جاری کیا جانے اور مسلم یونیورسٹی کے لئے تحریک شروع کرنے اور اردو کو ترقی دینے کی ضرورت بھی ظاہر کی تقسیم بنگال کے خلاف ایجی ٹیشن پھر شروع ہوگیا تھا۔ شہزادہ ارکاٹ نے یہ رائے ظاہر کی کہ حکومت اپنے وعدوں کے مطابق تقسیم کو منسوخ نہ کرے گی۔

اجلاس کی تجویزیں

مسلمانوں کے جداگانہ حق نیابت کے تسلیم کرلئے جانے پر انڈین کونسلز ایکٹ پر اظہار اطمینان کیا گیا۔ تجویز کی تائید کرنیوالوں میں جو کرسئ صدارت کی طرف سے پیش ہوئی تھی آنریبل خان بہادر میاں محمد شفیع لاہور آنریبل سید نواب علی چودھری بنگال، اور سید وزیر حسن صاحب وغیرہ تھے۔ ناسک، کلکتہ اور احمد آباد وغیرہ میں بمباز نوجوانوں نے کئی انگریزوں کو مار ڈالا تھا، اس پر انارکسٹ تحریک کی مذمت کی گئی۔ حکومت پر زور دیا گیا کہ وہ مسلمانوں کو ان کے تناسب کے مطابق سرکاری نوکریاں دے۔ اس بات پر زور دیا گیا کہ مسلم لیگ صرف سیاسی جماعت ہونے تک محدود نہ رہے بلکہ یہ مسلمانوں کی معاشرتی صنعتی اور اقتصادی اصلاح کا کام بھی شروع کرے۔ ہندو مسلم اتحاد پر بھی بار بار زور دیا گیا۔

ہر شعبۂ حکومت تک جداگانہ نیابت وسیع ہو

اس اجلاس میں جو تجویز آنریبل مولوی رفیع الدین احمد بار ایٹ لا (پونا) نے جداگانہ نیابت کو حکومت کے ہر شعبے میں رائج کرنے کے بارے میں پیش کی وہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ کیونکہ آئندہ ایک مدت تک اس تجویز کو دہرایا جاتا رہا۔ تجویز کا خلاصہ یہ تھا کہ ایک تو حکومت کے تمام خود اختیار شعبوں میں جداگانہ نیابت کا اصول رائج کردیا جائے دوسرے مرکزی اور صوبجاتی کونسلوں میں مسلمانوں کے لئے نشستیں محفوظ کردی جائیں تاکہ ریفارمز اسکیم کامیابی سے عمل میں آسکے اردو کے خلاف جو کوششیں کی جارہی تھیں ان پر اظہار افسوس کیا گیا۔ مسٹر محمد علی بی۔ اے (آکسن) نے جنوبی افریقہ کے ہندوستانیوں سے

ہمدردی کی تجویز منظور کرائی وہاں رنگ اور نسل کا امتیاز قایم کرکے یورپین ان پر ظلم کر رہے تھے
مسٹر ہنری ایس پولک بھی جنوبی افریقہ کے ہندوستانیوں کے ڈیلیگیٹ کی حیثیت سے اجلاس
میں موجود تھے۔ انہوں نے ایک معرکہ آرا تقریر کرکے وہاں کے حالات بتائے۔ علیگڈھ کالج کو
یونیورسٹی بنا دینے کی ضرورت ظاہر کی گئی۔ ہز ہائنس سر آغا خاں اور امیر علی صاحبان کی خدمات
کا اعتراف کیا گیا۔ سر آغا خاں کو مزید دو سال کے لئے لیگ کا مستقل صدر بنایا گیا۔ انھوں نے
آل انڈیا مسلم لیگ کو چار ہزار اور اُس کی شاخ لندن کو ڈیڑھ ہزار روپیہ بطور عطیہ دیا۔ اور دوران
اجلاس میں ان کے اپیل کرنے پر دوسروں نے بھی معقول عطیات دینے کے وعدے کئے سالانہ
چندے کی آمدنی سولہ سو روپے ہوگئی۔ تقریباً ساڑھے آٹھ ہزار کی رقم اس کے علاوہ اسی وقت
اکھٹی ہوئی۔ وقار الملک بہادر لیگ کے سکریٹری تھے۔ مگر وہ سبکدوش ہوگئے تھے۔ ان کی جگہ
میجر سید حسن بلگرامی سکریٹری بنے۔ وہ انگلستان چلے گئے کیونکہ وہاں ان کو مجوزہ ریفارمز کے
بارے میں بہت کچھ مفید کام کرنا تھا۔ اب ان کی جگہ مولوی محمد عزیز مرزا صاحب آنریری سکریٹری
بنائے گئے۔ وہ ایک طویل مدت تک ریاست حیدرآباد کے جوڈیشل پولیس اور جنرل سکرٹری
کے عہدے پر کام کرکے اب وہاں سے سبکدوش ہوئے تھے۔ حاجی موسیٰ خاں صاحب
(علیگڈھ) اور سید وزیر حسن صاحب بی، اے، ایل، ایل، بی (لکھنو) ان کے جوائنٹ سکریٹری بنے
اب تک لیگ کا صدر دفتر علیگڈھ میں تھا۔ آئندہ کے لئے لکھنو کو صدر مقام بنایا گیا۔ اور
یکم مارچ ۱۹۱۰ء کو وہاں صدر دفتر کھلا۔

مسلمانوں کے اوقاف کی حفاظت کا سوال

لیگ کے اس اجلاس میں دو تجویزیں اوقاف کی حفاظت کے سلسلے میں بھی
پیش ہوکر منظور ہوئیں۔ پہلی تجویز میں حکومت پر زور دیا گیا کہ وہ اوقاف کی حالت کے بارے
میں تحقیقات کرے۔ دوسری میں یہ مطالبہ کیا گیا کہ ان کی حفاظت کے لئے ایک قانون بنایا
جائے۔ ان تجویزوں کی ضرورت اس لئے پیش آئی تھی کہ پریوی کونسل کی جوڈیشل (عدالتی)
کمیٹی نے یہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا کہ کسی شخص کا اپنے خاندان یا ورثا کے لئے زمین یا جائداد

وقف کرنا محمڈن لاء (اسلامی قانون) کا جزء ہے۔ حالانکہ واقعہ اس کے خلاف ہے۔ اسلام سرمایہ داری کا تو یقیناً مخالف ہے اور وہ دولت کی مساوی تقسیم پر بھی زور دیتا ہے مگر اس نے جائیدادوں کو ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بالکل تباہ ہو جانے سے بچانے کے لئے یہ بندوبست کر دیا ہے کہ ایک شخص اپنے خاندان یا ورثا کے حق میں زمین یا جائداد وقف کر سکتا ہے۔ اس سے صدہا مسلمان خاندان تباہی و بربادی سے محفوظ چلے آتے تھے۔ بعض زمینیں ایسی تھیں جو صرف اس اصول کی وجہ سے مسلمانوں کے آغاز حکومت کے زمانے سے ابتک دستبرد ایام سے محفوظ رہی تھیں۔ مگر پریوی کونسل کی جوڈیشل کمیٹی کے فیصلے سے فائدہ اٹھا کر مفسدہ پرداز لوگوں نے اوقاف کو عدالتوں کے ذریعے سے تڑوانا اور مسلمان خاندانوں کو تباہ کرنا شروع کر دیا۔ قانون انگریزی کی رُو سے بھی جائداد خاندان یا ورثا کے نام چھوڑی جا سکتی ہے۔ مگر مسلمانوں پر چونکہ صرف اسلامی قانون نافذ ہوتا ہے اس لئے مروجہ انگریزی قانون کے ماتحت جائداد وقف کرنے کا انہیں کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔ اسلامی قانون کے اصول وقف کو نہ مان کر پریوی کونسل کی جوڈیشل کمیٹی نے ایک مسلمان کو اپنے خاندان کے نام جائداد وقف کرنے کے حق سے کلیتاً ہی محروم کر دیا۔

وقف علی الاولاد کا مفہوم

رسول پاک صلعم کی وفات کے بعد اسلامی قانون کی اساس قرآن ہے، سنت رسول، احادیث، اجماع اور قیاس پر ٹھہری بعد کو اسلامی قانون کے بارے میں مسلمانوں میں چار گروہ ہو گئے۔ برطانوی ہند اور تمام عالم اسلام میں ان میں سے حنفی عقیدے کو اولیت حاصل ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ کے شاگردوں حضرت ابویوسف اور حضرت امام محمد نے اسلامی قانون کو بڑی قابلیت سے منظم کیا اور ان کے بعد سب جگہ اسی کو مسلمہ اسلامی قانون سمجھا گیا۔ ان دونوں حضرات کے نزدیک وہ چیز وقف ہے جس پر مالک کا اختیار ختم ہو جائے اور جو خداوند کریم کی راہ میں دے دی جانے کے بعد اسی کی ہو جائے اور اس کا فائدہ اس کے بندوں کو پہنچے۔ جائدادیں وقف کرنے کا رواج سب قوموں میں ہے۔ مگر اسلامی قانون کی رُو سے وقف

کو فروخت نہیں کیا جا سکتا، نہ اسے تحفتہً یا بطور وراثت کسی کو دیا جا سکتا ہے۔ ساری جائداد کسی ایک وارث کو نہیں دی جاتی بلکہ اس سے تمام ورثا کی پرورش ہوتی ہے۔ یہ اسلام کی نظر میں واقف کا کار ثواب ہے جس کا اسے اجر ملیگا۔ ہر اس ملک میں جہاں اسلامی قانون ہے اس پر عملدرآمد کیا جاتا ہے۔ فرقوں کا اختلاف بھی اس کی تعمیل میں مانع نہیں آتا پریوی کونسل کی جوڈیشل کمیٹی کو لفظ خیرات سے مغالطہ ہوا حالانکہ اسلامی قانون کی رُو سے خیرات صرف غیروں ہی کو نہیں اپنوں کو بھی دی جا سکتی ہے۔ خود بانیٔ اسلام صلعم نے اپنے اسوۂ حسنہ سے یہ ثابت کیا ہے کہ اپنے ورثا اور عزیز و اقربا کو دینا بھی اتنا ہی ثواب کا کام ہے جتنا غربا یتامیٰ، محتاج اور مساکین کی امداد کرنا ہے۔ پریوی کونسل کی جوڈیشل کمیٹی نے اوّل بار ۱۸۸۹ء میں یہ سوال اٹھایا کہ وقف از راہ خیرات نہیں ہونا چاہئے۔ سر سیّد احمد خاں نے جو وائسرائے کی کونسل کے ممبر تھے فوراً جوڈیشل کمیٹی کے اِس فیصلے کے خلاف آواز بلند کی اور اس بارے میں وہ ایک مسودۂ قانون سامنے لے آئے مگر سرکاری حلقوں سے مدد نہ ملنے کی وجہ سے وہ مسودہ نامنظور ہو گیا۔ ۱۸۹۴ء میں جوڈیشل کمیٹی نے اپنے ۱۸۸۹ء کے فیصلے کو نہ صرف دہرایا بلکہ یہ بھی قرار دیا کہ خاندان کے نام جائداد نہ چھوڑتے ہوئے اس وقف کرنا بے معنی سی بات ہے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ جائداد کو اس طرح وقف کرنا کہ تاحین حیات اس کی آمدنی واقف کو اور اس کی وفات کے بعد اس کے ورثا کو ملتی رہے ہندوستان میں قانوناً ناممکن ہو گیا۔ اور سارے سابقہ اوقاف ٹوٹ گئے۔ کلکتہ کی محمڈن ایسوسی ایشن نے سر سید احمد خاں کا مسودۂ قانون حکومت کو بھیجا۔ مگر اس نے یہ جواب دیا کہ ایسا قانون بنانے سے خراب نتائج برآمد ہوں گے۔ مسلمانوں کو حکومت کے اس رویے پر یہ اعتراض تھا کہ اس نے معاملے کی اصلیت پر غور ہی نہیں کیا۔ ہم حکومت سے یہ درخواست نہیں کرتے کہ وہ مسلمانوں پر کوئی ایسا قانون نافذ کرے جو اسلامی قانون کا جزو نہ ہو بلکہ اصول وقف علی الاولاد کو جو اسلامی قانون کا جزو ہے جوڈیشل کمیٹی کے کہنے پر عمل پذیر ہونے سے باز نہ رکھا جائے۔

باب ۵

نئے میدانِ عمل میں چند قدم

نئی فضائیں، نئے ارادے

مسلم لیگ کا بنیادی مقصد تو یہی تھا کہ مسلمانوں میں سیاسی بیداری پیدا کی جائے۔ مگر اس دور کے مسلمان رہبروں بالخصوص سر آغا خاں اور سید امیر علی صاحبان نے اجلاس ۱۹۱۰ء کے موقع پر قوم کو یہ مشورہ دیا کہ تمام کوششوں کو محض سیاست کے لئے وقف کر دینے سے مسلمان قوم کی ذہنی اور اقتصادی ترقی کو نقصان پہنچے گا اور مسلمان صرف ایجی ٹیٹر (شورش کرنے والے) بن کر رہ جائیں گے، اس لئے کام تقسیم کر لینا چاہیئے۔ اس کام کے چار شعبے ہوں (۱) سیاسی (۲) تعلیمی (۳) اقتصادی (۴) معاشرتی۔ اجلاس کے بعد جب عزیز مرزا صاحب نے بحیثیت آنریری سکرٹری مسلم لیگ کی تنظیم کا کام سنبھالا تو انھوں نے سب صوبجاتی لیگوں کو اس جدید حیات بخش پروگرام کی طرف متوجہ کیا۔ پنجاب کی مسلم لیگ نے اس پر کامیابی کے ساتھ عمل شروع کر دیا۔ اب لیگ کے صدر دفتر کے فرائض اور اس کی ذمہ داریاں بڑھنے لگیں۔ عملہ بڑھایا گیا۔ خط و کتابت کا کام وسیع کیا گیا۔ گذشتہ سال میں دفتر سے صرف ۳۳۷۸ خطوط گئے تھے مگر اس سال ۷۳۰۶ خطوط گئے۔ مسلم لیگ کا صدر دفتر اب براہ راست حکومت ہند سے خط و کتابت کرنے لگا۔

سرکاری ملازمتیں اور چند اگانہ نیابت

مسلمانوں کو ان کے تناسب اور قومی وقار کے لحاظ سے سرکاری دفتروں

میں ملازمتیں ملنے کے بارے میں جو تجویز اجلاس دہلی ۱۹۱۰ء میں منظور ہوئی تھی اس کی نقل حکومت ہند کو بھیجی گئی۔ یہ بات صاف طور پر ظاہر کر دی گئی کہ ہم حکومت سے کوئی عنایت نہیں چاہتے مگر جب اہل مسلمان مل سکتے ہیں اور موجود ہیں تو ان کے مطالبات پر کیوں توجہ نہیں دی جاتی۔ حکومت کی طرف سے یہ ہمدردانہ جواب موصول ہوا کہ جن جن صوبجاتی حکومتوں میں مسلمانوں کی اس بارے میں حق تلفی ہو رہی ہو ان کے سامنے مسلمان اپنی شکایتیں رکھیں اور اگر حکومت ہند کے سامنے اس سلسلے میں کوئی یادداشت رکھی جائے گی تو وہ اس پر پوری ہمدردی کے ساتھ غور کریگی اس کے بعد محکموں کے بڑے افسروں کی ہمدردی حاصل کی گئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان امیدواروں کی درخواستوں پر زیادہ ہمدردانہ طریق سے غور کیا جانے لگا میونسپل اور ڈسٹرکٹ بورڈوں میں جداگانہ نیابت کے بارے میں ماہ مارچ ۱۹۱۰ء میں صدر دفتر لیگ نے مسلمانوں کی خواہشات سے حکومت کو مطلع کیا اور حکومت نے جواب دیا کہ شاہی کمیشن کی سفارشیں ابھی زیر غور ہیں۔

مسٹر جناح کا وقف بل پیش کرنے کا ارادہ

مسلم لیگ کی طرف سے حکومت پر قانون وقف بنانے کے لئے زور دیا گیا تو حکومت نے کہا کہ وہ صرف جوڈیشل کمیٹی کے فیصلے کو توڑنے کے لئے تو کوئی قانون بنانے کے لئے تیار نہیں ہے۔ البتہ مسلمان اپنی طرف سے کوئی معیّنہ تجویز رکھیں تو حکومت اس کی امداد کریگی یہی جواب حکومت نے امپیریل کونسل میں جناح صاحب کو بھی دیا تھا جنہوں نے اس ضمن میں سوال اٹھایا تھا۔ اس پر لیگ نے یہ تجویز سوچی کہ جناح صاحب کونسل کو ایک مسودۂ قانون وقف علی الاولاد کے مضمون پر بھیج دیں۔ جناح صاحب پہلے ہی اس مسئلے میں بیحد دلچسپی لے رہے تھے۔ انھوں نے ایک مسودۂ قانون تیار کرنے کا ارادہ کر لیا تاکہ کونسل کے آئندہ اجلاس میں پیش ہو سکے۔

اردو زبان کیلئے کوششیں

ہندوؤں کے بعض سرکردہ لیڈر صوبجات متحدہ

پنجاب اور بہار میں اردو کی بیخ کنی کے لئے زبردست کوششیں کر رہے تھے۔ اور اس کی جگہ دیوناگری کو رائج کرنا چاہتے تھے۔ لیگ نے بتایا کہ ہم آپ کے ہندی کو پھیلانے کے ارادوں کے مخالف نہیں ہیں۔ مگر اردو پر جو چھپے حملے کئے جاتے ہیں ان پر لیگ للکارے بغیر نہیں رہ سکتی کیونکہ مذہب کے بعد اردو زبان ہی ایک ایسی چیز ہے جس نے سارے ہندوستان کے مسلمانوں کو ایک رشتے میں باندھ رکھا ہے۔ صوبجاتی لیگوں کے سکرٹریوں کو لیگ کے صدر دفتر سے برابر یہ ہدایت ہوتی رہی کہ وہ دیکھتے رہیں کہ اردو زبان بولنے والوں کو فہرست مردم شماری میں اردو بولنے والا دکھایا جا رہا ہے یا نہیں۔

اس زمانے میں کئی صوبوں میں مسلم لیگ کی شاخیں قایم ہوئیں جیسے برما، صوبہ متوسط و برار، مشرقی بنگال اور آسام وغیرہ۔ اور اس کے ممبروں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا۔ جابجا مسلمانوں نے کلب قایم کئے۔ صوبجاتی مسلم لیگوں نے ان کلبوں کے قیام میں خوب امداد دی۔ مسلمانوں کے ذہنوں کی سیاسی تربیت کے لئے کافی مقدار میں سیاسی لٹریچر شائع کیا گیا۔ اور مسلم لیگ کے اغراض و مقاصد واضح طور پر لوگوں کو بتائے گئے۔

مسلم لیگ کا چوتھا سالانہ اجلاس ناگپور سنہ ۱۹۱۰ء

۲۸ دسمبر سنہ ۱۹۱۰ء کو ناگپور کے ٹاؤن ہال میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا۔ ناگپور کے ایک دور افتادہ شہر ہونے کے باوجود اجلاس میں لوگ بکثرت شریک ہوئے۔ اس سے یہ ظاہر ہوا کہ مسلمانوں نے ذہنی غفلت دور کر دی ہے اور وہ دوسری قوموں سے پیچھے نہیں رہنا چاہتے۔ لکھنؤ کے مسٹر نبی اللہ بیرسٹر کو اس اجلاس کا صدر منتخب کیا گیا تھا۔ وہ مسلمانوں میں چوٹی کے بیرسٹروں میں شمار ہوتے تھے۔ ایک قدیم خاندان میں جنم لینے کے باوجود وہ علیگڑھ کالج کے سب سے پہلے داخل ہونے والے طلبا میں سے تھے آل انڈیا مسلم لیگ کی تاسیس اور اردو ہندی ایجی ٹیشن میں انھوں نے بڑی سرگرمی سے کام کیا تھا۔ مسٹر نبی اللہ نے اپنے خطبۂ صدارت میں ہندو مسلم اتحاد کے مسئلے ہی کو سب سے پہلے چھیڑا۔ انھوں نے مسلمانوں کے مطالبات کو جائز قرار دیتے ہوئے ہندوؤں کو یقین دلایا

کہ ملازمتوں اور اردو ہندی کے سوالات کے علاوہ باقی کوئی ایک ملکی مسئلہ بھی ایسا نہیں ہے جس میں مسلمان ہندوؤں کے ساتھ متفق نہوں۔ اور یہ مشورہ دیا کہ ہندو مسلمان رہبروں کو گاہ بگاہ کسی ایک جگہ مجتمع ہو کر آپس میں تبادلۂ خیالات کرنا چاہیئے تاکہ غلط فہمیاں دور ہو جائیں۔ انہوں نے سر ولیم ویڈربرن کی اس عاقلانہ تجویز کا خیر مقدم کیا کہ ہندو مسلم لیڈروں کی ایک کانفرنس اتحاد کی بات چیت کے لئے طلب کی جائے۔

وقت کے اہم مسائل پر بحث

تازہ ریفارمز اور ہندو مسلم اتحاد کے مسئلے کے علاوہ اس وقت مسلمانوں کے سامنے چند دیگر اہم مسائل بھی تھے، جیسے اردو ہندی کا جھگڑا، پریوی کونسل کی یہ غلط فہمی کہ شریعت اسلامی کی رو سے وقف چھوڑنا درست نہیں ہے، مسلمانوں کے لئے لازمی ابتدائی تعلیم، ریفارمز کے مطابق ملازمتوں میں مسلمانوں کو ان کا حصہ دلوانا، حکومت کے ان تمام اداروں میں جہاں خود اختیاری رائج کی جا رہی تھی مسلمان کے لئے جداگانہ نیابت و انتخاب۔

اردو ہندی کا سوال

اردو ہندی کے جھگڑے کے سلسلے میں اجلاس کی تیسری نشست میں شیخ ظہور احمد بار ایٹ لا الہ آباد نے اردو کو اس کے دیرینہ مقام سے ہٹائے جانے کی مخالفت کرتے ہوئے ایک تجویز پیش کی تائید کرنیوالوں میں مسٹر محمد یعقوب (مراد آباد) دی آنریبل مولوی رفیع الدین احمد اور مسٹر محمد علی بی، اے (آکسن) تھے۔ مجوز نے اپنی تجویز پر ایک طویل تقریر کی۔ انہوں نے کہا: "اردو صرف مسلمانوں کی زبان نہیں ہے بلکہ ہندو مسلمانوں کی مشترکہ املاک ہے ۱۸۶۷ء میں پہلی بار یہ کوشش کی گئی تھی کہ اردو کی جگہ ہندی یا ہندوستانی کو ہندوستان کی قومی زبان بنایا جائے۔ اور ہندی کے حامی جو بہت محدود تعداد میں تھے حکومت کو ترغیب دیکر بعض صوبوں میں اپنے مطلب کی تجویزیں منظور کرا لینے میں کامیاب بھی ہو گئے تھے۔ مگر ہندوستان کے تعلیم یافتہ طبقے میں اس کے خلاف زبردست طوفان مخالفت اٹھا۔

"ہندی زیادہ سے زیادہ رعایت کے ساتھ بھی زبان نہیں کہی جا سکتی۔ یہ مقامی بولیوں

کا بے ترتیب مجموعہ ہے۔ نہ ہندی میں مستند زبان ہے، نہ مستند ادب ہے اور نہ مستند ہجّے ہیں۔ ہر شخص اسے اپنی مرضی کے مطابق لکھ سکتا ہے اور اکثر خود اپنی تحریر کو پڑھنے میں دقّت محسوس کرتا ہے اور اگر میں غلطی نہیں کرتا تو اس کے پڑھنے کے سات طریقے ہیں۔ ہندی کے حامیوں کا دہ گروہ جو خود کو سرگرم محبِّ وطن قرار دیتا ہے اس مقامی بولیوں کے مجموعے کو جس کی زبان تلفظ اور ہجّے تک ٹھیک نہیں ناگری کا خوشنما لباس پہنا کر اردو یا ہندوستانی زبان کی جگہ رکھ رہا ہے۔ وہ اردو جو ناگری کے مقابلے میں کہیں زیادہ فائق، کہیں زیادہ لوچ اور لچک کی مالک ہے اور ناگری سے زیادہ بہتر حروف رکھتی ہے، صرف اسلئے زندگی سے محروم کی جارہی ہے کہ ہمارے بعض ہندو بھائی اردو یا ہندوستانی زبان کو بدیسی خیال کرتے ہیں اور یہ دکھانے کے لئے بے چین ہیں کہ انھیں مسلمانوں کی حکومت سے کچھ بھی نہیں ملا۔ یہ سمجھنا غلطی ہے کہ اردو اس ملک کی زبان نہیں ہے۔ یہ ان زبانوں کے میل کا نتیجہ ہے جو آرین نسلوں سے تعلق رکھتی ہیں اور اس لئے براہ راست نہ سہی بالواسطہ ہی سہی یہ ہندوستان کی سرزمین سے وابستہ ہے۔ جو لوگ صرف اس لئے سنسکرت ملی ہوئی ناگری کو از سرِ نو رواج دینا چاہتے ہیں کہ ویدوں کی مقدّس کتابیں اس زبان میں ہیں، وہ ممی کی ہوئی ایک لاش کو انسانی پھونکوں سے زندہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور اس حقیقت کی طرف سے آنکھیں بند کئے ہوئے ہیں کہ اس کام میں صدیوں لگیں گی تب کہیں ان کی لاڈلی زبان وہ مرتبہ حاصل کریگی جو اردو کو اس وقت حاصل ہے۔ ہندی کے محبِ وطن حامی اپنے مقاصد کو کتنا ہی چھپائیں مگر میں ملک کے مُسلّمہ لیڈروں سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آیا یہ قدم متحدہ ہندوستان کے نصب العین کی جانب اٹھ رہا ہے“؟

اردو ہندی سوال پر مولانا محمد علی کی تقریر

مولانا نے تجویز کی تائید میں کہا۔ ہم ایک ایسے دور کا آغاز کر رہے ہیں جو امن وامان اور ہندوؤں اور مسلمانوں کی باہمی رضامندی کا دور ہے، ہم کھلے ہوئے دماغ لیکر الہ آباد جارہے ہیں، اس پُرخلوص امید کے ساتھ کہ ہندوستان کی دو بڑی قوموں

کے تعلقات پیشتر کی بہ نسبت بہتر ہو جائیں گے۔ دونوں فریقوں میں کسی ایک کا اس بات
پر اصرار کرنا تو حماقت ہی ہوگا کہ وہ دوسرے کے تمام اجزائے عقائد کو تسلیم کرے۔ مگر
دونوں اس پر اصرار کر سکتے ہیں کہ اتحاد اور موافقت کے جذبات کی کوئی یقینی نشانی
سامنے آنی چاہیئے۔ اور صرف اصرار کر ہی نہیں سکتے بلکہ انہیں اصرار کرنا چاہیئے۔ اردو
کے سوال کو میں ہندوؤں کے خلوص کی کسوٹی سمجھتا ہوں۔ ایک ایسی سرزمین میں جہاں
ہر چیز متضاد تھی، جہاں نسلیں، مذاہب، رواج، شعبہ ہائے معاشرت اور انداز فکر و عمل
وغیرہ سب میں تضاد تھا ایک مشترک چیز ملک کی لنگا فرانکا اردو تھی۔ یہ اس زبان کی
نشو و نما اور اس کا تمام ممکنہ ذرائع عربی، سنسکرت اور انگریزی سے مصالحہ لیکر اپنا
ذخیرہ بڑہانے کی خاصیت ہے، جو مستقبل کی ہندوستانی قومیت کی بنیاد ہے۔ مسلمانوں
میں لسانی تعصب کا کہیں نام بھی نہیں ہے۔ فارس میں انھوں نے فارسی کو قائم رکھا
اور اُسے ترقی دی۔ ترکی میں انھوں نے سلطنت عباسیہ کو برباد کرنے والوں تک کی
زبان کو برقرار رہنے دیا۔ ہندوستان میں انھوں نے اسی سرزمین کی زبان کو اپنا لیا۔
کیا وہ اردو عرب یا فارس یا افغانستان سے لائے تھے؟ نہیں۔ بلکہ اسے انھوں
نے ہندوستان کی لشکر گاہوں اور اس کی منڈیوں میں پایا اور اختیار کر لیا۔ ان الفاظ
میں سے جو اُن کے روزانہ میل جول میں استعمال ہوتے تھے اسّی فیصدی الفاظ ایسے
تھے جو ایک عرب یا ایرانی، یا تُرک یا افغان کے لئے بے معنے تھے۔ مگر اس کے
باوجود میں یہ دیکھتا ہوں کہ ایک صوبے میں جس سے ایک ہزار برس تک مسلمانوں
کا سب سے زیادہ قریبی تعلق رہا ہے، فارسی اور عربی کے الفاظ کو بدیشی کہکر زبان
کے ذخیرے سے خارج کرنے کے لئے زور لگایا جا رہا ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے ایک
مہاجن چاندی اور سونے کے اس ذخیرے کو گوڑی پر پھینک دینا چاہتا ہو جس پر
عرب اور فارس کی مہر لگی ہوئی ہو۔ کوئی ہندو مہاجن اصلی سونے اور اصلی چاندی کو
صرف اس لئے نہیں پھینکے گا کہ وہ کسی بدیشی ٹکسال کا ڈھلا ہوا ہے۔ مگر صوبجات متحدہ

اور پنجاب کے ہندو یہی کر رہے ہیں۔ ایک ایسی قوم کا جو اپنی کفایت شعاری کے واسطے مشہور ہے، یہ طرز عمل حیران کن ہے مگر واقعہ یہی ہے۔ میں اس سال کانگریس کے اجلاس میں ایک وزیٹر اور جرنلسٹ (اخبار نویس) کی حیثیت سے شریک ہوا تھا اور میں نے آنریبل پنڈت مدن موہن مالویہ کی ایک تقریر سنی جس کی بابت پروگرام میں لکھا تھا کہ وہ ہندی میں ہوگی۔ وہ تقریر مسلمانوں کی سمجھ میں بالکل نہ آئی اور مالویہ جی کے صوبے کے ہندو بھی اس کا کچھ حصہ ہی سمجھ سکے ہیں لئے گجراتی اور مرہٹی میں جتنی تقریریں سُنی ہیں اس تقریر میں ان سے بھی زیادہ سنسکرت زبان کے الفاظ تھے اسی کے ساتھ ساتھ فارسی اور عربی کے الفاظ کو بڑی سختی کے ساتھ تقریر سے خارج کیا گیا تھا۔ جہاں ضرورت تھی وہاں بھی انھیں نہیں لایا گیا۔ مگر ایسے چند ایک عربی فارسی الفاظ تقریر میں آداخل ہی ہوئے۔ سنسکرت کے مترجموں نے فوراً ان کے وجود پر اعتراض کیا۔ اور پھر ان کو زبردستی نکالنے کی کوشش کی گئی۔ اس کے بعد میں نے ایک تقریر سُنی جو میری ہی درخواست پر کانپور کے ایک ہندو صاحب نے کی تھی۔ یہ تقریر بقول مقرر اردو زبان میں تھی۔ اس تقریر میں نہ صرف پیچیدہ اصولوں میں سنسکرت الفاظ استعمال کئے گئے تھے بلکہ صیغے تک ویدک زبانوں سے درآمد کئے گئے تھے۔ ایک تیسری تقریر کراچی کے ایک ہندو صاحب نے کی۔ پروگرام میں یہ لکھا تھا کہ یہ تقریر ہندی میں ہوگی۔ اس تقریر میں عربی، فارسی کے بہت سے مشکل اور ادق الفاظ تک تھے۔ جب میں ہندو کانگریس میں ہندی زبان کو تین طرح بولتے ہیں تو مجھے محسوس ہوتا ہے کہ مردم شماری کرنے والوں کے لکھے پر کچھ زیادہ اعتماد کرنا حماقت ہوگا۔ کم سے کم صوبہ متحدہ میں اردو پر قابل افسوس اسپرٹ میں حملہ کیا جا رہا ہے۔ دوسرے صوبوں میں اس پر ہندی کا لیبل چسپاں کیا جا رہا ہے مجھے لیبل کی اتنی پرواہ نہیں ہے۔ مگر چیز کی بڑی فکر ہے اور جیسا کہ میں نے پہلے بھی کہا ہے میں اردو کے سوال کو خلوص کی کسوٹی سمجھتا ہوں۔ اور مجھے امید ہے کہ

الہ آباد کی کانفرنس کا سب سے بڑا نتیجہ اردو کی ترقی ہوگا جو ہندوؤں اور مسلمانوں کا مشترکہ ورثہ ہے۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ دوسرے صوبوں میں بھی اردو کو برقرار رکھنا مسلمانوں کی تعلیم کے لئے ضروری ہے۔ مثلاً صوبۂ بمبئی میں ان پرائمری اسکولوں میں جو مسلمانوں کے لئے ہیں اردو ہی میں تعلیم ہونی چاہیئے۔ اردو کی بیخ کنی کر کے اردو کے مخالفین اس تنہا ذریعہ کو مٹا رہے ہیں جو مسلمانوں کے لئے تعلیم حاصل کرنے کے لئے رہ گیا ہے"۔

اوقاف کا مسئلہ

بمبئی کے قاضی کبیرالدین بار ایٹ لا نے مسئلہ اوقاف پر ایک طویل اور جامع تقریر کی۔ اور پریوی کونسل کو اس کی غلطی پر متنبہ کرتے ہوئے یہ مطالبہ کیا کہ اوقاف کی حفاظت کے لئے حکومت قانون بنائے قاضی صاحب کی تقریر مسئلہ اوقاف پر معلومات کا ایک خطیر خزانہ تھی۔ پہلے آپ نے مسئلے پر تاریخی پہلو سے روشنی ڈالی۔ پھر شریعت اسلامی کی مستند کتابوں سے حوالے دے دے کر اوقاف کی صحت کو ثابت کیا اور یہ امید ظاہر کی حکومت مسٹر جناح کے اس بل کو منظور کرے گی جو عنقریب شاہی کونسل میں پیش ہونے والا ہے۔ اوقاف کی حالت کی تحقیقات کا مطالبہ بھی کیا گیا۔

دیگر تجویزیں

مسلمانوں کے لئے نشستیں محفوظ کرنے اور مقامی خود اختیار حکومتی اداروں میں انھیں جداگانہ نیابت دینے کی تجویز منظور ہوئی۔ اس مرتبہ بھی یہ تجویز مولوی رفیع الدین احمد بار ایٹ لا (پونا) نے پیش کی سید طفیل احمد فتح پور نے اس کی تائید کی۔ پرائمری تعلیم کو مفت اور لازمی کر دینے کی ضرورت جتائی گئی۔ اس پر زور دیا گیا کہ مسلمانوں کو ان کے وقار اور تعداد کی نسبت سے سرکاری ملازمتیں دی جائیں۔ ٹرانسوال میں جو ہندوستانی مصیبتیں برداشت کر رہے تھے ان کے ساتھ ہمدردی ظاہر کی گئی اور مسلمانوں سے درخواست کی گئی کہ وہ ان کی مالی امداد کریں۔ آئی سی ایس کے امتحان کی عمر میں ایک سال گھٹا دینے

پر اظہار افسوس کیا گیا۔ انگلستان کی قانونی تعلیم کی کونسل نے یہ شرط لگادی تھی کہ جو ہندوستانی بیرسٹری پاس کرنے آئیں وہ کم سے کم گریجویٹ ہوں اور اپنے علاقے کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹوں سے چال چلن کے سرٹیفکٹ لائیں۔ اس پر احتجاج کیا گیا۔ صوبہ متحدہ اور برار کے مسلمانوں کیلئے شاہی کونسل کے لئے ممبر بھیجنے کا حق طلب کیا گیا۔ اس اجلاس کے وقت شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم کا انتقال ہوا تھا۔ اس پر اظہار افسوس کرنے کے ساتھ نئے شہنشاہ جارج پنجم کو تخت نشینی پر مبارکباد دی گئی۔ لارڈ مارلے وزیر ہند اور لارڈ منٹو وائسرائے ہند اپنی ملازمت کی مدت ختم کر کے سبکدوش ہوئے تھے۔ ان کی قیمتی خدمات کا اعتراف کیا گیا۔

اتحاد کانفرنس الہ آباد سنہ ۱۹۱۱ء

اجلاس ختم ہونے کے بعد سر آغا خاں کی قیادت میں چیدہ چیدہ مسلم لیڈروں کا ایک وفد ناگپور سے الہ آباد کو روانہ ہوا۔ جہاں کانگریس کا اجلاس ہو رہا تھا۔ نوروز کے دن اتحاد کانفرنس ہوئی۔ اس میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے سو لیڈر شریک ہوئے۔ ہندوستان کے چوٹی کے سبھی رہنما تھے۔ ساٹھ لیڈر ہندوؤں کی طرف سے تھے۔ جن میں سر سریندر ناتھ بنرجی، گوکھلے، سر سندر لال، پنڈت مدن موہن مالویہ، سر تیج بہادر سپرو پنڈت موتی لال نہرو۔ لارڈ سنہا، مہاراجہ دربھنگہ، قابل ذکر ہیں۔ مسلمانوں کی طرف کے چالیس رہبر تھے جن میں سر آغا خاں، وقار الملک بہادر، سر ابراہیم رحمت اللہ مسٹر محمد علی جناح، مسٹر حسن امام، مسٹر محمد علی (آکسن)، حکیم اجمل خاں، مسٹر شفیع احمد بارایٹ لا، مولوی رفیع الدین احمد بارایٹ لا، کے نام زیادہ نمایاں ہیں۔ سر آغا خاں اور مسٹر ویڈر برن کی اختتامی تقریروں کے بعد ان تمام امور پر بحث ہوئی جو ہندو اور مسلمانوں کے درمیان لڑائی جھگڑے کا سبب تھے اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ ایک کمیٹی بنادی جائے جو ہندو مسلم سمجھوتے کے لئے راہیں نکالے۔ اس کمیٹی کا پروگرام یہ تھا۔

(۱) ہندوستان کے مختلف حصّوں میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں صلح کرانے والی پنچایتیں اور کچہریاں قایم کرے (۲) مقدمہ بازی کو کم کرائے (۳) ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بائیکاٹ کرنے سے روکے (۴) اردو ہندی کے جھگڑے کو گھٹائے (۵) میونسپل کمیٹیوں اور ڈسٹرکٹ بورڈوں میں مسلمانوں کے ممبروں کی مقررہ تعداد اور مسلمانوں کی نمایندگی کا خیال رکھے (۶) سود کی شرح میں کمی کرائے (۷) رہن رکھی ہوئی جائدادوں کے جبریہ فروخت کردیئے جانے کا طریقہ بند کرے (۹) آریہ سماج کی اشتعال انگیز تحریک کی روک تھام کرے (۱۰) گاؤکشی اور باجے کے جھگڑوں کے سلسلے میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں ملاپ کرائے۔ (۱۱) ہندوؤں کو کسی ایسے مسئلے پر زور دینے سے باز رکھے جو مسلم لیگ کی رائے میں مسلمان اقلیت کے لئے مُضر ہو۔ یہ پروگرام ہندو مسلم اتحاد کے لئے بہت مناسب تھا مگر دونوں طرف کے انتہا پسند کانفرنس کے کئے ہوئے کام کو برباد کرنے پر کمربستہ ہوگئے۔ پنڈت مالویہ نے جو کانفرنس میں شریک اور اس کے فیصلوں کے پابند تھے امپریل کونسل میں کونسل ریگولیشنز پر ایک ریزولیوشن پیش کردیا۔ اس پر ایک ایسی بحث اٹھی جو ہندو مسلمانوں کے تعلقات خراب کرنے کا سبب بنی۔ بریلی اور کلکتہ میں پنڈت بشن نارائن درنے اپنی صدارتی تقریروں میں جی بھر کے مسلمانوں کے سیاسی اغراض کو ہدف ملامت بنایا۔ انھوں نے ہندوؤں کو ہر جگہ ناگری رائج کرنے کا مشورہ دیا اور انھیں سمجھایا کہ ہندو ریاستوں میں اردو کو نکال کر ہندی چلا دینا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے مسلمانوں کے جداگانہ انتخاب کے مطالبے کو مسلمان قوم کی تنگ نظری قرار دیا۔

کانگریس کے مخالف مسلمان

مگر متعصب ہندوؤں کی اس قسم کی اتحاد شکن کوششوں کے باوجود مسلم لیگ دونوں قوموں کے مستند اور مُسلّمہ لیڈروں سے معقولیت کے برتاؤ کی توقع کرتی رہی

اور اسے ہر حال میں یہ پرجوش امید رہی کہ معمولی درجے کے اختلافات سے بلند ہو کر ہندو مسلمان اتحاد و اتفاق کی اسپرٹ پیدا کرنے میں کوشاں ہوں گے۔

لیگ کے اس طرز عمل پر جس میں پنڈت مالویہ جیسے ہندو لیڈروں کے طرز عمل کے باوجود کوئی تبدیلی نہ ہوئی، بعض مسلمانوں کی طرف سے نکتہ چینی شروع ہوئی لیگ کے حلقوں میں ان لوگوں کی رائے کو غیر مآل اندیشی پر مبنی قرار دیا گیا۔ مگر ایک طبقہ ایسا پیدا ہو گیا جو اس رائے کو حقیقت سے بالکل ہی مُعرّا نہ سمجھتا تھا۔ اس طبقے کا اعتراض یہ تھا کہ مسلم لیگ کا نگریس کمیٹی کی کارروائیوں میں حصہ لے کر اپنے وقار اور رفتار عمل کو صدمہ پہنچا رہی ہے۔ مسلم لیگ کی پالیسی کے حامی اس طبقے کی رائے کو "جلد باز اور ہلکے افراد کی رائے" کہہ کر نظر انداز تو کرتے تھے مگر اتنی بات وہ بھی تسلیم کرتے تھے کہ مسلم لیگ کا کانگریس جیسی جماعت سے وابستہ ہو جانا اور ہندوؤں سے خوشگوار تعلقات قائم کرنا دو بالکل مختلف چیزیں ہیں اور ہندو مسلم اتحاد کی خواہش کا یہ مطلب کبھی نہیں ہو سکتا کہ لیگ کانگریس میں جذب ہونے پر آمادہ ہے۔

آگے چل کر جب تقسیم بنگال کی منسوخی سے نظام حکومت میں زبردست تبدیلیاں ہوئیں اور مسلمانوں کو ان کی چوٹ سہنی پڑی تو مسلم لیگ کانگریس سے اور بھی قریب ہو گئی۔ مگر لیگ کے ذمہ دار عہدیداران نے اس وقت بھی یہی کہا کہ جب تک ہمیں اچھی طرح یہ معلوم نہ ہو جائے کہ کانگریس ہمارا خیر مقدم کس جذبے کے ساتھ کرے گی ہم لاابالیانہ طور پر اس کے آغوش میں جا پڑنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ یہ محسوس ہونے لگا تھا کہ مسلمانوں کی سابقہ پالیسی میں کچھ نہ کچھ ترمیم ضرور ہونی چاہئے مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ احساس بھی عام تھا کہ مسلم لیگ کو خود اپنے اوپر بھروسہ کرنے کی پالیسی اختیار کرنی چاہئے اور مسلم عوام کی سیاسی ذہنی تربیت کی طرف متوجہ ہو جانا چاہئے۔

سابقہ پالیسی میں تبدیلی کی ضرورت ایک درجے سے زیادہ شدت کیساتھ محسوس ہو رہی تھی

حکومت مسلم حقوق کے معاملے میں متذبذب

نئے وائسرائے ہند لارڈ ہارڈنگ کا خیال یہ معلوم ہوتا تھا کہ منٹو مارلے ریفارمز سے مسلمانوں کو جداگانہ انتخاب کا جو حق ملا ہے وہ ہندوؤں کے لئے مضر ہے مثلاً یہ پوچھا جانے لگا تھا کہ میونسپل بورڈوں میں مسلمانوں کو جداگانہ نیابت دینے کے کیا معنے ہوسکتے ہیں؟ جہاں تک صفائی، روشنی اور دیگر انتظامات شہر کا تعلق ہے سب ممبروں کو ان میں یکساں دلچسپی ہوگی خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان اس کے جواب میں مسلمان یہ کہتے تھے کہ اپنی مشکلات کو وہی شخص اچھی طرح سمجھ سکتا ہے جسے ان سے پالا پڑتا رہتا ہے۔ کیا اس قسم کی مثالیں موجود نہیں ہیں کہ پبلک مفاد کی آڑ میں میونسپلٹیوں نے ہمارے قبرستانوں کی زمینیں ہتھیالیں اور قانون حصول آراضی کے ماتحت سب سے پہلے مسلمانوں کی جائدادوں اور عمارات پر ہاتھ صاف کیا گیا؟ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ آبادی کے ان حصوں میں جہاں مسلمان بستے ہیں صفائی اور روشنی کے انتظامات اطمینان بخش نہیں ہوتے؟ کیا یہ غلط ہے کہ میونسپل اسکول عام طور پر شہروں کے ان حصوں میں بنائے جاتے ہیں جہاں ہندوؤں کی گنجان آبادی ہے؟ کیا گوشت کی دکانوں کو میونسپلٹی کی حدود سے زیادہ سے زیادہ دور کے فاصلہ پر پھینک کر مسلمانوں کو پریشان نہیں کیا جاتا؟ ان کا دعوےٰ تھا کہ یہ ان بہت سی شکایات میں سے چند شکایات ہیں جو لوکل بورڈوں میں مسلمانوں کو جداگانہ حق نیابت نہ ملنے سے پیدا ہوئی ہیں۔ وہ کہتے تھے کہ ان صوبوں میں جہاں مسلمان خاص طور پر دوسری قوموں سے پیچھے ہیں (جیسے بنگال) وہاں ڈسٹرکٹ اور میونسپل بورڈوں میں جداگانہ نیابت ملنے ہی سے ان کی شکایات کا ازالہ ممکن ہے۔ کیونکہ ان کے نمایندے مسلمانوں کے حقوق کی ترجمانی کرسکیں گے اور اگر اس طریقہ سے ان کے حقوق محفوظ نہ کئے گئے تو اور کسی دوسرے طریقے سے انصاف نہیں ہوسکتا۔ حکومت کے افسران کو نامزدگی کا

حق ضرور حاصل ہے۔ اور اس حق نامزدگی کا یہی مصرف ہے کہ جن جن قوموں کی نیابت میں کسر رہ جائے اسے افسران اس حق کے استعمال سے پورا کردیں مگر افسران اسے سوچ سمجھ کر کم ہی استعمال کرتے ہیں اور مسلمانوں کی شکایات باقی رہ جاتی ہیں۔ ہم برٹش ایمپائر (دولت برطانیہ) میں دوسرے شہریوں کے مساوی حقوق شہریت رکھتے ہیں۔ اس لئے اپنے حقوق کے لئے آواز اٹھانے کا پورا پورا حق رکھتے ہیں۔ گورنمنٹ آف انڈیا کو ہمارے دعوے کو تسلیم کرنا چاہئے۔

باب ۶

مسلمانوں میں سیاسی بیچینی کا آغاز

تقسیم بنگال اور جنگ طرابلس

نئی بیداری اور اس کے ترجمان

سنہ ۱۹۱۱ء شروع ہے، سیاسی اعتبار سے مسلمان روز بروز طاقتور ہوتے جا رہے ہیں مسلم لیگ ایک زبردست طاقتور ادارہ بن گئی ہے۔ تعلیم یافتہ نوجوان نسل جذبۂ عمل اور خدمتِ قوم کے ولولے سے سرشار ہو کر آگے بڑھ رہی ہے۔ مسلمانوں کا جوش و خروش روز روز بڑھتا جا رہا ہے۔ اب ان کی سیاسی بیداری روز افزوں ترقی پر ہے اور قوم راہ عمل میں قدم رکھکر سیاسی ترقی کی طرف بڑھنے کے لئے بے چین ہے۔ سیاست میں نرمی برتنے کا اصول ترک کیا جا رہا ہے۔ لچھے دار تقریروں اور تحریروں کی بجائے اب آتشین عمل کی ضرورت محسوس کی جانے لگی ہے۔ مسلمانوں کی سیاسی دنیا میں ایک تازہ روح پیدا ہو رہی ہے۔ گو کانگریس لیگ سے اتنی زیادہ پرانی ہے۔ مگر اس نے اس وقت تک اتنی ترقی نہیں کی جتنی لیگ نے صرف تین چار سال میں کر لی ہے۔ مسلمانوں میں نئی طاقتیں پیدا ہو چکی ہیں اور قوم کی آنکھیں ان کی طرف لگی ہوئی ہیں۔ ان نئی طاقتوں میں جو مسلمانوں کی ذہنی دنیا بدل رہی ہیں مولانا محمد علی اور ان کا انگریزی کا اخبار کامریڈ، ڈاکٹر سر محمد اقبال اور ان کی ہنگامہ آفریں

نظمیں، مولانا ابوالکلام آزاد اور ان کا اخبار الہلال اور مولانا ظفر علی خاں اور ان کا اخبار زمیندار وغیرہ بہت نمایاں ہیں۔

اخبار کامریڈ سے جو انگریزی زبان میں ہفتہ وار نکلتا تھا اور ۱۹۱۱ء ہی سے نکلنا شروع ہوا مسلمانوں کی ایک بڑی ضرورت پوری ہوئی کیونکہ اس سے پہلے مسلمانوں کے پاس کوئی ایسا وسیع الاشاعت اور ذی اثر اخبار نہ تھا جس سے رائے عامہ کو متاثر کیا جا سکے یا جس کے ذریعے سے حکمراں طبقے تک اپنی آواز پہنچائی جا سکے۔ کامریڈ مسلمانوں کا سیاسی ترجمان بن گیا۔ اس کے مالک اور ایڈیٹر مسٹر محمد علی نے جنہوں نے علیگڈھ کالج میں سرسید کے آغوشِ ترقی میں تربیت پائی تھی اور جو آکسفورڈ یونیورسٹی کے گریجویٹ تھے، لیگ کے حلقوں میں اپنی پر زور مدلل اور مرصع تقریروں سے پہلے ہی قابل توجہ تعارف حاصل کر لیا تھا۔ "کامریڈ" نکالنے کے بعد جب وہ میدان سیاست میں اترے اور اس کے صفحات پر اپنی بے نظیر ادبی و سیاسی قابلیت کے جوہر دکھائے تو یہ معلوم ہونے لگا کہ اب مسلمانوں کی سیاسی دنیا ایک نئے انداز سے تعمیر ہو رہی ہے۔ وہ ایک زبردست انشا پرداز اور نکتہ رس مدبّر ہی نہ تھے بلکہ انہیں خدمت اسلام کا جذبہ بھی تھا جس کی سوئیں پر جوش ذوق عمل سے جا ملتی تھیں۔ وہ بڑی بڑی تنخواہوں کے عہدوں کو ٹھکرا کر مسلمان قوم کی خدمت کا جذبہ لئے ہوئے میدان عمل میں اترے تھے۔

مسلمانوں کی دوسری زبردست سیاسی طاقت مولانا ابوالکلام آزاد تھے جو کلکتہ سے ایک بلند پایہ ہفتہ وار اردو اخبار الہلال نکالتے تھے۔ مولانا ابوالکلام مستند عالم دین اور کامل فن انشا پرداز تھے۔ مذہب کے ساتھ ادب و انشا کی چاشنی نے انہیں ایک بے پناہ جادو اثر شخصیت کا مالک بنا دیا تھا۔ ان کا قلم بہت بیباک تھا اور مسلمانوں کی رگ حمیت اور احساس کو چھیڑتے وقت وہ نشتر بن جاتا تھا۔ ان کی تحریروں میں درد اور اثر ہوتا تھا۔ جنگ بلقان کے زمانے میں جس کا ذکر آگے آئیگا ان کی تحریروں نے ہندوستان کو ہلا ہلا دیا۔ ان کی آواز دلوں کو جھنجھوڑنے کی طاقت رکھتی تھی۔

شاہی دربار اور تقسیم بنگال کی منسوخی | ۱۹۱۱ء کی ہندوستانی سیاسیات کی ابتدا

شہنشاہ جارج پنجم کے دربار تاجپوشی سے ہوتی ہے۔ انھوں نے دہلی تشریف لاکر نطق شاہانہ سے ایک اعلان کیا جس نے ہندوستان کے سیاسی حالات پر کئی پہلو سے دور رس اور گہرا اثر ڈالا۔ شاہی اعلان سے تقسیم بنگال کے احکامات واپس لے لئے گئے جس کے لئے بنگالی ہندو خصوصاً اور ہندوستان بھر کے ہندو عموماً ۱۹۰۶ء سے ایجی ٹیشن کر رہے تھے۔ ہندوؤں میں اس سے خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ کانگریس کے لیڈروں نے فصیح و بلیغ تقریروں اور بیانات کے ذریعے سے حکومت برطانیہ کے اس احسان کا شکریہ ادا کیا۔ مسٹر امبکا چرن موزمدار اس دور کے نمایاں ترین کانگریسی لیڈروں میں سے تھے۔ انھوں نے تو یہاں تک کہا کہ ہم میں سے ہر شخص کا دل تاج برطانیہ کی وفاداری کے جذبہ سے مست ہو کر رقص کر رہا ہے اور ہم میں سے اکثر تو کبھی برطانیہ کی طرف سے مایوس ہوئے ہی نہیں تھے۔

مسلمانوں میں بے چینی

مسلمانوں کو اس فوری جھٹکے سے بڑی زبردست تکلیف محسوس ہوئی جس میں تعجب اور بے چینی کے جذبات بھی شامل تھے۔ انھوں نے گورنمنٹ سے یہ درخواست نہیں کی تھی کہ مشرقی بنگال کو ایک جداگانہ صوبہ بنا دیا جائے۔ نہ انہوں نے تقسیم بنگال کیلئے کوئی ایجی ٹیشن کیا تھا۔ (گو اس سے انہیں مشرقی بنگال میں ترقی کے مواقع حاصل ہو گئے تھے۔ اسی لئے انہوں نے ہندوؤں سے بگاڑ کر حکومت کے خلاف کئے جانے والے ایجی ٹیشن میں شرکت نہیں کی تھی) حکومت نے خود ہی انہیں یہ یقین دلایا تھا کہ تقسیم بنگال مسلمانوں کے فائدے کو سامنے رکھکر کی گئی ہے اور حکومت اسے کبھی بھی منسوخ نہیں کرے گی۔ لارڈ کرزن خود ڈھاکہ پہنچے تھے اور وہاں انہوں نے مسلمانوں کو سمجھایا تھا کہ اس تقسیم سے جو ایک جداگانہ اسلامی صوبہ بن گیا ہے وہ قائم رکھا جائے گا۔ یہ کہکر اس میں تمہارا ہی فائدہ ہے مشرقی بنگال کے مسلمانوں سے مغربی بنگال والوں کے خلاف کام بھی لیا گیا تھا۔ مسلمانوں نے دیکھا کہ یہ وعدے نبھانے کا انوکھا طریقہ ہے کہ جب ایجی ٹیشن برداشت نہ ہوا تو خود گورنمنٹ نے ایجی ٹیشن کرنے والے بنگالی ہندوؤں سے فوراً صلح کر لی اور مشرقی بنگال کے مسلمانوں کو ان ہی لوگوں کے رحم و کرم پر

چھوڑ دیا جن کے خلاف انہیں استعمال کیا تھا۔

منسوخی تقسیم بنگال سے مسلمانوں میں یہ احساس پیدا ہوا کہ انگریزوں کے وعدوں پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ وہ صرف طاقت اور ایجی ٹیشن کے آگے جھکتے ہیں۔ اب مسلمانوں کو کسی غیر طاقت پر بھروسہ نہ کرتے ہوئے اللہ کا نام لے کر خود اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا چاہیئے۔

اس بےچینی میں طرابلس اور ایران کے سانحوں سے مزید اضافہ ہوا۔

عالمِ اسلام کی سیاسی حالت

اس وقت مسلمان تمام دنیا میں اپنی زندگی کے زبردست ترین طوفان انگیز دور سے گذر رہے تھے۔ آنے والے تاریخی اہمیت کے سانحے ان کے سامنے اپنا سایہ ڈال رہے تھے۔ اور تمام اسلامی دنیا انتظار و توقع کے پنجوں پر اچک اچک کر حالات کی دیوار کے اس طرف یہ دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ زمانہ مستقبل کی جھولی میں ہمارے لئے کیا لا رہا ہے۔ انسانی آنکھ نوشتۂ تقدیر کو پڑھنے میں بہت کمزور رکھی گئی ہے۔ مگر یہ صاف دکھائی دے رہا تھا کہ اسلامی حکومتوں کی پراگندہ اور غیر منظم حالت کو یورپ کی حکومتیں للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی ہیں اور وہ ان کی کمزوری سے فائدہ اٹھانے کی فکر میں ہیں بہت جلد یہ ظاہر بھی ہو گیا کہ انکے ارادے کیا ہیں۔

اٹلی کی طرابلس پر چڑھائی

اٹلی نے ٹرکی کے ایک مقبوضے طرابلس پر اس بہانے سے یورش کر دی کہ طرابلس کے اٹالین باشندوں کے ساتھ ترک نامناسب سلوک کرتے ہیں۔ اٹلی کا یہ حملہ بالکل غیر حق بجانب اور بین الاقوامی قانون کی شدید خلاف ورزی تھا۔ اگر ترکی حکومت طرابلسی اٹالینوں کی بے انتہا قلیل تعداد پر ظلم کر رہی تھی تو اٹلی کو بین الاقوامی ضابطے کی اس خلاف ورزی کے خلاف سختی سے احتجاج کرنا چاہیئے تھا اور اگر مظالم اتنے شدید تھے کہ احتجاج کافی نہیں تھا تو اسے ٹرکی سے یہ مطالبہ کرنا چاہیئے تھا کہ طرابلس کے اٹالینوں کو ہمارے حوالے کر دیا جائے اور ان کے نقصانات کا ہرجانہ ادا کیا جائے۔ مگر اس نے ایک خود مختار حکومت کے اندرونی انتظام میں مسلح مداخلت کی

اور طرابلس پر فوج کشی کر دی کیونکہ اسے یورپ کی دوسری استعمار پرست حکومتوں کے ارادوں اور ترکوں کی اندرونی انتظامی کمزوری کا علم تھا۔ اٹلی کے اس لٹیرے پن کے مظاہرے سے ڈپلومیسی کا وہ باریک نقاب اس کے چہرے سے اتر گیا جس سے اس نے اپنے لوٹ کے منصوبوں کو ڈھانپ رکھا تھا۔ یوروپ کی مہذب بربریت بالکل عریاں ہو گئی اور اس کے جسم کے مادی ہوس اور مجرمانہ استحصال بالجبر کے گھناؤنے داغ بالکل صاف صاف نظر آنے لگے۔

مسلم لیگ میدانِ عمل میں

مسلمانانِ ہند کے دلوں میں بے چینی کی آگ بھڑک اٹھی۔ وہ اسلام کے عالمگیر رشتۂ اخوت کی وجہ سے ترکوں سے ہمدردی رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ ترکوں کا سلطان مسلمانوں کا خلیفہ اور مسلمانوں کے مقاماتِ مقدسہ کا محافظ بھی تھا۔

یوروپ کی ایک حکومت کا اس کی مملکت پر اس قدر دیدہ دلیری کیساتھ جھپٹا مارنا تمام دنیائے اسلام کے دلوں پر جو خلیفۃ المسلمین کے احترام و عقیدت سے لبریز تھے، ایک تیز نشتر چبھونے کے برابر تھا۔ ترکوں پر اس دست درازی سے سارے اسلامی ہند میں ہلچل مچ گئی تھی۔ ہر مسلمان کا دل ترکوں کے لئے دردمند اور اس کی زبان خلافت اسلامیہ کے نگہبانوں کیلئے مصروفِ دعا تھی۔ مسلمان قوم کے بچے جوان اور بوڑھے سبھی بے چین و مضطرب تھے۔ ان میں شدید جوش نمودار ہو گیا۔ اٹالینوں کے ہاتھوں ترکوں پر ہونے والے مظالم کی ہر تازہ خبر مسلمانوں کے دلوں میں غصے و نفرت کی ایک برقی لہر دوڑاتی تھی۔ آل انڈیا مسلم لیگ نے فوراً گورنمنٹ آف انڈیا کو متنبہ کیا کہ وہ برطانیہ کے دفتر خارجہ سے درخواست کرے کہ اٹلی پر اس کی روش کی برائی ظاہر کر دی جائے۔ اسی کے ساتھ ساتھ ہندوستان میں مسلمانوں نے اٹلی کی بنی ہوئی چیزوں کا بائیکاٹ بھی شروع کر دیا۔

مسلمانانِ ہند کی برطانیہ سے توقعات اور مایوسی

مسلمانوں کو برطانیہ سے یہ توقع تھی کہ چونکہ اس کی سلطنت میں سب سے زیادہ تعداد میں مسلمان بستے ہیں، ان کے جذبات و احساسات کا لحاظ رکھتے ہوئے برطانوی کابینہ

اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرے گا۔ اور اٹلی اور ترکی میں کوئی ایسا سمجھوتہ کرا دیگا جو دونوں کو قبول ہو اور اس کی ہمدردیاں ترکوں کے ساتھ ہوں گی مگر برطانیہ نے عجیب طرزِ عمل اختیار کیا۔ جب مصر کے راستے سے ترک اپنے صوبے کی مدافعت کے لئے سپاہ اور سامان رسد بھیجنے لگے تو برطانیہ نے انہیں ایسا کرنے کی اجازت نہیں دی۔

انگلستان کی پالیسی پہلے ہی سے ترکوں کے خلاف تھی۔ وہ خود ترکوں سے دوستی ہی میں مصر کھا چکا تھا۔ اور ۱۸۷۸ء کی روس اور ترکی کی جنگ میں معاہدۂ اسٹیفانو کے وقت معاہدے کی شرطوں کو ترکوں کے لئے نرم کرانے کے معاوضہ کے بہانے سے جزیرہ قبرص جیسا اہم جزیرہ دبا بیٹھا تھا۔ اسی طرح جب عہد نامہ برلن ہوا تھا اور اٹلی کے وزیر اعظم نے انگلستان کے وزیر اعظم کو لکھا تھا کہ طرابلس پر اٹلی کا قبضہ ہونا چاہئیے تو انگلستان کے وزیر اعظم نے یہ جواب دیا تھا کہ اس وقت موقع نہیں۔ ہرن کا تعاقب اس وقت کرنا چاہئیے جب وہ زخمی یا لنگڑا ہو جائے اب اٹلی ترکی کے لنگڑے ہرن کا صرف تعاقب نہیں کر رہا تھا بلکہ اس کے جسم کا ایک ضروری عضو کاٹ رہا تھا جس سے بحیرۂ روم میں ترکی کے اقتدار پر کاری ضرب لگتی تھی اور انگلستان اس کے لئے تیار نہ تھا کہ زخمی ہرن کو بچانے کیلئے کوئی مصر کی سرزمین سے گذرے۔ یہ وہی مصر تھا جو کبھی ترکوں کی ملکیت تھا اور انگلستان اور ترکی سلطنت کی دوستی کے دور میں اس کے ہاتھ سے نکل کر انگلستان کے ہاتھوں میں چلا گیا تھا۔

روس کے گولے مشہد مقدس پر

ایران میں روس کے مظالم سے بھی مسلمانانِ ہند کو پریشانی ہوئی۔ ترک پھر کچھ نہ کچھ طاقتور تھے۔ مگر ایران تو روس کی حکومت کے مقابلہ میں بالکل ہی کمزور تھا۔ شخصی حکومت کا خاتمہ ہونے کے بعد سے دستوری بادشاہ محمد علی شاہ کا عہد حکومت ایران پر بہت ہی بُرا گذرا کیونکہ اس دور میں ملک کی حالت روز بروز ابتر ہوتی گئی۔ ایرانیوں کی کمزوریوں اور ان کے زوال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے روس نے اپنے پنجہ استبداد کو ان کے گلوں پر اور بھی زیادہ کسنا شروع کر دیا تھا انگلستان چاہتا تو روس کو اس روش سے باز رکھ سکتا تھا۔ مگر انگلستان کے اس دور کے وزیر خارجہ

سر ایڈورڈ گرے کو یہ خارشہ تھا کہ کہیں روس ناراض ہو کر جرمنی کی گود میں نہ جا بیٹھے کیونکہ جرمنی برطانیہ کے حریف کی حیثیت سے روز بروز ہاتھ پاؤں نکالتا جا رہا تھا اور برطانیہ روس کو خوش کرکے اسے جرمنی سے نہ ملنے دینے کی پالیسی پر عمل پیرا ہو چکا تھا۔

مسلمانان ہند برطانیہ پر تکیہ وفاداری کئے بیٹھے تھے۔ مگر جب انہوں نے دیکھا کہ برطانیہ کی پالیسی اس معاملے میں بہت ہی گول مول ہے اور ایران کو ایشیا کے نقشہ سے مٹا دینے کی تیاریاں ہیں تو وہ بیچین ہو کر تڑپ اٹھے۔ کھلم کھلا ظلم ہو رہا تھا اور انگلستان جس کی رعایا میں مسلمانوں کا اتنا بڑا حصہ تھا اپنے دہن سیاست پر ڈپلومیسی کی مہر خاموشی لگائے بیٹھا تھا۔ روسی شمالی ایران میں مسلمانوں کو گاجر مولی کی طرح ذبح کر رہے تھے۔ انہوں نے مشہد مقدس تک پر گولہ باری کی۔ ادب اور معاشرت کے اعتبار سے ہندوستان اور ایران کے مسلمانوں میں بہت بڑی حد تک یکرنگی ہے۔ فارسی زبان مسلمانوں کی محبوب و مرغوب زبان ہے۔ ایران کے کلچر سے اثرات کے بیج لیکر ہندوستان کے مسلمانوں نے اپنی تہذیب و معاشرت کے گلستان کو سجایا ہے۔ پھر ایرانی دینی بھائی بھی ہیں۔

ترکوں اور ایرانیوں پر دو سفید فام حکومتوں کی ان دراز دستیوں اور مظالم سے مسلمان بہت بے چین ہوئے۔

سنہ ۱۹۱۱ء کے بعض دیگر اہم واقعات
تحریک مسلم یونیورسٹی

دلی دربار، تقسیم بنگال، اٹلی کے طرابلس پر حملے، روس کے ایران میں مظالم کے علاوہ اس سال بعض دیگر اہم اور دور رس نتائج رکھنے والے واقعات بھی ظہور میں آئے۔

ملک معظم نے تعلیم عوام کیلئے ہندوستان کو پچاس لاکھ روپے کا عطیہ دیا۔ بہار اڑیسہ اور چھوٹا ناگپور کو ملا کر ایک نیا صوبہ بنایا گیا۔ دار الخلافہ کلکتے سے دہلی منتقل کر دیا گیا۔ علیگڈھ کالج اور بنارس کے ہندو کالج کو مسلم یونیورسٹی اور ہندو یونیورسٹی بنائے جانے کے لئے ایک ساتھ پر جوش تحریکیں اٹھیں۔ ان کے رہبر سر آغا خاں اور مہاراجہ دربھنگہ تھے۔ اول

اول یہ اندیشہ تھا کہ اس سے ہندو مسلم اختلافات بڑھیں گے مگر تحریک کے سرگردہ افراد کے صلح جویانہ طرزِ عمل سے ایسا نہیں ہوا۔ مسلم یونیورسٹی کا تصور پیدا تو سرسید ہی کے دماغ میں ہوا تھا مگر یونیورسٹی کی تحریک کو اٹھانے کا سہرا سر آغا خاں کے سر بندھا جنہوں نے دسمبر ۱۹۱۰ء میں ولایت سے واپس آنے کے بعد مسلمان قوم سے اپیل کی کہ ہندوستانی مسلمانوں کی نجات اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے میں ہے۔ اس لئے ان کی اپنی ایک یونیورسٹی ہونی چاہئے۔ اس اپیل کا قوم نے بڑی سرگرمی سے خیر مقدم کیا۔ کلکتہ میں تحریک کا آغاز ہوا اور جب سر آغا خاں مسلم یونیورسٹی فنڈ کے لئے کلکتہ سے لاہور کی جانب روانہ ہوئے تو ہر جگہ ان کا شاہانہ استقبال کیا گیا اور روپیہ برسنے لگا۔ مارچ ۱۹۱۱ء میں ہز ہائینس انگلستان واپس گئے۔ اس وقت تک مسلم یونیورسٹی فنڈ میں پچیس لاکھ روپیہ جمع ہو چکا تھا۔ مسلمانوں کا اس سال کا تمام وقت یونیورسٹی کی تحریک ہی نے لے لیا۔ اور مسلم لیگ کے کارکن اس تحریک میں پیش پیش ہونے کی وجہ سے لیگ کے معاملات کی طرف کوئی توجہ نہ کر سکے۔

سرکاری ملازمتوں اور جداگانہ نیابت پر مسلمانوں کا اصرار

تحریک یونیورسٹی اور دیگر امور نے مسلم لیگ کے کارکنوں کو اپنے اندر الجھا رکھا تھا۔ مگر سرکاری ملازمتوں اور جداگانہ نیابت کے سلسلے میں لیگ برابر کام کرتی رہی۔ لیگ کے گذشتہ اجلاس میں اس مسئلے پر جو تجویز منظور ہوئی تھی اسے ایک پرزور خط کے ہمراہ لارڈ ہارڈنگ کی حکومت تک پہنچایا گیا اور اسے صوبوں کی حکومتوں کے غیر ہمدردانہ رویئے اور مسلمانوں کی دشواریوں سے باخبر کیا گیا تاکہ نقصانات کی تلافی ہو۔ حکومت نے لارڈ منٹو کی حکومت کے وعدوں کی تصدیق کی اور یہ صلاح دی کہ مسلم لیگ صوبوں کی حکومتوں کو آگاہ کر کے نقصانات کا ازالہ کرائے۔ چنانچہ مسلم لیگ نے صوبوں کی حکومتوں کو اس سے مطلع کیا۔

مگر اس قسم کی کارروائیوں سے زبانی اعتراف کے سوا اور کچھ فائدہ نہ تھا۔ دیکھ کر مسلم لیگ نے ایک ملازمت دلوانے والا محکمہ کھولا۔ اور حکام پر مسلمانوں کو ملازمتیں دینے کے لئے مختلف

طریقوں سے زور ڈالا - لارڈ ہارڈنگ کا یہ خیال تھا کہ میونسپل کمیٹیوں اور ڈسٹرکٹ بورڈوں میں جداگانہ نیابت کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ وہاں مفاد مشترک ہوتا ہے مگر مسلمانوں نے بتایا کہ بعض مفادات ایسے ہیں جن کا تعلق صرف مسلمانوں سے ہے اور غیر مسلم خواہ وہ کیسے ہی معقولیت پسند ہوں، ان مفادات کا تحفظ صحیح طور پر نہیں کر سکتے۔ اس لئے میونسپلٹیوں اور ڈسٹرکٹ بورڈوں میں بھی جداگانہ نیابت ہونی چاہئے۔ اور ہر جگہ مسلم لیگ کی شاخوں نے اس پر ایجی ٹیشن کیا۔

مسٹر گوکھلے کا ابتدائی تعلیم کا بل اور مسلم لیگ کی تائید

لیگ کے ناگپور کے اجلاس میں آنریبل مسٹر فضل بھائی نے ابتدائی تعلیم کو مفت اور لازمی کر دینے کی تجویز کی تھی جب مسٹر گوکھلے نے اسی موضوع پر کونسل میں ایک مسودۂ قانون پیش کیا تو مسلم لیگ نے اس کی بڑی زبردست تائید کی مگر مذہبی تعلیم، اردو زبان اور سکولوں کے انتظامی بورڈوں میں مسلمان ممبر لئے جانے پر بھی زور دیا۔

اسلامی اوقاف کا مسئلہ

اسلامی اوقاف کے بارے میں حالات معلوم کرنے کیلئے سرکاری تحقیقاتی کمیٹی مقرر کرانے کے لئے لیگ نے اس سال بھی بڑی کوشش کی مگر حکومت اس پر راضی نہ ہوئی۔ البتہ وقف علی الاولاد کے معاملے میں لیگ کی کوششیں زیادہ پروان چڑھیں۔ آنریبل مسٹر جناح نے اس سلسلے میں جو مسودۂ قانون شاہی کونسل میں پیش کیا اس کی حکومت نے کوئی مخالفت نہیں کی اور ہندو ممبروں نے کھلے دل سے اس کی تائید کی جس کے لئے مسلمان ان کے بہت ممنون ہوئے۔ مسلم لیگ نے مسٹر جناح کے مسودۂ قانون کی تائید میں فضا پیدا کرنے کے لئے زبردست ایجی ٹیشن کیا اس کام میں ندوۃ العلماء سے اسے بڑی مدد ملی جس کے سکرٹری مشہور مورخ علامہ شبلی نعمانی تھے۔ مسودہ قانون سلیکٹ (چیدہ) کمیٹی کے سپرد ہو گیا۔

لیگ میں مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی دلچسپی

سنہ ۱۹۱۱ء میں لیگ کی مقبولیت بہت کافی بڑھ گئی۔ ناگپور کے سالانہ اجلاس کی کارروائی نہایت شاندار طریقے سے اردو انگریزی میں ایک مجلد کتاب کی شکل میں شائع کی گئی۔ ملک نے یہ کتاب ہاتھوں ہاتھ لی۔ لیگ کے ممبروں کی تعداد میں معقول اضافہ ہوا۔ بنگال اور یو۔پی میں لیگ خاص طور پر بہت مقبول ہوئی۔ لیگ کی کونسل کے اس سال آٹھ جلسے ہوئے حالانکہ لیگ والے تحریک مسلم یونیورسٹی میں بہت مصروف تھے۔ ان میں سے صرف ایک جلسہ کورم پورا ہونے کی وجہ سے ملتوی کیا گیا ورنہ ہر جلسے میں ممبران شوق اور سرگرمی سے شریک ہوئے۔ ۲۸ اگست سنہ ۱۹۱۱ء کو مسٹر گوکھلے کے تعلیمی بل پر غور کرنے کے لئے کونسل کا جو جلسہ ہوا اس میں تو اتنے ممبران موجود تھے کہ اس سے پہلے کونسل کے کسی جلسے میں اتنے زیادہ ممبران آئے ہی نہیں تھے۔ ہندوستان کے ہر گوشے حتیٰ کہ برما تک سے لوگ آئے۔

مسلم لیگ کا پانچواں سالانہ اجلاس سنہ ۱۹۱۲ء

۳ اور ۴ مارچ سنہ ۱۹۱۲ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس کلکتہ کے ٹاؤن ہال میں ہوا۔ اس اجلاس کیلئے نواب بہادر ڈھاکہ کو صدر منتخب کیا گیا تھا۔ دارالخلافے کے وہاں منتقل کئے جانے، تقسیم بنگال کی منسوخی اور مسلمانوں پر اس کے رنجیدہ اثرات، عالم اسلام میں ترکوں اور ایرانیوں کے مصائب اور ان پر مسلمانوں کی بے چینی کی وجہ سے یہ اجلاس خاص اہمیت کا اجتماع بن گیا تھا چنانچہ ملک کے ہر حصے سے مسلم لیگ کے تقریباً سبھی ممبر شرکت کے لئے آئے تھے اور تماشائیوں کا بے انتہا ہجوم بھی اجلاس کی فضا کو بارونق بنائے ہوئے تھا۔ ہندوستان کے ہر صوبے کے سربرآوردہ مسلمان موجود تھے۔

مسٹر جناح بحیثیت مہمان لیگ میں

بمبئی کے نامور بیرسٹر مسٹر ایم۔ اے جناح اس اجلاس میں بحیثیت وزیٹر شریک ہوئے۔ اس وقت تک آپ لیگ کے ممبر نہیں تھے۔ البتہ سنہ ۱۹۰۶ء سے کانگریس میں بڑی سرگرمی سے حصہ لے رہے تھے۔ وہاں پہلے ہی سال آپ نے وقف علی الاولاد کے قانون کی ضرورت پر

ایک معرکہ آرا تقریر کی تھی۔ اور اسی وقت سے آپ کی سیاسی دلچسپیاں برابر بڑھ رہی تھیں۔ ۱۹۱۰ء کی اتحاد کانفرنس الہ آباد میں بھی آپ شریک ہوئے تھے۔ اس کانفرنس میں ہندو مسلم اتحاد کے وسائل پر جو بحثیں ہوئی تھیں ہوئی تھیں ان میں آپ نے بہت نمایاں حصہ لیا تھا۔

نواب بہادر ڈھاکہ کا خطبۂ صدارت
تقسیم بنگال پر نکتہ چینی

صاحب صدر نے خطبۂ صدارت میں تمہیدی الفاظ کے فوراً بعد ملک معظم کے ورود ہندوستان کا ذکر کر کے منسوخیٔ تقسیم بنگال پر نکتہ چینی کی۔ آپ نے کہا "تقسیم بنگال کو ہم نے اپنے ہر دکھ کا تنہا علاج تو نہیں سمجھا تھا مگر اس سے مشرقی بنگال کے مسلمانوں میں زندگی ضرور پیدا ہو گئی تھی۔ ہمارے بدخواہوں نے یہ تاڑ لیا کہ تقسیم بنگال سے مشرقی بنگال کے مسلمانوں کے ایک عرصہ سے محروم توجہ مطالبات ضروری طور پر سامنے آجائیں گے۔ ہمیں اس سے زیادہ کچھ نہیں ملا جتنا حق سے ہمارا تھا مگر یہی تھوڑا بہت جو ہمیں ملا ان کے لئے ایک بڑا نقصان تھا۔ بنگال کے ہندوؤں نے ایجی ٹیشن کیا اور وجہ یہ ظاہر کی کہ بنگالیوں کو دو مختلف نظامہائے حکومت کے ماتحت رکھ کر ان کے جذبات کو پامال کیا گیا ہے۔ ایجی ٹیٹروں نے مسلمانوں کو ملانے کی ہر ممکن کوشش کی مگر ناکام رہے۔ بنگالی زمینداروں وکیلوں اور مہاجنوں کے ہاتھوں میں ہونے کی وجہ سے مسلمان کتنے بے بس تھے مگر انہوں نے ضابطہ و قانون کی طرفداری کرنے میں بنگالی ہندوؤں سے بگاڑ کر اتنی زبردست قربانی کی کہ ایجی ٹیشن میں شامل نہ ہوئے۔ دفعتاً حکومت نے تقسیم بنگال کو منسوخ کر دیا۔ وہ کہہ تو یہی رہی ہے کہ انتظامی ضرورتوں کی بنا پر ایسا ہوا ہے مگر دستوری کشمکش سے ناآشنا عوام اس سے یہی سمجھے کہ حکومت ہار گئی۔ اس سے حکومت کے وقار کو سخت دھکا لگا ہے۔ اور اسی پر بس نہیں بلکہ عوام پر یہ اثر بھی ہوا ہے کہ سازش اور بغاوت سے حکومت تک جھک سکتی ہے۔ مشرقی بنگال میں بسنے والے مسلمانوں کیلئے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی بہتری کے ان شاندار امکانات سے محروم کر دیئے گئے جو تقسیم سے حاصل ہوئے تھے۔ مگر اس نقصان سے زیادہ ہمیں اس طریقے پر افسوس ہے

جس سے تقسیم بنگال کو منسوخ کیا گیا ہے۔ نہ تو ہمیں متنبہ کیا گیا، نہ ہم سے صلاح لی گئی"۔

ڈھاکہ یونیورسٹی کے قیام کی تجویز

ڈھاکہ میں یونیورسٹی قائم کرنے کی تجویز کی بنگالی ہندوؤں کی طرف سے مخالفت ہو رہی تھی اور کہا جا رہا تھا کہ اس سے بنگالیوں کو زبان کے اعتبار سے تقسیم کیا جائے گا۔ آپ نے اس پر کہا مسلمان اس تجویز کا خیر مقدم اس لئے نہیں کر رہے ہیں کہ یہ صرف ان کے لئے ہوگی یا اس سے ہندو بھائیوں کو نقصان پہنچے گا بلکہ اس سے مشرقی بنگال تعلیم کے میدان میں سارے ہندوستان سے آگے بڑھ جائے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مشرقی بنگال کو کوئی فائدہ پہنچے کا مطلب یہ بھی ہے کہ وہاں کے ۲۰ ملین باشندوں کو فائدہ ہوگا جو مسلمان ہیں مگر صرف اس بنا پر کہ بعض ہندو سیاستداں مشرقی بنگال کی سرزمین پر ۲۰ ملین مسلمانوں کی آبادی ہونے کے گناہ کی پاداش میں اسے ہمیشہ کیلئے معتوب کر کے جہنم میں تبدیل کرنا چاہتے ہیں ان کے تصورات کو بہلانے کے لئے مسلمان اس سرزمین سے، جو ان کی جنم بھومی ہے، اپنا بوریا بندھنا باندھ کر رخصت تو نہیں ہو سکتے بلکہ مسلمانوں کو اس یونیورسٹی سے صحیح معنوں میں فائدہ اس وقت پہنچے گا جب انہیں خاص رعایتیں دینے کے لئے فنڈ ہو کیونکہ مسلمان غریب ہیں۔

جداگانہ یا فرقہ دار نیابت کیوں ضروری ہے

فرقہ دار نیابت پر دوسری قوموں کی طرف سے جو اعتراضات کئے جا رہے تھے ان کے نواب بہادر نے مفصل جوابات دیئے۔ انہوں نے کہا۔ "کہا جاتا ہے کہ فرقوں اور مذہبوں کی بنا پر ہونے والا جداگانہ انتخاب برٹش ایمپائر میں اور کسی جگہ نہیں پایا جاتا اور اس سے ہندوستان میں نااتفاقی کا ایک نیا عنصر داخل ہوگا۔ مگر یہ بات ہندوستان پر پوری نہیں اترتی کیونکہ جو حالات ہندوستان میں پائے جاتے ہیں وہ بھی تو ایمپائر کے کسی اور حصے میں نہیں پائے جاتے۔ ہندوستان کو خیالی اصولوں کی بجائے اسی کے حالات سے جانچنا چاہیئے۔ جہاں تک جداگانہ انتخاب سے نااتفاقی پیدا ہونے کا سوال ہے واقعات اس کے بالکل برعکس ثابت کر رہے ہیں۔ مخلوط انتخابات میں خون خرابے تک کی نوبت پہنچ چکی ہے

کیونکہ ہندو اپنے رسوخ اور دولت کو جب مسلمانوں سے اپنے خاص آدمی کے حق میں ووٹ لینے کے لئے استعمال کرکے ان پر زور ڈالتے ہیں تو فریق مخالف کو مذہب کو درمیان میں لانا پڑتا ہے اور اس کا نتیجہ فساد ہوتا ہے۔ لوکل ڈسٹرکٹ بورڈوں میں جداگانہ نیابت کی ضرورت اسلئے ہے کہ یہ ادارے لوکل سیلف گورنمنٹ کی ابتدائی سیڑھیاں ہیں اور انہی کے ہاتھوں میں تعلیم صفائی اور دیگر اہم مقامی کام ہوتے ہیں۔"

مسٹر محمد علی اور ان کے اخبار کامریڈ کا تعارف

صدر مجلس استقبالیہ نے اس اجلاس میں اپنے خطبۂ صدارت کے انجام پر مسلمان اخبارات کی کمی اور اس کے پالیٹکس پر مضر اثرات کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا کہ ایک سال کے اندر اندر اردو انگریزی زبانوں میں جتنے اخبارات جاری ہوئے ہیں انہیں کامریڈ بہت اہم ہے جس کی ادارت لیگ کے ایک نمایاں ممبر مسٹر محمد علی بی۔اے۔ آکسن کر رہے ہیں۔ آپ نہ صرف انگریزی زبان کے ایک صاحب طرز انشاپرداز ہیں بلکہ ایک بالغ نظر سیاستدان بھی ہیں۔ یہ اخبار بڑی قابلیت سے مرتب کیا جاتا ہے اور دوسروں کے حقوق پر کسی قسم کا کوئی حملہ کئے بغیر مسلمانوں کے حقوق کی کامیابی کے ساتھ وکالت کرتا ہے۔

اہم ترین مسائل وقت پر بحث

صدر کے خطبے کے بعد اہم ترین مسائل وقت پر بحث ہوئی ابتدائی رسمی تجویزوں کے بعد جن کا تعلق ملک معظم کے ورود ہند پر اظہار مسرت اور ڈاکٹر سید علی بلگرامی کی وفات پر اظہار ملال سے تھا مسٹر محمد علی نے ان مظالم کے خلاف ایک تجویز پیش کی جو برطانوی نوآبادیوں میں گئے ہوئے ہندوستانیوں پر سفید فام قوموں کے ہاتھوں ان کے شہری حقوق غصب کرنے کے سلسلے میں ہو رہے تھے۔ اس ریزولیوشن سے ہوا کا رخ معلوم ہوتا تھا کہ اب لیگ کس حد تک آگے بڑھ چکی ہے۔ ان مقامات پر ہندوستانیوں کو شہر کے ان حصوں میں نہیں رہنے دیا جاتا تھا جہاں یوروپین آبادیاں تھیں۔ انہیں بازاروں میں نہیں گھسنے دیا جاتا تھا اور ادنیٰ درجے کے کام ان سے لیتے تھے۔ اور یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ ہندوستانی سیاہ فام اور غلام تھے۔ مسٹر محمد علی نے

اپنی تجویز میں اس طرزِ عمل کے خلاف پُرزور احتجاج کیا۔ اس کے بعد کی دو تجویزیں شامل ہیں ہندوستانی مزدوروں اور سول سروس میں عمر کے تعین سے متعلق تھیں۔ دوسرے دن کی اہم ترین تجویز منسوخیٔ تقسیم بنگال پر مسلمانوں کے رنج اور مایوسی کے اظہار کی تھی جسے مسٹر محمد علی نے پیش کیا۔

منسوخیٔ تقسیم بنگال پر مولانا محمد علی کی پُرزور تقریر

مولانا محمد علی مالک و ایڈیٹر اخبار کامریڈ نے اپنی تقریر شروع کرتے ہوئے کہا "تجویز پر بحث شروع کرنے سے قبل میں بتا دینا چاہتا ہوں کہ بنگال کا باشندہ نہیں ہوں اور یہ بات بڑی عجوبہ معلوم ہوگی کہ سب لوگوں میں سے میں ہی اس تجویز کو پیش کرنے کے لئے کھڑا ہوا ہوں۔ مگر یہ بیان کر دینا چاہتا ہوں کہ اس لیگ کے دستور اساسی کے مطابق ہندوستان بھر کے مسلمانوں کے مفاد یکساں ہیں۔ ہم مختلف صوبوں کو مختلف ٹکڑوں کی طرح کاٹ ڈالے جانے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ اگر ہماری قوم کا ایک حصّہ مصیبت میں ہو تو دوسرے حصّے کو ضرور اس کی مدد کو پہنچنا چاہیئے۔ جب تقسیم بنگال کا اعلان ہوا تھا تو صوبائی سوال ہونے کے باوجود ہندوستان کی سب قوموں نے اس کی طرف توجہ کی تھی۔ اب اس کی منسوخی سے مایوسی اور پچھتاوا محسوس کیا جائے گا۔ کوئی شخص یہ بات کبھی بھی خیال میں نہیں لا سکتا کہ ایک ایسا صوبہ جس میں ۸۰ ملین انسان بستے ہوں ایک نظام حکومت کے ماتحت رہ سکتا ہے۔ میں اس وقت اس مسئلے پر زیادہ کچھ بولنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ لیکن ایسی حالت میں جبکہ ہم سال میں صرف ایک مرتبہ ملتے ہیں یہ ہمارا فرض ہے کہ ان معاملات کے بارے میں اپنی رائے ظاہر کریں جن پر ہمیں مایوسی اور ملال ہو۔ بہر حال اب تقسیم کو منسوخ کر دیا گیا ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک غلطی کی گئی ہے۔ اس میں مسلمانوں کو کچھ ملتا یا ہندو کو کچھ ملتا لیکن بہر صورت جب ایک مرتبہ یہ عمل میں آ چکی تھی تو اب اس کی منسوخی ہونی نہ چاہیئے تھی۔ ہم وہ قوم ہیں کہ باتوں کو محسوس تو کرتے ہیں مگر اس قسم کا ایجی ٹیشن کرنا پسند نہیں کرتے جیسا کہ تقسیم کے وقت اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ حضرات میں سمجھتا ہوں کہ میرے دل میں ملک معظم کا احترام ان کی رعایا کے

کسی دوسرے فرد سے کچھ کم نہیں ہے۔ گورنمنٹ آف انڈیا پارلیمنٹ کے ماتحت ہے جو وزیرِ ہند کے ذریعے سے اپنے اختیارات استعمال کرتی ہے۔ اسی وزیر نے ملکِ معظم کو تنسیخِ تقسیم کا مشورہ دیا گو شعبہ انتظامی کو کوئی حق نہیں تھا اور اب اس شعبے کے ذمہ دار افسران رسمی منظوری حاصل کرنے کیلئے پارلیمنٹ میں مسودۂ قانون پیش کرنے پر مجبور ہوئے ہیں۔ اور اب یہ ایوان امرا پر موقوف ہے کہ وہ اسے منظور کرے یا نامنظور۔

"برطانوی دستورِ اساسی کی رُو سے بادشاہ غلطی نہیں کر سکتا۔ مگر ملکِ معظم سے یہ کام کرا کے ان کے مشیروں یعنے وزیرِ ہند اور والسرائے ہند نے خود کو اس غلطی کا ذمہ دار ضرور بنالیا ہے۔ اور یہ دونوں برطانوی قانون کو بگاڑنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن اگر غلطیاں واقع ہوئی ہیں تو ان کا ذمہ دار کون ہے؟ ہم اس کو ناقابلِ تلافی نقصان سمجھیں گے مگر ان تمام مصیبتوں کے باوجود جو ہمیں برداشت کرنے پڑے ہیں میں صدقدلی کے ساتھ کہتا ہوں کہ مسلمان گذشتہ کو بھول جانے کے لئے تیار ہیں۔ وہ کچھ کہے بغیر از سرِ نو تعلقات شروع کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ مشرقی بنگال کے مسلمانوں کو از سرِ نو مصیبتوں میں نہ پھنسایا جائے جو وہ برداشت کر چکے ہیں اور تنسیخ سے ہندوؤں اور مسلمانوں میں یگانگت اور اتحاد بڑھے۔ صرف اسی حالت میں ہم تنسیخ کو نعمت سمجھ سکتے ہیں اور صرف اسی صورت میں ہم لارڈ کریو اور لارڈ ہارڈنگ کو اپنا دوست سمجھیں گے۔ لیکن اگر اس سے ان دونوں قوموں میں مزید نااتفاقی بڑھے گی تو یہ ملک کے لئے سب سے بڑی مصیبت ہوگی۔ یہ وقت ہندو اور مسلمان دونوں کے لئے امتحان کا ہے۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ حکومت کا یہ فرض ہے کہ چونکہ ہم گذشتہ کو بھول جانے کیلئے تیار ہیں وہ آگے بڑھے اور ایسے قدم اٹھائے جن سے اس صوبے میں ہمارے حقوق محفوظ ہو جائیں۔ مجھے بھروسہ ہے کہ ہمارے ہندو بھائی فتحمندی کے جذبے کی رو میں بہہ نہ جائیں گے اور خود کو مسلمانوں کے فائدوں کی طرف سے لاپرواہی برتنے کے گڑھے میں نہ گرائیں گے۔

"آخر میں حضرات میں آپ سے یہ باور کرنے کی درخواست نہیں کرتا کہ مسلمان ہندوؤں سے زیادہ اونچے ہیں مگر میں یہ کہتا ہوں کہ یہ ہماری اقلیت ہی تھی جس نے آٹھ سو برس تک

ہندوستان پر حکومت کی۔ جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہم نے کبھی بھی ہندوؤں کے خلاف جنگ شروع نہیں کی۔ اور میں کہتا ہوں کہ میں اپنے ہندو بھائیوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے کیلئے تیار ہوں۔ اور میرا ایمانداری کے ساتھ یہ عقیدہ ہے کہ اگر ہم نے نسلی تعصبات کو زندہ رکھا تو ہندوستان ترقی نہ کر سکے گا۔ ہمیں وسیع النظر، فراخدل اور سب سے بڑھکر انصاف پسند اور منصف مزاج ہونا چاہیئے۔

"مجھے امید ہے کہ یہی روش ہمارے ہندو بھائی بھی اختیار کریں گے اور گذشتہ کو فراموش کر دیں گے۔ ہم انصاف پسند بننا چاہتے ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے ساتھ بھی انصاف کیا جائے۔ ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ ہمیں اپنے ملک کے نظام حکومت میں ایسی ملازمتیں دی جائیں جن کے ہم اہل ہیں۔ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جن کا یہ خیال ہے کہ چونکہ ہم نے انگریزی تعلیم حاصل کی ہے ہم پرانے ٹائپ کے لوگوں سے افضل ہیں۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر تمہارا معیار قابلیت یہی ہے تو پھر ایک ایسا آدمی مقرر کرو جو ہمارے تعلیمی معاملات میں دلچسپی لے۔"

مسٹر شیخ ظہور احمد بار ایٹ لا۔ الہ آباد نے یہ بتایا کہ مشرقی بنگال کے مسلمانوں کو تقسیم سے جو فائدہ پہنچا تھا وہ سبھی ہندوؤں اور مسلمانوں کا فائدہ تھا کیونکہ اس کے بغیر مشرقی بنگال کی ۶۶ فیصدی آبادی کبھی قومی زندگی میں حصہ لے سکنے کے قابل نہ ہوتی۔ جو لوگ اس بات سے نالاں ہیں وہ خود غرض ہیں۔

منسوخیٔ تقسیم بنگال پر سید وزیر حسن کا پر زور احتجاج

مسٹر سید وزیر حسن بی۔ اے۔ ایل ایل بی سکرٹری لیگ کی تقریر اس موضوع پر سب سے زیادہ زوردار تھی۔ آپ نے کہا، "منسوخیٔ تقسیم کی خبر سے میرے ذہن میں مراقش کا حادثہ، ایران میں مسلمانوں کے مصائب اور طرابلس کی کشمکش کی یاد تازہ ہو گئی۔ ایسے نازک موقع پر یہ ممکن تھا کہ ہم ایک تیز و تند ایجی ٹیشن میں کود پڑتے۔ مگر ہم نے ایسا نہیں کیا ہم نے ایک گال پر تھپڑ کھایا اور ہو سکتا ہے کہ ہمارا سنجیدہ فرض دوسرے گال پر تھپڑ کھانا بھی ہو

مگر میں یہ ضرور کہونگا کہ اگر آج حکومت ایک ایجی ٹیشن کے آگے ہتھیار ڈال سکتی ہے تو کل ابھی ضرور اس کے آگے جھکے گی۔ ہم لیگ کے ذریعے سے حکومت تک یہ پیغام پہنچانا چاہتے ہیں کہ ہم اپنے مفادات کے تحفظ پر پوری طرح آمادہ ہیں۔ ہم اس سوال پر ایجی ٹیشن کرنے سے صرف اس لئے باز نہیں رہے ہیں کہ ہم محسوس نہیں کر رہے ہیں بلکہ ہم گورنمنٹ کو پریشانی میں مبتلا نہیں کرنا چاہتے ہیں اس کا صلہ ملنا چاہئے اور جس طریقے سے حکومت صلہ دے اس کے بارے میں ہم سے مشورہ ہونا چاہئے۔ ڈھاکہ یونیورسٹی کے قیام کی تجویز کے متعلق ہمارے خیالات کچھ ہی ہوں مگر میں زیادہ سے زیادہ صفائی کے ساتھ کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ہم اسے منسوخی تقسیم بنگال کے نقصان کے بدلے کے طور پر قبول نہیں کر سکتے۔"

ڈھاکہ یونیورسٹی کے قیام کی تجویز کا خیر مقدم کیا گیا اور اوقاف کی حالت کے بارے میں تحقیقات کرنے کے لئے حکومت سے ایک کمیٹی مقرر کرنے کا مطالبہ بھی کیا گیا۔ حکومت پر زور دیا گیا کہ وہ ریفارمز کے مطابق ہندوستانیوں کو زیادہ تعداد میں اعلےٰ عہدے دے اور ان میں مسلمانوں کو بھی ان کا جائز حصہ دیا جائے۔ اسی طرح فوج میں بھی ہندوستانیوں کو عہدے دیئے جانے کا مطالبہ پیش ہوا۔

جداگانہ نیابت کی تجویز کی مخالفت

تمام حکومتی اداروں میں جداگانہ انتخاب کا اصول رائج کرنے کی تجویز جو ۱۹۱۰ء اور ۱۹۱۱ء کے اجلاسوں میں منظور ہوئی تھی اس مرتبہ پھر مولوی رفیع الدین بار ایٹ پونا نے پیش کی ہے۔ انہوں نے کہا "ہم ہندوؤں سے الگ نہیں ہونا چاہتے یہ محض جذباتی بات ہے کہ یہ تجویز ہندوؤں کے خلاف ہے۔ مسلمان تو ہندوستان میں اپنے وہ حقوق مانگتے ہیں جو دوسروں نے غصب کر لئے ہیں اور جو حکومت بار بار تسلیم کر چکی ہے۔ ایسی حالت میں جبکہ دوسری قوموں کی لوکل بورڈوں میں انتخابات کے ذریعے سے سیاسی تعلیم ہو رہی ہے مسلمانوں کو اس سیاسی تعلیم و تربیت سے محروم رکھا جا رہا ہے"۔ آنریبل سید نواب علی چودھری نے ان کی تائید کی۔ پٹنہ کے مشہور بیرسٹر اور پکے کانگریسی مسٹر مظہر الحق نے تجویز کی مخالفت کی، یہ لیگ کے

پلیٹ فارم پر ایک نئی بات تھی کیونکہ اس وقت تک یہ تجویز متفقہ طور پر منظور ہوتی آئی تھی ۔
انہوں نے کوئی ٹھوس وجہ ظاہر نہیں کی اور نہ اس ریزولیوشن پر کوئی نکتہ چینی کی ۔ صرف یہ
کہا کہ گو اس وقت لیگ کی ایک زبردست اکثریت میرے خلاف ہے جو یہ بھی ماننے کیلئے
تیار نہیں کہ میں مسلمان ہوں ۔ مگر ایک وقت آئیگا جب سب میری رائے سے اتفاق کرینگے
آنریبل میاں محمد شفیع بار ایٹ لانے بیان کیا کہ پنجاب کی تیرہ میونسپلٹیوں میں جداگانہ
انتخاب کا اصول رائج ہے ۔ میں خود ان میونسپلٹیوں میں سے ایک کا ممبر ہوں ۔ وہاں ہندوؤں
اور مسلمانوں میں بہت خوشگوار تعلقات ہیں ۔ مسٹر محمد علی بی ۔ اے (آکسن) آف کامریڈ نے شریعت
اسلامی کے قانون طلاق کی مانند جداگانہ نیابت کو ایک تنفر انگیز ضرورت بتایا جسے رکھنا ہی
ہوگا ۔ جہاں جہاں مختلف فرقہ ہوں گے وہاں وہاں مخلوط انتخاب کا مطلب اکثریت کی حکومت
ہوگا ۔ قدرتی طور پر ہندو اپنی اجارہ داری کو قائم رکھنے کے حق میں ہیں ۔ اس لئے اندرونی امن کیلئے
اس ریزولیوشن کو منظور کرنا چاہئے ۔ مولوی عبدالقاسم بی ۔ اے کلکتہ نے کہا کہ گو میں ایک
کانگریسی ہوں ۔ مگر اس تجویز کی تائید کرتا ہوں ۔ اس موضوع پر کانگریس نے جو تجویز منظور کی ہے
اُس میں اور اس تجویز میں کوئی فرق نہیں ہے ۔ لکھنؤ کے مسٹر سمیع اللہ بیگ نے بھی کانگریسی
ہوتے ہوئے پوری طرح تجویز کی تائید کی اور کہا کہ اس سے باہمی نااتفاقی دور ہو جائے گی ۔
ان لوگوں کے علاوہ بھی بہت سے لوگوں نے تائیدی تقریریں کیں اور تجویز منظور ہو گئی ۔

مسٹر جناح کے وقف بل پر بحث

سید ظہور احمد بی ۔ اے ۔ ایل ایل (لکھنؤ) نے ایک تجویز کے ذریعے پریوی کونسل کو متنبہ کیا کہ اس نے
وقف کو غلط قرار دینے میں غلطی کی ہے اور آنریبل جناح کے بل کے اصول سے اتفاق کرتے
ہوئے حکومت پر زور دیا کہ اسے منظور کر لیا جائے ۔ نواب سرفراز حسین صاحب (پٹنہ) نے تائید
کرتے ہوئے کہا کہ قانون وقف منظور ہو جانے سے وہ مسلمان خاندان نقیر ہونے سے بچ
جائیں گے جو موروثی جائداد کے قانون وراثت سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کی وجہ سے
تباہ ہو جاتے ہیں ۔ دی آنریبل مسٹر وصی احمد نے اس بنا پر تجویز کی مخالفت کی کہ اس حکومت

کو مسلمانوں کے پرسنل لا میں دست اندازی کرنے کا موقع ملتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ مسٹر جناح کا بل اصول کے لحاظ سے غلط راستہ پر ڈالتا ہے۔ اس سے ایک آدمی اپنی ایک اولاد کے لئے باقی سب کو محروم الارث کردیگا۔ مسٹر محمد علی آف کامریڈ نے ایک ترمیم پیش کی کہ اس بل پر غور کرنے کا معاملہ آئندہ سال کیلئے ملتوی کر دیا جائے۔ مسٹر وصی نے اس کی تائید کی۔ مجوز نے مسٹر وصی کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ حکومت سے اسلامی قانون نافذ کرائیں۔ تجویز کا مقصد بل کے اصول کی تائید کرنا ہے اگر کوئی نقص ہوگا تو وہ سلیکٹ (چیدہ) کمیٹی میں دور ہو جائے گا۔ آنریبل مظہر الحق نے کہا کہ یہ موقع بل کے منظور ہو جانے کے لئے بہت مناسب ہے۔ اس لئے تجویز ضرور منظور ہونی چاہئے۔ ترمیم مسترد ہو گئی۔ تجویز بہت بڑی اکثریت سے منظور ہو گئی۔

عالم اسلام سے اظہار ہمدردی

طرابلس میں اٹالینوں اور ایران میں روسیوں کے مظالم پر زبردست احتجاج کیا گیا۔ آنریبل میاں محمد شفیع بار ایٹ لا اور مسٹر غلام حسین بی۔اے (کلکتہ) کی تقریریں جو اس سلسلے میں ہوئیں جوش اور خالص اسلامی جذبۂ اخوت سے لبریز تھیں جنہوں نے سامعین کو تڑپا تڑپا دیا

گو اٹالینوں کے مظالم کے خلاف احتجاج کی تجویز چوتھے اجلاس کے لئے رکھی گئی تھی۔ مگر اس تجویز کی نوبت آنے تک اجلاس کا سارا وقت ختم ہو گیا۔ لیکن اس کے باوجود مسلمانوں کی بیچینی اور جوش کا یہ عالم تھا کہ اجلاس کو نماز مغرب کے بعد تک جاری رکھنے کا فیصلہ کیا گیا۔

اس اجلاس میں سر آغا خاں کو تیسری مرتبہ لیگ کا مستقل صدر بنایا گیا۔ اور ان کی خدمات کا اعتراف کیا گیا۔ اور لیگ کے آنریری سکرٹری اور جوائنٹ سکرٹری کو بھی برقرار رکھا گیا نواب وقار الملک اب لیگ کے نائب صدر تھے۔ انہوں نے استعفیٰ دینا چاہا۔ مگر وہ منظور نہیں ہوا۔ اور اس تجویز کو جوش و خروش کے مظاہروں کے درمیان منظور کیا گیا۔

باب ۷

جنگ بلقان

اس باب میں واقعات کو تاریخ وار بیان نہیں کیا جائے گا۔ حالات کے کئی سلسلے ایک ساتھ چلتے ہیں۔ اگر تاریخوں کا لحاظ رکھا جائے تو ایک سلسلے کو کچھ دور تک لیجانے کے بعد اسے ناتمام چھوڑ کر دوسرا سلسلہ اٹھانا پڑیگا اور پھر اسے بھی کچھ دور تک لیجا کر ناتمام ہی چھوڑنا ہوگا اور ایک بار پھر پہلے سلسلے کو شروع کرنا پڑیگا۔ اس سے معلومات کا نقش پڑھنے والے کے دماغ پر زیادہ صفائی کے ساتھ نہیں جم سکتا۔ تجویز یہ ہے کہ پہلے اس باب میں لیگ کے سالانہ اجلاس لکھنؤ منعقدہ ماہ مارچ ۱۹۱۳ء تک کے حالاتِ جنگ بلقان اور ان کے اثرات کا ذکر کر دیا جائے پھر آئندہ باب میں لیگ کے نظام عمل کی تبدیلی کی تحریک کا حال شروع کیا جائے اور اس سلسلے کو سالانہ اجلاس سے ملا دیا جائے۔

بلقانیوں کا حملہ اور برطانیہ کا طرزِ عمل

طرابلس کے شہیدوں کے خون کے دھبّے ابھی تہذیب یورپ کے دامن پر تازہ ہی تھے کہ بلقان کی ریاستوں سرویا، بلغاریہ، مانٹی نیگرو اور یونان نے ترکوں کے یوروپین علاقہ کی شمالی اور مغربی سرحدوں پر حملہ کر دیا۔ ترکوں کو اس حملے کا کوئی گمان نہ تھا کیونکہ یورپ کی بڑی حکومتیں انھیں یقین دلا چکی تھیں کہ یورپ کا امن محفوظ رکھنے کے لئے بلقانی ریاستوں کو ترکوں کے یوروپین مقبوضات پر حملہ نہیں کرنے دیا جائے گا۔ حملہ ہونے پر ترکی وزیروں اور خود خلیفۃ المسلمین نے ان سے اپیل کی کہ بین الاقوامی قانون کی اس خلاف ورزی کو

روکا جائے۔ مگر بڑی حکومتوں نے کوئی عملی قدم نہ اٹھایا۔ البتہ برطانیہ کے وزیر اعظم مسٹر ایسکوئتھ نے ایک اعلان شائع کیا کہ جنگ کا نتیجہ کچھ بھی ہو ترکوں کے یوروپین مقبوضات کی حدوں میں کوئی کمی بیشی نہو سکے گی۔ ان کا اندازہ یہ تھا کہ ترک بلقانی ریاستوں کو شکست دیکر اپنی حدود سلطنت کو آگے بڑھا لیں گے۔ مگر مدافعت کے لئے پوری طرح تیار نہونے کی وجہ سے ترک جنگ چھڑتے ہی شکستیں کھانے لگے۔ اب اعلان کے قایم رہنے سے ترکوں کا علاقہ شکستیں کھانے کے باوجود ان ہی کے پاس رہا جاتا تھا۔ مسٹر ایسکوئتھ نے فوراً ہی ایک دوسرا اعلان نکالا کہ جنگ کا نتیجہ کچھ بھی ہو فاتح کو اس کی فتح کے ثمر سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

مسلمانوں میں بےچینی برطانیہ کے اس جانبدارانہ طرز عمل سے مسلمانوں کے دلوں پر احساس کی ضرب لگی۔ یوروپ کی سب حکومتیں ترکوں کے خلاف سازباز کئے بیٹھی ہیں! انگلستان کا بھی جس کی عملداری میں ستر ملین ہندوستانی مسلمان بستے ہیں اس میں ہاتھ ہے اور جنگ بلقان کو صلیب وہلال، عیسائیت واسلام کی جنگ بنایا جا رہا ہے!! ان کے دلوں میں بےچینی کی آگ بھڑک اٹھی۔ علی برادران نے سارے ملک کا دورہ کر کے ہر گوشے تک ترکوں کی مصیبتوں کے دردانگیز افسانوں کو پہنچایا ہندوستان کے مسلمانوں کے دلوں میں ترکوں کی ہمدردی کا کبھی نہ بجھ سکنے والا چراغ روشن ہو گیا۔ مولینا ابوالکلام آزاد کے اخبار الہلال اور مولانا ظفر علی خاں کے اخبار زمیندار نے بھی مسلمانوں کو بیدار کرنے اور انھیں برطانیہ کے اسلام دشمن طرز عمل سے واقف کرنے میں بڑا کام کیا۔

ترکوں کی شکستوں کی خبریں سنکر مسلمان تڑپ تڑپ اٹھتے تھے۔ ان کے ہر تازہ نقصان کی خبر سے وہ تلملاتے تھے۔ اب انھیں گورنمنٹ برطانیہ پر کوئی بھروسہ نہ رہا تھا۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ برطانیہ نے ترکوں کو بچانے کے لئے کوئی قدم نہیں اٹھایا حالانکہ اسے معلوم تھا کہ اس طرز عمل سے ہندوستانی مسلمان رعایا کے دل ٹکڑے

ٹکڑے ہو جائیں گے۔ اس وقت تمام عالم اسلام میں برطانیہ کی یہی روش تھی۔ انگلستان سے معاہدہ کرنے کے بعد فرانس نے مراقش مسلمانوں سے چھین لیا تو رائٹر کی خبر رساں ایجنسی نے اس ظلم کی خبر تک شائع نہ کی۔ روس کے استبدادی پنجے میں ایران اپنی زندگی کے آخری سانس لے رہا تھا۔ شمالی ایران کو روس اپنی سلطنت میں شامل کر چکا تھا۔ ایرانی خود اختیار حکومت کے وزیروں کو روس نے کٹھ پتلی بنا رکھا تھا۔ ایران کی قوم پرست پارٹی کو ختم کیا جا چکا تھا۔ قوم پرست ایرانیوں کو کتوں کی طرح بیدردی سے مارا گیا تھا مگر انگلستان ان مظالم پر کوئی احتجاج کرنے کی بجائے روس سے دوستی کی پینگیں بڑھا رہا تھا ہندوستان کے مسلمانوں کی اپیلوں، درخواستوں، احتجاجوں اور چیخ پکار پر برطانوی وزیر خارجہ سر ایڈورڈ گرے نے ٹکا سا جواب دیدیا تھا کہ انگلستان روس کے معاملات میں مداخلت نہیں کر سکتا۔ انگلستان کا مشہور اخبار ٹائمز صاف کہہ چکا تھا کہ ہم ایران کی آزادی کو ایک انگریز سپاہی کے خون سے بھی کم قیمت سمجھتے ہیں۔ آل انڈیا مسلم لیگ اور اس کی شاخ لندن نے مسلسل کوششیں کیں تھیں مگر کوئی شنوائی نہ ہوئی تھی۔ اسی طرح طرابلس کے معاملے میں یہ جواب مل چکا تھا کہ انگلستان ہندوستانی مسلمانوں کی خاطر یورپ کی دوسری حکومتوں سے اپنے تعلقات خراب نہیں کر سکتا اور اب وزیراعظم برطانیہ مسٹر ایسکوئتھ، مسٹر لائڈ جارج اور ماسٹرمین کھلم کھلا بلقانیوں سے اظہار ہمدردی کر رہے تھے۔ وزیراعظم نے سالونیکا ترکوں سے چھینے جانے پر جوش ہو کر یہ ترانہ گایا کہ "یہی وہ دروازہ ہے جس سے عیسائیت یورپ میں داخل ہوئی تھی"۔ یورپ کی سب حکومتوں نے اعلانات تو یہی کئے کہ ہم بلقانی ریاستوں اور ترکوں کی اس کشمکش میں غیر جانبدار ہیں مگر ان حکومتوں کے تمام ذمہ دار وزرا ترکوں پر ہر قسم کے ناجائز دباؤ ڈال رہے تھے۔ ریوٹر کی خبر رساں ایجنسی تک نے یہ تہیہ کر لیا تھا کہ خبروں کو ایک خاص سانچے میں ڈھال ڈھال کر اس طرح دنیا میں مشتہر کیا جائے گا کہ ان سے ترکوں کے نفرت انگیز پروپیگنڈا ہو۔ بلقانی ریاستوں نے اب تک جن علاقوں کو فتح کر کے ان پر اپنا قبضہ جما لیا تھا وہ تو ان کے ہو ہی چکے تھے۔ یورپ میں ترکی کے مقبوضات

کے غیر مفتوحہ علاقوں کے بارے میں بھی ترکوں سے یہ اصرار کیا جا رہا تھا کہ وہ یونہی بلقانی ریاستوں کے حوالے کر دو۔ یوروپ کے تمام اخبارات یک زبان ہو کر یہ شور مچا رہے تھے کہ ترک یوروپین قوموں پر حکومت کرنے کے قابل نہیں ہیں انھیں زبردستی کی جھولی میں بھر کر آبنائے باسفورس کے اس پار اُتار دیا جائے۔

اڈریانوپل پر ترکوں کی شکست

اڈریانوپل پر ترکوں کو جو زبردست اور حوصلہ شکن شکست ہوئی اس نے ہندوستان کے مسلمانوں کے دلوں کو صدمے سے چور چور کر دیا۔ ہر مسلمان ملول اور بےچین تھا۔ ترکوں کی شکست خوردہ فوجوں اور مفتوح رعایا پر عیسائی فوجوں نے جس خونخوارانہ طریق سے بُخار انتقام نکالا وہ بجائے خود ایک لرزہ خیز داستان ہے۔ البانیہ میں مسلمانوں کو بھیڑ بکری کی مانند ذبح کیا گیا۔ مقدونیہ میں مسلمانوں پر جو مظالم ہوئے ان کی نظیر تو تاریخ عالم کے کسی زیادہ سے زیادہ لہو آلود ورق پر بھی نہیں ملتی۔

ہندوستان سے ترکوں کی امداد کیلئے طبی وفد

ہندوستان میں علامہ اقبال کی قومی نظموں سے دلوں میں درد و رقت کی لہریں اٹھتی تھیں۔ الہلال اور کامریڈ مسلمانوں کو شانہ ہلا ہلا کر جھنجوڑ رہے تھے۔ ترکوں کے خلاف یورپ کی حکومتوں کی سازش سے مسلمانوں کا جوش و خروش بڑھتا جاتا تھا۔ ہر مسلمان کا دل ان کے لئے بےچین اور زبان محافظین اسلام کی سلامتی کے لئے وقف دعا تھی۔ ان کی پریشانیوں کو دیکھتے ہوئے ہندوستان کے مسلمانوں کی طرف سے ایک طبی وفد زیر صدارت ڈاکٹر مختار احمد انصاری ترک مجروحین کی دیکھ بھال کے لئے ترکی بھیجنے کا ارادہ کیا گیا۔ وفد کی تجویز ڈاکٹر صاحب کے دماغ سے نکلی تھی مگر اس کی کامیابی کا سہرا مولانا محمد علی کے سر رہا کیونکہ تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے سرمائے کی ضرورت تھی جس کی فراہمی رسوخ کی کمی کی وجہ سے ڈاکٹر انصاری کے بس کی بات نہ تھی۔ مولانا محمد علی نے انجمن ہلال احمر دہلی سے بات چیت کی۔ مگر اس سے روپیہ نہ مل سکا۔ انہوں نے ہمت نہ

ہاری۔ کامریڈ میں ایک معرکہ آرا مضمون لکھا اور قوم سے اپیل کی۔ مضمون شائع ہوتے ہی روپیہ برسنے لگا۔ الہلال کی اپیلوں نے بھی بڑا کام کیا۔ چند ہی دن میں کافی روپے سے وفد روانہ کر دیا گیا۔ مولانا ظفر علی خاں بھی ترکی پہنچے ہوئے تھے تاکہ ترکوں کی حالت معلوم کریں اور واپس آکر مسلمانوں کو بتائیں۔ وہ وہاں وفد میں شامل ہو گئے۔

لندن کی صلح کانفرنس

اس وقت تک جنگ بلقان اپنے ابتدائی دور میں تھی جبکہ ترک مدافعت کے لئے پوری طرح تیار نہ تھے۔ مگر تستلجہ کے مقام پر انھوں نے بلقانی اتحادیوں کی فوج کو آگے بڑھنے سے روک دیا اور صلح کرنی چاہی۔ انگریزوں نے صلح صفائی کیلئے درمیان میں پڑنا منظور کر لیا۔

انگلستان نے ترکوں اور بلقانی ریاستوں کی کشمکش میں ترکوں کے ساتھ دشمنی کا جو رویّہ اختیار کر رکھا تھا، اس پر ابھی تک ڈپلومیسی کا نقاب پڑا ہوا تھا۔ اب حالات نے اسے بھی پوری طرح اتار کر "سب سے بڑی اسلامی سلطنت" برطانیہ کے ارادوں کے چہرے کو بے نقاب کرنے کا بندوبست کیا۔ جنگ ملتوی ہوئی لندن میں ترکوں اور بلقانی ریاستوں کے نمائندوں میں صلح کی بات چیت شروع ہو گئی۔ مگر رخنہ یہ آپڑا کہ ریاست بلغاریہ ایڈریانوپل پر اپنا قبضہ چاہتی تھی اور ترک اس پر رضامند نہ تھے۔ برطانیہ کے وزیر خارجہ سر ایڈورڈ گرے نے بلغاریہ کے مطالبے کی تائید کی اور ترک نمائندوں پر زور دیا کہ ایڈریانوپل بلغاریہ کو دیدیا جائے۔ مگر ترک ان کے کہنے سے بھی ایسا کرنے پر راضی نہ ہوئے۔ مسلمانوں کی نظروں میں دنیا اندھیر ہو گئی، ان کے دل بھور ونے لگے۔ ان دراز دستیوں سے ترک دنیا سے مٹ گئے تو (خاکم بدہن) وہ دن دور نہ رہیگا جب مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کو گرا کر کھنڈروں میں تبدیل کر دیا جائے گا، اور عرب کی سرزمینِ پاک کی حرمت سفید فام قوموں کی ٹھوکروں سے پاش پاش ہو جائیگی۔

مسلمانانِ ہند کی نازک پوزیشن

مسلمانانِ ہند کے لئے جو گورنمنٹ برطانیہ کی پُرامن رعایا کی حیثیت سے ہندوستان

کی سرزمین پر پُرامن زندگی بسر کرتے چلے آتے تھے یہ وقت بڑا نازک تھا، انگریزوں کی روش عام بے اعتمادی پیدا کرتی جارہی تھی۔ وزراء برطانیہ کا غیر ذمہ دارانہ رویہ اس بات کا کھلا ثبوت تھا کہ برطانیہ ترکوں کے خلاف ایک طے شدہ پالیسی پر عمل پیرا ہے۔ البتہ اس دور کے وائسرائے ہند لارڈ ہارڈنگ نے مسلمانوں سے ضرور ہمدردی ظاہر کی جس کا مسلمانوں نے شکریہ ادا کیا اور یہ وائسرائے کی ہمدردی ہی کا اثر تھا کہ نزاکت حالات کے اپنی انتہا کو پہنچ جانے کے باوجود مسلمانوں کے لیڈروں نے انھیں یہی مشورہ دیا کہ وہ جوش و اضطراب سے بے قابو نہ ہوں، مالی جہاد کا جو راستہ ان کے سامنے کھلا ہوا ہے اسی پر مردانہ وار مسلسل آگے بڑھتے چلے جائیں، مگر امن و اماں کو درہم برہم نہ ہونے دیں۔

کامریڈ کی زبان بندی

اس زمانے میں محمد علی اور ان کا اخبار کامریڈ مسلمانوں کی زبان اور ان کے جوش جذبات کے ترجمان تھے یہی پایہ ابوالکلام آزاد کے الہلال کا اُردو میں تھا۔ کامریڈ میں ترکوں کی حمایت میں پُرجوش مضامین شائع ہوئے تھے جو پڑھنے والوں کے احساسات میں طوفان بیداری اٹھا دیتے تھے۔ اس پرجوش حمایت کی کامریڈ کو سزا بھگتنی پڑی۔ اس پر پریس ایکٹ کا وار ہوا۔ میسے ڈونیا (مقدونیا) میں رہنے والے ترکوں پر بلقانی فوجوں نے شدید ظلم کیے۔ ان سے تنگ آکر اہل مقدونیہ نے ایک دردانگیز اپیل شائع کی جس میں برطانیہ سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ صرف عیسائی مذہب رکھنے کی وجہ سے ترکوں کی مخالفت اور بلقانیوں کی موافقت نہ کرے اور اسی کے ساتھ ساتھ ان تمام مظالم کو متاثر کن پیرائے میں بیان کیا گیا تھا جو عیسائی اہل مقدونیہ پر کر رہے تھے اس اپیل کا عنوان تھا "مقدونیہ میں آؤ اور ہماری مدد کرو" جونہی یہ مضمون ہندوستان میں ایڈیٹر کامریڈ کو موصول ہوا انھوں نے کامریڈ میں پورا مضمون قسط وار شائع کیا۔ یہ بات حکومت ہند کو ناگوار گذری اور اس کے اشارے پر دہلی

کی مقامی حکومت نے اپنے حکم سے کامریڈ کے وہ تمام پرچے ضبط کر لئے جن میں یہ مضمون شائع ہوا تھا۔ اور دو ہزار کی ضمانت طلب کی گئی۔ مولانا نے اس حکم کے خلاف اپیل کی۔

مسلم لیگ کا ریزولیوشن

مسلم لیگ مسئلہ بلقان میں ابتدا ہی سے بڑی سرگرمی سے حصہ لے رہی تھی، اور قوم کی نمائندہ جماعت کی حیثیت سے مسلمانوں کے اندرونی خیالات و احساسات کو بے خوفی کے ساتھ حکومت تک پہنچا رہی تھی۔ یہ اس کا فرض تھا۔ اگر وہ اس میں کوتاہی کرتی تو قوم کا اعتماد کھو دیتی۔ جب صلح کانفرنس میں یوروپ کی بڑی حکومتیں ترکی پر دباؤ ڈال رہی تھیں کہ وہ دشمنوں کے غیر واجب مطالبات پر بھی سر تسلیم خم کر دے تو لیگ نے ایک اہم تجویز منظور کی جس کا مضمون یہ تھا کہ مسلم لیگ برطانیہ کے طرز عمل سے، جو اس سلسلے میں اختیار کیا گیا ہے، مایوسی کا اظہار کرتی ہے۔ لیگ نے یہ امید ظاہر کی کہ برطانیہ اپنی ہندوستانی مسلمان رعایا کے جذبات کا لحاظ رکھتے ہوئے ترکوں کے خلاف ان کے دشمنوں کا ساتھ نہ دے گی۔ "ٹائمز آف انڈیا" اور دوسرے اینگلو انڈین اخباروں نے اس تجویز کو شدید نکتہ چینی کا نشانہ بناتے ہوئے مسلمانوں کو خوب برا بھلا کہا۔ مگر مسلم لیگ برابر ترکوں کے حق میں کام کرتی رہی۔ ہندوستان کے مسلمان یہ ماننے کے لئے تیار نہ تھے کہ آئندہ کے لئے ترکی صرف ایک ایشیائی طاقت بنا رہے اور یوروپ کے سب مقبوضات سے دستبردار ہو جائے، ہندوستان میں برطانوی راج کی تاریخ میں مسلمانوں نے اس سے پہلے کبھی اس قدر جوش اور بیچینی ظاہر نہ کی تھی۔ اس سے ان میں نئی زندگی، نئی طاقت پیدا ہو گئی۔ پرانے سیاسی عقیدے بوسیدہ ہو کر گرنے لگے۔ اب مسلمانوں کو زیادہ توانا اور اونچے نصب العین کی تلاش تھی۔ عام طور پر ملک میں بھی ہر طرف بے اطمینانی اور بیچینی تھی۔

باب ۸

لیگ کے بنیادی مقاصد میں تبدیلی

ہندوستان کی رفتار حالات

تقسیم بنگال کی منسوخی سے ہندو خوش تھے۔ مگر ۱۹۰۶ء کا قانون انسداد بغاوت، پریس ایکٹ (قانون مطابع) اور قانون ضابطہ فوجداری ان کی نظروں میں کھٹک رہے تھے جو اب سے پہلے حکومت نے کانگریسیوں کو دبانے کے لئے بنائے تھے۔ مختلف صوبوں میں ریگولیشن ابھی تک باقی تھے ان کے ماتحت لوگوں کو نظر بند اور جلا وطن کیا جا رہا تھا۔ جنوبی افریقہ میں ہندوستانیوں کے ساتھ جو بُرا سلوک کیا جا رہا تھا اس پر بھی ملک میں بےچینی تھی۔ حکومت نے ہندوستان کے بنے ہوئے مال پر محصول لگا دیا۔ اس سے صنعت پارچہ بافی پر بڑی کاری ضرب لگی۔ جدید حالات سے ہندوستان گہرا اثر لے رہا تھا۔ ۲۵ اگست ۱۹۱۱ء میں جبکہ منٹو مارلے اصلاحات کو رائج ہوئے، پورے دو برس نہیں ہوئے تھے، وائسرائے ہند لارڈ ہارڈنگ حکومت انگلستان کو اپنا وہ مشہور تاریخی سرکاری مراسلہ بھیج چکے تھے جس میں انہوں نے فیڈریشن اور صوبجاتی خود اختیاری کا خاکہ پیش کیا تھا۔ اس میں لکھا تھا کہ مشکل کا تنہا حل یہی ہے کہ صوبوں کو بتدریج حکومت خود اختیاری کے حقوق دیئے جائیں یہانتک کہ آخر کار ہندوستان ایسے خود اختیار صوبوں کا مجموعہ بنجائے جو تمام صوبائی معاملات میں آزاد ہوں اور گورنمنٹ آف انڈیا کے ماتحت رہیں جیسے بدانتظامی کی حالت میں مداخلت کرنے کا اختیار ہو۔ ہندوستان کی سیاسی فضا

صوبجاتی خود اختیاری، شاہی کونسل میں غیر سرکاری ممبروں کی اکثریت، اور کونسلوں میں زیادہ سوالات دریافت کرنے کے حق وغیرہ مطالبات سے گونج رہی تھی۔ سرکاری ملازمتوں کے بارے میں ایک شاہی کمیشن مقرر ہونے کی بھی خبر تھی۔ ان سب باتوں سے پتہ چلتا تھا کہ بہت جلد ہندوستانیوں کو نظام حکومت میں مزید حصہ دیا جائیگا۔

مسلم لیگ کو نئی راہ عمل کی تلاش

ان حالات میں مسلم لیگ جیسے ترقی پرور سیاسی ادارے کا یہ فرض تھا کہ وہ ہوشیار رہے تاکہ جب تغیرات کی رَو آئے تو مسلمان سوتے نہ پڑے ہوں۔ اب تک اس کا کانسٹی ٹیوشن (دستور اساسی) وہی چلا آتا تھا جو ۱۹۰۶ء میں بنا تھا۔ منٹو مارلے ریفارمز کے نفاذ اور آئندہ سیاسی تبدیلیوں کے امکانات کو دیکھتے ہوئے یہ ضروری ہو گیا کہ اس پرانے نظام عمل کو ترک کیا جائے۔ مگر تدبر او ر سیاست ِ ان کا تقاضا تھا کہ خود کو نئے حالات کے سانچے میں ڈھالنے کے ساتھ ساتھ مسلم لیگ اپنے عہد گذشتہ سے بھی تعلق قائم رکھے۔ گذشتہ سالانہ اجلاس کلکتہ میں نجی طور پر مسلم لیڈروں میں اس مسئلہ پر باتیں چیتیں ہوئی تھیں۔ اپریل ۱۹۱۲ء میں سید وزیر حسن صاحب نے بحیثیت سکرٹری تمام صوبجاتی لیگوں کو ایک گشتی مراسلہ بھیجا اور ان سے نظام عمل کی تبدیلی کے سوال پر رائے طلب کی۔ عزیز مرزا صاحب مارچ کے مہینے میں انتقال کر چکے تھے۔ اور ان کی جگہ وزیر حسن صاحب سکرٹری بن گئے تھے۔ مراسلے کے جواب میں خطوط صرف صوبجاتی لیگوں ہی سے نہیں دوسرے نمایاں اہل رائے کی طرف سے بھی موصول ہوئے۔ بیشتر خطوط میں یہ رائے ظاہر کی گئی تھی کہ لیگ کے موجودہ قواعد ضوابط کسی ایسی جماعت کے لئے ہی موزوں ہو سکتے ہیں جو بعض مخصوص مفادات کے تحفظ کے لئے بنائی گئی ہو۔ ان میں مسلمانوں کو ایک عظیم الشان خود اختیار سلطنت کے شہری بنا کر ان میں خود اختیاری کا جذبہ پھونکنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ ہمارا سیاسی نصب العین ایسا ہونا چاہیئے جو ہمارے لئے مفید اور دوسروں کے نزدیک

قابل احترام ہو۔ بعض پُر جوش مسلمانوں کی یہ رائے تھی کہ کانگریس کا درجۂ نوآبادیات کا نصب العین ہی حرف بحرف مسلم لیگ کا نصب العین بنا لیا جائے۔ کانگریس نے یہ نصب العین ۱۹۱۲ء ہی میں مقرر کیا تھا۔ درجۂ نوآبادیات کے نصب العین کے مخالف کہتے تھے کہ خود اختیار برطانوی نوآبادیوں کی حالت ہندوستان سے بالکل مختلف ہے۔ اور کنیڈا اور جنوبی افریقہ کے علاوہ ہر نوآبادی میں ایک قوم بستی ہے جبکہ ہندوستان میں قدم قدم پر مذہب، نسل اور زبان کا اختلاف موجود ہے۔ مسلم لیگ کی تنظیم کے بارے میں عام طور پر یہ رائے تھی کہ ممبروں کی تعداد کم اور چندہ زیادہ رکھا جانے کی وجہ سے لوگ زیادہ تعداد میں شریک ہو کر اسے نمائندہ سیاسی جماعت بنانے سے باز رہتے ہیں۔ خط و کتابت کے ذریعہ رائیں حاصل کرنے کے علاوہ سکرٹری لیگ نے ملک کا ایک طویل دورہ بھی کیا اور ہر جگہ کے نمایاں افراد سے ذاتی طور پر گفت و شنید کر کے لیگ کے بنیادی مقاصد کی تبدیلی اور اس کے آئندہ پروگرام کے بارے میں ان کی رائیں معلوم کیں۔

جدید بنیادی مقاصد کا مسودہ

تحریری رائیں معلوم کرنے اور ہندوستان کا دورہ کر کے نمایاں مسلمانوں کی ذاتی آرا سے واقفیت بہم پہنچا چکنے کے بعد سید وزیر حسن نے لیگ کے نئے دستور اور جدید قواعد ضوابط کا ایک تازہ مسودہ تیار کیا۔ ۳۱ر دسمبر ۱۹۱۲ء کو بارہ دری قیصر باغ لکھنؤ کے وسیع و کشادہ ہال میں آل انڈیا مسلم لیگ کی کونسل کا جلسہ ہوا۔ قاعدے کی رُو سے تو اس میں صرف ممبر ہی آسکتے تھے مگر چونکہ مسلمانوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد کی خواہشات معلوم کرنی تھیں، لیگ کے ممبران اور باہر کے حضرات کو بھی جلسے میں آنے دیا گیا اور انھیں تقریر کرنے کی بھی اجازت دی گئی۔ اس جلسے کے صدر ہز ہائنس سر آغا خان تھے۔ نمایاں رہبران قوم میں سے مسٹر محمد علی کامریڈ، راجایان محمود آباد و جہانگیر آباد، مسٹر مظہر الحق اور سید نبی اللہ موجود تھے۔ جلسے میں داخلہ مفت

نہ تھا بلکہ آٹھ آنہ ٹکٹ لگا دیا گیا تھا جس کی کل آمدنی انجمن ہلال احمر کے فنڈ میں دیدی گئی مگر اس پر بھی ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ نئے دستور کی ایک ایک شق پر پوری پوری بحث ہوئی۔ ہر شخص کو بولنے کا اختیار دیا گیا۔ جلسے کی کارروائی پورے سات گھنٹے تک جاری رہی۔ آخر میں ایک دستور اساسی منظور ہو گیا۔

نئے دستور میں لیگ کا پہلا مقصد "باشندگان ملک میں تاج برطانیہ سے وفاداری کا جذبہ پیدا کرنا" رکھا گیا۔ پہلے یہ مقصد "مسلمانان ہند میں گورنمنٹ برطانیہ سے وفاداری کا جذبہ پیدا کرنا" تھا۔ "مسلمانان ہند" کی جگہ "باشندگان ملک" کی ترکیب رکھنے سے مقصد کا دائرۂ عمل زیادہ وسیع ہو گیا۔ "گورنمنٹ برطانیہ سے وفاداری" ایک بے معنی سی ترکیب تھی کیونکہ انگلستان میں پارٹیوں کے عروج وزوال کے ساتھ گورنمنٹیں بنتی اور ٹوٹتی ہیں۔ البتہ تاج برطانیہ ایک مستحکم چیز ہے۔ وفاداری کے مفہوم میں یہ بھی بیان کیا گیا کہ اگر حکومت غلطی پر ہو تو ہم ذمہ دار افسروں کو متنبہ اور بشرط ضرورت ان کے افعال کے خلاف احتجاج کر سکتے ہیں۔ دوسرا مقصد "مسلمانوں کے سیاسی اور دیگر حقوق کی حفاظت وترقی" طے پایا۔ اس میں کوئی نئی چیز نہ تھی مگر یہ بات صاف کر دی گئی کہ مسلمانوں کو ملک سے علیحدہ رکھکر ان کے اور دوسری قوموں کے درمیان آہنی دیوار کھڑی کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے اور نہ ان کے سینوں کو حب وطن کے جذبے سے خالی رکھنا ہے بلکہ مطالبہ صرف اتنا ہے کہ جبتک ہندوستان میں متحدہ قومیت کا زریں خواب حقیقت نہ بن جائے اس وقت تک مسلمانوں کو ملکی حکومت میں اپنے حقوق کا تحفظ کرنے دیا جائے۔ تیسرا مقصد "مسلمانوں اور ہندوستان کی دوسری قوموں میں اتحاد واتفاق کی اسپرٹ پیدا کرنا" تھا۔ اس سلسلہ میں یہ بتا دیا گیا کہ یہ اتحاد باوجود بعض اختلافی امور کے بھی ہو سکتا ہے۔ چوتھا اور اہم ترین مقصد یہ طے ہوا کہ مسلم لیگ کا نصب العین "تاج برطانیہ کے ماتحت ہندوستان کے حالات کے مناسب خود اختیار حکومت حاصل کرنا" مقرر کیا جائے۔

مناسب حال خود اختیار حکومت؟

جلسے میں زیادہ تر بحث اسی پر ہوئی کہ آیا مسلم لیگ مناسب حال خود اختیار حکومت کے حصول کو اپنا نصب العین بنائے یا نہیں اور آخر کار اس کے حق میں فیصلہ ہو گیا۔ تمام اسلامی اخبارات (ماسوا ایک دو) نے اس نصب العین پر مسلم لیگ کی کونسل کے فیصلے کو سراہا۔ مولانا ابو الکلام آزاد نے الہلال میں اس کی مخالفت کی اور مولینا شبلی نعمانی کی کئی نظمیں شائع کیں جن میں اس نصب العین پر نکتہ چینی کی گئی تھی۔ ہندو اخبارات نے لیگ کے اس اقدام کی تعریفیں کیں اور بعض اخبارات جیسے (کانگریس آرگن انڈیا) نے تو اس پر صاد ہی کر دیا۔ لندن کی شاخ مسلم لیگ نے بھی اس نصب العین کو تسلیم کیا۔ اسی زمانے میں حکومت انگلستان نے ایک شاہی کمیشن مقرر کیا تاکہ وہ تحقیقات کرنے کے بعد ملازمتوں کی حالت کا نقشہ اس کے سامنے رکھے اور بتائے کہ ہندوستانیوں پر اس سلسلہ میں ابھی تک کیا کیا پابندیاں ہیں۔ ہندوستان کے ہر طبقہ وخیال کے لوگوں نے کمیشن کے تقرر کا خیر مقدم کیا۔ مسلم لیگ کی طرف سے ذمہ دار افسروں کو اس سلسلے میں ایک طویل بیان بھیجا گیا جس میں بتایا گیا کہ ہندوستانیوں پر عموماً اور مسلمانوں پر خصوصاً کیا کیا پابندیاں ہیں اور اس بات پر زور دیا گیا کہ آئی، سی، ایس کے امتحانات انگلستان اور ہندوستان میں بیک وقت ہوا کریں۔

مسلم لیگ کا چھٹا سالانہ اجلاس لکھنؤ ۱۹۱۳ء

لیگ کا یہ اجلاس جو ۲۲ مارچ ۱۹۱۳ء کو لکھنؤ میں ہوا دسمبر ۱۹۱۲ء میں ہونے والا تھا مگر اس لئے ملتوی ہو گیا تھا کہ رائٹ آنریبل سید امیر علی جنہیں مسلمان صدر بنانا چاہتے تھے اس وقت انگلستان چھوڑ کر ہندوستان نہ آسکتے تھے سید صاحب مارچ تک بھی فرصت نہ پا سکے۔ اس لئے خان بہادر میاں محمد شفیع کو صدر منتخب کر کے اجلاس منعقد کر دیا گیا۔ حاضرین کی جتنی تعداد اس اجتماع میں تھی

اتنی اس سے پہلے کسی جلسے میں نہیں دیکھی گئی تھی۔ اجلاس اپنی اہمیت کے لحاظ سے بے انتہا ضروری تھا۔ اس میں ان معاملات پر بحث ہونی تھی جن کا قوم کے مستقبل سے بہت قریبی تعلق تھا۔ سب سے بڑھکر تو اس اجلاس میں لیگ کا نیا نظام عمل منظور ہونا تھا۔ حاضرین میں سے نمایاں ترین یہ تھے مسٹر محمد علی کامریڈ، مسٹر محمد علی جناح، خانبہادر میاں محمد شفیع، نواب کنج پورہ، خواجہ یوسف شاہ، نواب محمد علی قزلباش، شیخ غلام صادق (پنجاب) مسٹر مظہر الحق، خان بہادر فخر الدین (بہار) مسٹر اے رسول، مسٹر سلطان احمد مسٹر مجیب الرحمن ایڈیٹر مسلمان (کلکتہ) مولوی رفیع الدین احمد، نواب غلام احمد خاں کلامی (مدراس) مسٹر عبد العزیز (سرحد) مہاراجہ محمود آباد، سید نبی اللہ بیرسٹر، مسٹر سید ظہور احمد (الہ آباد) میجر سید حسن بلگرامی۔ بعض ہندو حضرات بھی خاص دعوت پر آئے تھے۔ مسز سروجنی نائیڈو بھی تشریف رکھتی تھیں۔

خانبہادر میاں محمد شفیع کا انتخاب صدارت
پنجاب مسلم لیگ کا اعتراف خدمات

مسلم لیگ کے اس اجلاس کیلئے خان بہادر میاں محمد شفیع کا انتخاب صدارت دراصل پنجاب کی شاخ مسلم لیگ کی اس پرزور اور انتھک جدوجہد کا اعتراف تھا جو اس نے مسلمانوں کے حقوق کے حصول کے سلسلے میں کی تھی۔ مسلمانوں کو حکومت ہند کے قانون سازاداروں اور انتظامی محکموں میں ان کا حصہ دلوانے میں پنجاب مسلم لیگ کی جدوجہد کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ اس نے ہمیشہ زیادہ سے زیادہ زوردار طریق سے حکومت کے سامنے اپنے مطالبات رکھے اور آزادی اور بیخوفی کے ساتھ موثر ذرائع سے اپنی آواز ذمہ دار افسران کے کانوں تک پہنچائی۔

خانبہادر میاں محمد شفیع کا خطبۂ صدارت

اپنے خطبۂ صدارت میں انہوں نے مدبرانہ انداز اور موثر زبان میں ہندوستان اور بیرون ہندوستان کی صورت حالات پر نظر ڈالی اور بڑی جرأت کیساتھ مسلمانوں

کو وہ راستہ دکھایا جس پر چلنے سے وہ حکومت اور ملک کی نظروں میں ایک قابلِ احترام طاقت بن سکتے تھے۔ سب سے پہلے آپ نے لیگ کے نئے نظامِ عمل پر بحث کی اور ترمیم شدہ دستور کے چاروں مقاصد کی تشریح کے یہ بتایا کہ لیگ جیسی ترقی پذیر سیاسی جماعت کے یہی مقاصد ہونے چاہئیں حکومت یا برادرانِ وطن کو ان سے خائف ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ دنیائے اسلام کے رنجدہ اور زہرہ گداز واقعات کا تذکرہ کرنے کے بعد آپ نے برطانوی وزرار کے طرزِ عمل پر شدید نکتہ چینی کرتے ہوئے مسلمانوں کے قلبی ہیجان کی ترجمانی کی۔ آپ نے ترکوں کے مصائب سے یہ نتیجہ نکال کر دکھایا کہ وہ باہمی نفاق کی وجہ سے کمزور ہو کر غیروں کا شکار بنے، ہندوستان میں مسلمانوں کے سیاسی اہل رائے کو اختلافات کی بنا پر تخریبی نکتہ چینیوں سے پرہیز کرنا چاہئے۔ یہ اشارہ محمد علی، ابوالکلام، حسرت موہانی وغیرہ کی طرف تھا جو پرانے مسلمہ مدبروں پر سختی سے نکتہ چینی کرتے تھے۔

مسلم لیگ کے نئے نصب العین پر بحث

سب سے بڑا معاملہ جس پر اس اجلاس میں بحث ہوئی نئے نظامِ عمل کی منظوری کا تھا جسے سید وزیر حسن آنریری سکرٹری مسلم لیگ نے تیار کیا تھا اور جسے لیگ کونسل نے اپنے ۳۱ر دسمبر ۱۹۱۲ء کے اجلاس میں منظور کر لیا تھا۔ اسی کی خاطر دور دور سے لیگ کے ممبر اتنی زیادہ تعداد میں شامل اجلاس ہونے کے لئے آئے تھے۔ ہر طبقہ وخیال کے مسلمان موجود تھے۔ ان کی تقریری کشمکش سے بحث میں گرما گرمی بھی پیدا ہوئی مگر آنریبل میاں شفیع نے کسی وقت بھی حالات کو قابو سے باہر نہ ہونے دیا۔ زیادہ تر بحث چوتھے مقصد یعنے نئے نصب العین پر تھی۔ اس معاملے میں دو گروہ ہو گئے تھے۔ ایک کہتا تھا کہ یہ قبل از وقت ہے۔ دوسرا گروہ جو اس کے حق میں تھا دو جماعتوں میں منقسم تھا۔ ایک جماعت درجۂ نوآبادیات کی حکومت کی تائید کرتی تھی دوسری کا یہ خیال تھا کہ ہندوستان میں ایسی خود اختیار حکومت ہونی چاہئے جو ہندوستان

کے لئے موزوں اور اس کے مناسب حال ہو۔ درجۂ نوآبادیات کے سب سے بڑی حامی آنریبل مسٹر مظہر الحق تھے۔ انھوں نے اپنی تقریر میں یہ کہا کہ "موزوں حکومت خود اختیاری" سے نصب العین واضح نہیں ہوتا۔ اس کی جگہ "درجۂ نوآبادیات کے مساوی خود اختیار حکومت" کی ترکیب رکھدی جائے تو ایک معینہ سیاسی منزل مقرر ہو جاتی ہے۔ ہمیں نوآبادیاتی حکومت مانگنی چاہئے مگر یہ بھی کہدینا چاہئے کہ یہ لے اس وقت جب ہندوستان اس کے قابل ہو جائے۔

جناح صاحب کی مدلّل تقریر

اب جناح صاحب بھی لیگ میں سرگرم حصّہ لینے لگے تھے۔ نئے نصب العین کی تحریک میں ان کا بڑا ہاتھ تھا۔ انھوں نے آنریبل مسٹر مظہر الحق کی مخالفت میں تقریر کرتے ہوئے کہا "اس اجلاس کے سامنے جو سب سے پہلی چیز میں رکھنی چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اس وقت آپ ایک زبردست اور حیات بخش اہمیت کے سوال پر غور کر رہے ہیں۔ یاد رکھئے کہ ملک کے ہر حصّے سے آنکھیں آپ کی کارروائیوں کو دیکھ رہی ہیں۔ آج آپ یہاں اس لئے جمع ہوئے ہیں کہ اپنی قوم کے لئے ایک نظام عمل بنائیں۔ یہ مسلم لیگ کی تاریخ میں ایک ایسا لمحہ ہے جو بڑی سے بڑی اہمیت کا مالک ہے۔ اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ لیگ اپنے راستے سے ہٹ رہی ہے اور لیگ اور مسلمانان ہند کیلئے یہ پروگرام (جو زیر غور ہے) بہت زیادہ بھاری ہے۔ حضرات ہمیں یہ بات سامنے رکھنی ہے کہ لیگ ایک سیاسی جماعت ہے اور معترضین کو میرا جواب یہ ہے کہ اس سیاسی جماعت کا ایک سیاسی پروگرام ہونا چاہئے۔ ایک ایسا پروگرام جو ملک کے بھلے کے لئے سب مسلمانوں کو ایک جگہ جمع کردے۔ اگر آپ لیگ کا پرانا نظام عمل دیکھیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اس میں کوئی مفید سیاسی پروگرام نہیں ہے۔ وہ ابطال، وہ جلیل القدر شخصیتیں جنہوں نے لیگ کی بنیاد رکھی تھی ہر تحسین کی مستحق ہیں کیونکہ لیگ کے قیام اور اس کے وجود ہی سے مسلمانان ہند میں صحیح

سیاسی بیداری پیدا ہوئی ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ ہمارا سیاسی پروگرام کیا ہو؟ میرا جواب یہ ہے کہ خوف یا خطرے کے احساس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ جنہیں اندیشے ہیں ان کو میرا یہی جواب ہے کہ جبتک وہ ہم پر اعتماد رکھتے ہیں انہیں خوف یا خطرہ محسوس کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جو اعتراض کر رہے ہیں انہیں میرا جواب یہ ہے کہ میں محسوس کرتا ہوں کہ مسلمانانِ ہند اپنی عملی کارروائیوں کو ہمیشہ وقار کے ساتھ منظم کریں گے۔ جو لوگ ایسا خیال نہیں کرتے وہ میرے نزدیک بیجا خوف کا شکار ہیں۔ جو لوگ اس کے خلاف کرنے کی صلاح دے رہے ہیں انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ اگر ان کی صلاح پر عمل کیا گیا تو مسلمانوں کی طاقت منتشر ہو جائیگی حضرات! آپ کے سامنے اس وقت سوال یہ ہے کہ آپ نوآبادیات جیسی حکومت چاہتے ہیں یا ہندوستان کے مناسب حال خود اختیار حکومت ؟ مجھے افسوس ہے کہ میں مسٹر مظہر الحق سے اتفاق نہیں کرتا۔ گذشتہ مرتبہ جب کونسل میں یہ مسئلہ پیش ہوا تھا تو میں نے وہاں بھی ان کی مخالفت کی تھی۔ میری دلیلیں یہ ہیں (۱) جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں ہر نوآبادی کا دستور اساسی دوسری نوآبادی سے مختلف ہے (۲) نوآبادیاتی حکومت کی بنیاد یہ ہے کہ کچھ لوگ ایک ملک سے جاکر نوآبادیوں میں آباد ہو جاتے ہیں۔ اس اعتبار سے وہ اسی ملک کے فرزند رہتے ہیں۔ یہ بات ہندوستان پر پوری نہیں اترتی (۳) خود اختیار حکومت کا مطلب ہے، حکومت عوام برائے عوام۔ کون کہہ سکتا ہے کہ سو برس بعد عوام کی کیا حالت ہوگی؟ ہم ہندوستان کی آئندہ ترقی، اور حالت کا ابھی سے کیسے اندازہ لگا سکتے ہیں"؟

آنریبل مولوی رفیع الدین احمد بار ایٹ لاء پونا جو ہر اجلاس میں جداگانہ حق نیابت اور ملازمتوں کے تحفظ کے بارے میں ایک تجویز منظور کراتے تھے، اس نصب العین کے مخالف تھے۔ انہوں نے کہا "ابھی اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس نصب العین سے مسلمانوں کا نقصان ہوگا۔ اگر آپ ہندوؤں سے اتحاد کرنا چاہتے ہیں کیجئے، مگر آگے بڑھکر خیالات پیش کرنا اقلیت کا نہیں اکثریت کا کام ہے"۔ ان کی تقریر کے دوران میں کئی مرتبہ "نہیں نہیں" کی صدائیں بلند ہوئیں۔ لیگ کونسل کا منظور کیا ہوا نظام عمل اور نصب العین

کثرت رائے سے منظور ہو گیا۔

مسٹر جناح کا قانون وقف منظور

۱۹۱۳ء میں مسٹر جناح کا وقف بل منظور ہو کر مسلمان وقف ویلیڈیٹی آئینگ ایکٹ ۱۹۱۳ء بن چکا تھا۔

اس سے مسلمانوں کو شریعت اسلامی کے مطابق اپنی املاک وقف کرنے کا اختیار مل گیا اور مسلمانوں پر سے ایک نقصان دہ قانونی پابندی اٹھ گئی۔ اس سلسلے میں رائٹ آنریبل سید امیر علی اور شمس العلما مولانا شبلی نعمانی نے بڑی سرگرمی سے کام کیا تھا مگر مسٹر جناح مسلمانوں کے خصوصی شکریئے کے مستحق تھے کیونکہ انھوں نے بڑے سلیقے کے ساتھ اس کا مسودہ تیار کر کے شاہی کونسل میں حکومت سے اس کی منظوری حاصل کی تھی۔ لیگ کے اجلاس میں مسٹر جناح کا پُر زور شکریہ ادا کیا گیا۔ جنگ بلقان کے سلسلہ میں مقدونیہ میں یونانیوں نے نہتے شہریوں اور عورتوں اور بچوں پہ جو مظالم کئے ان کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی گئی اور وزرائے برطانیہ کے طرز عمل پر بے اطمینانی کا اظہار کیا گیا۔ اس تجویز کو کلکتہ کے بیرسٹر مسٹر اے۔ رسول نے پیش کیا جو اتنے زیادہ انتہا پسند تھے کہ کانگریسی بھی ان سے گھبراتے تھے۔ انھوں نے تقریر کرتے ہوئے کہا "میں مسلم پلیٹ فارم سے اس مسئلے پر بولتے ہوئے بچکچا رہا ہوں مبادا مسلمانوں پر کوئی ایسا الزام بھی لگا دیا جائے جو ابھی تک نہیں لگایا گیا ہے۔ مگر بعض جلسوں میں میں نے بعض مسلمان رہبروں کی ایسی تقریریں سُنیں جو میری انتہا پسندی سے بھی دو قدم آگے تھیں" ان کا اشارہ علی برادران اور مولینا ابوالکلام وغیرہ کی طرف تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی سیاست کس قدر تیزی سے بدل رہی تھی۔ اس اجلاس میں برطانیہ پر زور دیا گیا کہ وہ اپنا رسوخ استعمال کر کے روس سے شمالی ایران خالی کرائے۔ مولانا محمد علی نے یہ تجویز منظور کرائی کہ آئی۔سی۔ایس کے امتحانات انگلستان کی بجائے ہندوستان ہی میں لئے جانے کیلئے پبلک سروس کمیشن کو کوئی نظام قائم کرنا چاہیئے۔ مسٹر مظہر الحق نے ہندو مسلم اتحاد پر زور دیا۔ آخری تجویز مسلمانوں کے جداگانہ حق نیابت کے بارے میں تھی جو ہر سال پیش ہو کر منظور ہوا کرتی تھی۔

باب ۹

بے چینی کا سال ۱۹۱۳ء

لندن صلح کانفرنس

۳۰ مئی ۱۹۱۳ء سے مسلم لیگ کی زندگی کا دوسرا دور شروع ہوا۔ یہ مسلمانوں کے سیاسی ہیجان، حکومت سے بدظنی، اور ہندوؤں سے اتحاد کے رجحان کا دور ہے۔ لندن میں ترکوں اور بلقانیوں کے درمیان صلح کرادی گئی۔ مگر اس طرح کہ بلقانیوں کا پلّہ بھاری رکھا گیا جس سے نہ ترک مطمئن تھے نہ ہندوستان کے مسلمان۔ برطانوی وزرا برابر یہی کہتے رہے کہ فاتح بلقانی ریاستوں کو ان کی فتوحات کے ثمر سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔ اس اثنا میں بلقانی ریاستوں میں مفتوحہ علاقے کی تقسیم پر آپس میں جھگڑا ہونے لگا۔ ترکوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر انور پاشا کی قیادت میں اڈریانوپل کو دوبارہ فتح کرلیا۔ اب برطانیہ کے دوہرے اعلان کے مطابق اڈریانوپل ترکوں ہی کے پاس رہنا چاہیئے تھا۔ مسٹر اسکوئتھ نے ایک تیسرا اعلان شائع کیا کہ جہاں تک ترکوں کا تعلق ہے، ان کو اُن ہی حدود کے اندر اندر رہنا پڑیگا جو لندن کانفرنس میں مقرر کردی گئی ہیں۔ یہ کھلی ہوئی بے انصافی تھی۔ مسلمانوں کے دلوں کو جو پہلے ہی کافی مجروح تھے اس سے سخت اذیت محسوس ہوئی۔ زبردست سیاسی ہیجان پیدا ہوگیا۔ اس ہیجان کے علمبردار مسلمانوں کے نوجوان پرجوش رہبر محمد علی، شوکت علی، وزیر حسن، ابوالکلام آزاد، حسرت موہانی، ظفر علی خاں، وغیرہ تھے۔ وہ مسلمانوں کے اس جذبے کے ترجمان تھے کہ انگریز عالم اسلام سے دشمنانہ رویہ اختیار کرکے مسلمانوں کو دنیا سے نیست ونابود

کرنا چاہتے ہیں اور (خاکم بدہن) اب وہ وقت دور نہیں کہ عرب کی مقدس سرزمین کی حرمت خطرے میں پڑ جائے گی۔ انجمن خدام کعبہ کی بنیاد مولانا شوکت علی اور مولانا عبد الباری صاحبان نے اسی احساس کے ماتحت ۶ مئی ۱۹۱۳ء کو رکھی۔ اس کے ہر ممبر کو ایک اقرار نامے پر دستخط کرنے پڑتے تھے جس کا مضمون یہ تھا کہ "میں فلاں ابن فلاں اقرار کرتا ہوں کہ اگر کعبہ پر مخالفانہ حرف آئیگا تو اس کی حفاظت کے لئے جان و مال سے قربان ہو جاؤنگا،، مسلمانوں کے جذبات میں آگ بھڑک اٹھی۔ انہیں صاف صاف نظر آرہا تھا کہ صلیب پر ہلال کی صدہا سالہ فتوحات کا بدلہ لیتے ہوئے ترکی اور ایران کی اسلامی طاقتوں کو مٹایا جا رہا ہے۔ انجمن ہلال احمر اور اس کی شاخوں کے ذریعے سے انہوں نے ترکوں کو لاکھوں روپے بطور مالی امداد بھیجے۔ ترکی تمسکات کے ذریعہ ترکی حکومت کو قرضے دیئے۔ علی گڈھ کالج کے طلبا نے ایک وقت کھانا کھا کر روپیہ بچایا اور وہ ترکوں کو بطور امداد بھیجا۔ پریشانی کا یہ عالم تھا کہ مسلمانوں پر خواب و خور حرام ہو گئے۔ غریب امیر سب پریشان تھے۔ ہر شخص کے دل میں درد، آنکھوں میں آنسو اور لب پر دعا تھی۔ اس بےچینی اور ہیجان میں کانپور کے حادثہ سے مزید اضافہ ہوا۔

مسجد کانپور کا معاملہ

اگست ۱۹۱۳ء میں کانپور میونسپلٹی نے مسلمانوں کے منع کرتے رہ جانے کے باوجود کانپور کے مچھلی بازار کی مسجد کا ایک حصہ سڑک کا خم دور کرنے کی غرض سے گرا دیا۔ کسی مسجد یا اس کے کسی حصے کو شہید کرنا مسلمانوں کے مذہبی حقوق کی کھلی توہین ہے۔ ہندوستان بھر میں اس سے بےچینی اور غم و غصے کا طوفان اٹھ کھڑا ہوا اور حادثہ کانپور ایک آل انڈیا مسئلہ بن گیا۔ فوراً ہی آل انڈیا مسلم لیگ کی کونسل نے اپنا ایک ضروری ہنگامی جلسہ کیا اور ایک اسلامی عبادت گاہ کی بےحرمتی پر غم و غصہ کا اظہار کرنے کے بعد صوبہ متحدہ کی حکومت کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے حکومت پر زور دیا کہ مسجد کے مسمار شدہ حصوں کو از سر نو تعمیر کرایا جائے۔ مولانا محمد علی نے بھی اپنے اخبار دل میں مسلسل مضمون لکھکر زوردار طریقہ سے آواز اٹھائی۔ مگر

کی حکومت نے اس پروٹسٹ کی طرف سے کان بند کر لئے۔ اور اپنے طرز عمل سے یہ ظاہر کیا کہ وہ کانپور میونسپلٹی کے اس کام سے متفق ہے۔ یہ زخموں پر نمک پاشی تھی مسلمان تلملا اٹھے۔

نہتوں پر گولیاں

۳ راگست کو وہ مسجد کے سامنے اس غرض سے جمع ہو گئے کہ اگر حکومت اس پر آمادہ نہیں ہے تو ہم خود ہی اپنی مسجد کے مسمار شدہ حصے کی مرمت کریں گے۔ مقامی حکومت کی طرف سے پولیس موقع پر بھیجدی گئی۔ مگر وہ مجمع پر قابو نہ پا سکی۔ اب فوج بلالی گئی۔ اس نے نہتے مجمع کو گھیرے میں لیکر مسلمانوں پر گولیاں چلائیں۔ مسلمانوں کے پوری طرح بیچین ہونے میں اگر کوئی کسر رہ گئی تھی تو وہ اس حادثے سے پوری ہو گئی اس وقت تمام دوسرے اہم مسائل حادثۂ کانپور کی شدت کے سامنے ماند پڑ گئے یہانتک کہ کچھ دن کے لئے مسلمانان ہند نے مسئلہ ترکی کو بھی فراموش کر دیا اور ان کا سارا جوش و ہیجان شہادت مسجد کانپور پر مرکوز ہو گیا۔

صوبہ متحدہ کی حکومت نے مچھلی بازار کی مسجد کی دیوار گرائے جانے کی تائید کر کے مسلمانوں کے قلبی زخموں پر جو البانیہ و مقدونیہ کی مساجد کی بے حرمتی اور مشہد مقدس پر روسیوں کی گولہ باری کی خبروں سے ناسور بن چکے تھے، پرشیج کے آہنی پنجے سے قلب و جگر نوچ لینے والی ایک ہوریز کھر پنچ لگائی۔ مولانا محمد علیؒ اس معاملے کو لیکر بے خوفی کے ساتھ اٹھے اور صوبہ متحدہ کی حکومت سے خط کتابت کی مسلم لیگ نے وائسرائے سے اپیل کی کہ ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر کی جائے۔ وائسرائے نے امید افزا جواب تو دیا مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ مولانا محمد علیؒ کو بھی خط کتابت میں کامیابی نہ ہوئی۔ انہوں نے مسلمانوں کی فریاد کو کامریڈ کے ذریعے سے حکومت کے کانوں تک پہنچا کر خانۂ خدا کی حرمت کے بارے میں مسلمانوں کے نظریئے اور احساسات کو واضح کرنے کی کوشش کی مگر خداوندان اقتدار ٹس سے مس نہ ہوئے۔ جوں جوں حکومت کی خاموشی طول کھینچتی جاتی تھی مسلمانوں کا جوش بڑھتا جاتا تھا۔ مولانا محمد علی نے لندن پہنچ کر حکومت انگلستان کا دروازہ کھٹکھٹانے کا ارادہ کیا۔

مولانا محمد علی کے مقدمے سے بے چینی میں اضافہ

اس زمانے میں مولانا محمد علی کے مقدمے کے بارے میں بھی بڑی تشویش پائی جاتی تھی۔ جب کامریڈ سے دو ہزار کی ضمانت طلب کی گئی تھی تو مولانا نے حکومت دہلی کے اس حکم کے خلاف ہائی کورٹ الہ آباد میں اپیل دائر کردی تھی۔ جن دنوں حادثۂ کانپور ہوا یہ مقدمہ عدالت میں تھا۔ اس کی نوعیت عجیب تھی۔ یہ بات عدالت کو تسلیم تھی کہ کامریڈ کے ضبط شدہ مضمون میں کوئی ایسی باغیانہ چیز نہیں ہے جو تعزیرات ہند کی زد میں آسکے مگر اس کے باوجود عدالت نے یہ کہا کہ دفعہ ۴ کی زبان جس کے ماتحت کامریڈ کے پرچے ضبط کئے گئے ہیں اس قدر وسیع ہے کہ یہ کہنا مشکل ہو جاتا ہے کہ کونسی چیز اس کی زد سے باہر رہ سکتی ہے۔ ملزم کے خلاف ثبوت مہیا نہ ہونا بھی پریس ایکٹ کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتا بلکہ جرم کا ثبوت ملزم کا یہ ثابت نہ کرسکنا ہے کہ وہ جرم سے بری ہے۔ اسی الٹی دلیل سے اپیل نامنظور کر کے محمد علی سے دو ہزار کی ضمانت طلب کی گئی جو انھوں نے داخل کردی۔ اس موقعہ سے بھی مسلمانوں میں گورنمنٹ کے خلاف جوش اور بدظنی میں اضافہ ہوا۔ مقدمے سے فارغ ہونے کے بعد مولانا محمد علی نے مسجد کانپور اور مسئلہ خلافت کی وکالت کے لئے روانگیٔ لندن کے ارادے کو عملی جامہ پہنانے کی طرف توجہ کی مگر صوبہ متحدہ کے گورنر سر جیمز مسٹن کی طرف سے یہ اندیشہ تھا کہ وہ پاسپورٹ حاصل کرنے میں مزاحم ہونگے۔ اس لئے مولانا نے اپنے اور لیگ کے سکرٹری سید وزیر حسن کے لئے خفیہ طور پر ایم علی اور ڈبلیو حسن کے ناموں سے پاسپورٹ حاصل کئے اور اس طرح ۱۸ اکتوبر میں لندن پہنچے۔ وہاں انھوں نے تقریروں اور مضامین کے ذریعہ سے اپنے موافق فضا پیدا کی اور مسلمانوں کے حق میں فیصلہ لیکر ہی ہٹے۔ کانپور ایجی ٹیشن کے قیدی رہا کردیئے گئے اور مسجد کا وہ حصہ تعمیر کرنے کی اجازت مل گئی جو میونسپلٹی کے حکم سے گرایا گیا تھا۔ دوران قیام انگلستان میں مولانا نے وزرائے برطانیہ کو ترکوں کے متعلق مسلمانوں کے جذبات بھی بتانے چاہے مگر کامیابی نہ ہوئی۔ آخر دسمبر میں وہ ہندوستان واپس آگئے۔

ٹرنر مارلیسن کمپنی کو حجاز کی اجارہ داری دینے کے سرکاری ارادے

جنگ بلقان، حادثہ کانپور اور مقدمۂ

کامریڈ کے علاوہ حکومت بمبئی کی اس تجویز سے بھی مسلمانوں کے ہیجان میں اضافہ ہوا کہ سفر حج کے لئے لازمی واپسی ٹکٹ رکھے جائیں اور کم سے کم کرایہ سفر مقرر کیا جائے۔ اور سفر حج کی اجارہ داری ٹرنر مارلیسن اینڈ کمپنی کو دیدی جائے۔ یہ تجویز بظاہر تو اچھی معلوم ہوتی تھی مگر جانچ پڑتال سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے لئے بہت مُضر ہے۔ مسلم لیگ نے گورنمنٹ آف انڈیا پر مسلمانوں کی بےچینی کو ظاہر کیا اور لیگ کی کونسل نے حکومت بمبئی کی تجویز پر عدم اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے حکومت پر زور دیا کہ اس تجویز کو منظور نہ کیا جائے۔ مگر حکومت نے اسی کمپنی کو ٹھیکہ دیا جس سے مسلمانوں میں بہت اضطراب پھیلا۔ وقت کا ایک اور اہم مسئلہ یہ تھا کہ نظامِ حکومت کے عدالتی شعبے کو انتظامی شعبے سے جدا کیا جائے اس پر پہلے بھی کئی مرتبہ لیگ گورنمنٹ آف انڈیا اور وزیر ہند کی توجہ مبذول کر چکی تھی۔ ۱۸۹۹ء میں خود بعض بڑے بڑے انگریزوں نے وزیر ہند کو اس سلسلے میں ایک یادداشت بھیجی تھی۔ ۲۸ مارچ ۱۹۰۸ء کو ایک ذمہ دار انگریز نے وائسرائے کی کونسل میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ اس طرح عدالت غیر جانبدار اور شبہہ سے بالا نہیں رہ سکتی۔ مگر اس کے باوجود پانچ سال تک حکومت نے اس طرف کوئی توجہ نہ کی اور ہندوستانیوں میں بےچینی بڑھنے لگی۔ آنریبل سریندر ناتھ بنرجی نے اس سلسلے میں وائسرائے کی کونسل میں تجویز پیش کی تو ہر ایک غیر سرکاری ہندوستانی ممبر نے ان کی تائید کی۔ لوگوں میں جوش پیدا ہو گیا۔ مسلم لیگ کی کونسل نے بھی رائے عامہ کی ترجمانی کرتے ہوئے حکومت پر زور ڈالا کہ عدالتی شعبے کو انتظامی شعبے سے علیحدہ کر دیا جائے۔ مگر حکومت نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔

پریس ایکٹ کی مخالفت

اس زمانے میں اس ایکٹ سے جو ۱۹۱۰ء میں منظور ہوا تھا آزاد خیال اخباروں کا گلا دبایا جاتا تھا۔ خاص کر مسلم اخبارات کے خلاف اسے بڑی سختی سے استعمال کیا گیا تھا۔ الہلال، کامریڈ، زمیندار

وغیرہ بہت سے اخبارات اس کا زخم اٹھا چکے تھے۔ مسلمان اس قانون کے سخت مخالف تھے۔ لیگ نے حکومت کو اس قانون میں مناسب ترمیم کرنے کی طرف بھی متوجہ کیا

جنوبی افریقہ کے ہندوستانی آبادکاروں پر بڑے ظلم ہو رہے تھے، انھیں وہاں معمولی حقوق شہریت بھی حاصل نہ تھے اور ان کے اور حکومت کے درمیان زبردست کشمکش ہو رہی تھی۔ ہندوستان کی سیاست پر جنوبی افریقہ کے حالات کا بڑا گہرا اثر پڑ رہا تھا اور لوگ جنوبی افریقہ کی یونین گورنمنٹ کے سخت مخالف تھے۔ لیگ کی کونسل نے بھی اس حکومت کے مظالم کے خلاف شدید احتجاج کیا اور حکومت پر زور دیا کہ وہ جوابی کارروائی کرے۔ حکومت نے لیگ کی تجویز کو وزیر ہند تک پہنچا دیا۔

ہندو مسلم اتحاد کا مسئلہ

ان مصائب نے ہندو مسلم اتحاد کی فضا پیدا کر دی۔ اس سلسلہ میں لیگ نے سب سے پہلا قدم اٹھایا۔ آنریبل میاں محمد شفیع نے ذمہ دار اصحاب کو ایک گشتی مراسلہ بھیجا اور سید وزیر حسن نے یہ تجویز کی کہ ہر صوبے سے دونوں قوموں کے نمایاں افراد کسی مقام پر جمع ہو کر ہندو مسلم اشتراک عمل کے ابتدائی امور کا تصفیہ کر لیں۔ دونوں قوموں کے لیڈروں نے اس کے ہمت افزا جوابات دیئے، مدراس، بنگال، بمبئی اور الہ آباد کی کانگریس کمیٹیوں نے تجویزیں منظور کر کے اس کی تائیدیں کیں۔ سید وزیر حسن نے نجی طور پر بھی بہت سے ہندو مسلم لیڈروں سے اس سلسلے میں گفتگوئیں کیں۔ ان سے یہ مترشح ہوتا تھا کہ لوگ اتحاد و اتفاق کے لئے تیار ہیں۔ ان تمام کاموں کے علاوہ لیگ ۱۹۱۰ء کی تجویز کے مطابق مسلمانوں کو سرکاری ملازمتوں میں ان کا حصہ دلوانے کے لئے بھی برابر جدوجہد کرتی رہی

جدید اسلامی تحریک اور "ٹائمز آف لنڈن"

انگلستان کا مشہور اخبار "دی ٹائمز آف لنڈن" ہندوستان کو خود اختیار حکومت دی جانے کا سخت مخالف تھا۔ اس نے ہندوستان کے جمہوری دعووں کی مخالفت کرتے ہوئے لکھا کہ نوجوان مسلمان رہبروں نے ایک دانشمندانہ

طور پر چلی ہوئی تحریک کو ایک سیاسی ایجی ٹیشن بنا کر مسلمانوں کے جائز مطالبات کو آگے نہ بڑھاتے ہوئے سازش کے ہاتھ مضبوط کئے ہیں مسلم لیگ کے ترقی پسند گروہ کی طرف سے اس کا یہ جواب دیا گیا کہ جب تک مسلمان بھیڑ بکریوں کی طرح آنکھیں بند کر کے خود ساختہ گڈریوں کے بنائے ہوئے راستے پر چلتے رہے "ٹائمز" کے نزدیک ان کی روش دانشمندانہ رہی مگر جونہی اپنی عقل استعمال کرتے ہوئے انہوں نے اپنے لئے ایک عملی پروگرام بنایا ان پر سازشیں کھڑی کرنے کا الزام لگایا جانے لگا۔ مسلمان نشو و نما کے راستہ پر پڑ چکے ہیں اور ان میں پر خلوص محبان وطن کا ایک ایسا گروہ پیدا ہو چکا ہے جو دوسری ہمسایہ قوموں سے اتحاد عمل کر کے ہندوستان کو زیادہ تیز رفتار سے آگے لیجانا چاہتے ہیں ٹائمز جیسے "دانشمند" اس نئی تحریک میں ایک ایسی زندگی متحرک دیکھتے ہیں جو وہ نہیں دیکھنی چاہتے۔

مسلم لیگ کا ساتواں سالانہ اجلاس آگرہ ۱۹۱۳ء

دسمبر میں آگرہ میں لیگ کا سالانہ اجلاس ہوا جو مسلمانوں کی سیاسی تاریخ میں مخصوص اہمیت کا اجلاس سمجھا جاتا ہے۔ ۱۹۱۲ء تک لیگ کے پنڈال میں صرف ایکہزار آدمیوں کی گنجائش رکھی جاتی تھی۔ مگر اس مرتبہ مشن اسکول آگرہ کے احاطہ میں جو خوبصورت اور شاندار پنڈال بنایا گیا اس میں پانچ ہزار وزیٹروں کی نشست کا انتظام کیا گیا۔ ہندوستان کے ہر حصے سے مسلمان اپنی نمائندہ قومی انجمن کے اہم ترین اجلاس میں قوم کی تقدیر کا فیصلہ سننے کیلئے زیادہ سے زیادہ تعداد میں آرہے تھے۔ مسلمانوں کی آئندہ سیاسی راہ عمل کے بارے میں آخری فیصلہ ہونا تھا۔ ولولے اور جوش کا سمندر لہریں لے رہا تھا۔ صدر منتخب سرابراہیم رحمتہ اللہ کو ان کی قیام گاہ ہوٹل میٹراپولس سے جلسہ گاہ تک جلوس کی شکل میں اس طرح لیجایا گیا کہ گاڑی کے گھوڑے کھول کر لوگوں نے خود گاڑی کھینچی سر آغا خاں، مہاراجہ بہادر آف محمود آباد، مسٹر جناح، مسٹر مظہر الحق اور مولانا محمد علی

کے پنڈال میں داخل ہونے پر استقبال میں اتنے زور زور سے تالیاں بجائی گئیں کہ کئی منٹ تک فضا گونجتی رہی ۔ سر ابراہیم رحمۃ اللہ اپنی صدارتی اسپیچ پڑھنے کے لئے اُٹھے تو ایک بار پھر پنڈال پُرزور چیئرز سے ہنگامہ زار بن گیا وہ اس وقت مسلمانوں میں اپنی قابلیت، آزادیٔ رائے، صاف گوئی، دور بینی اور تدبر کیلئے بہت مقبول تھے

سر ابراہیم رحمۃ اللہ کا خطبہ صدارت

انہوں نے حادثہ کانپور کا ذکر کرتے ہوئے افسران کے پندار و وقار کو اس کا ذمہ دار قرار دیا، گولی چلانے پر شدید نکتہ چینی کی، جنگ بلقان کا ذکر کرتے ہوئے اس بات پر اظہار مسرت کیا کہ بہرحال ترک یورپ سے نکلے نہیں اور ایڈریانوپل پر ان کا پھریرا اُڑ رہا ہے، سر ایڈورڈ گرے کے طرز عمل پر شدید نکتہ چینی کر کے بتایا کہ کس طرح مسلمانوں نے ان کے غلط رویئے کے باوجود تحمل سے کام لیا، جنوبی افریقہ میں بسنے والے ہندوستانیوں کی شکایات بیان کر کے حکومت کے رویئے کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی اور پریس ایکٹ کو ملک اور حکومت دونوں کے لئے مضر قرار دیتے ہوئے حکومت پر اس کی نظر ثانی کیلئے زور دیا۔

خطبہ صدارت کا اہم ترین حصہ وہ تھا جس میں مسلمانوں کے سیاسی دستور العمل اور نصب العین سے بحث کی گئی تھی۔ انہوں نے کہا "ہندوستان جیسا کوئی ملک ہمیشہ کے لئے بدیسی حکومت کے ماتحت نہیں رہ سکتا، چاہے وہ حکومت کتنی ہی فائدہ مند ہو اور گو (ہندوستان میں) برطانوی حکومت بے شک فائدہ مندی اور بھلائی پر قائم ہے مگر یہ (ہندوستان میں) ہمیشہ ہمیشہ قائم نہیں رہ سکتی، ہندوستان ہمارا وطن اور قابل فخر وراثت ہے، آخر کار ہمارے سرپرستوں کو اسے ہمارے حوالے کرنا ہی ہوگا۔ ہندو مسلمان مادر ہند کے دو سپوت ہیں۔ قدرت نے برطانیہ کو ان کا سرپرست بنایا ہے۔ خاندان کے چھوٹے بھائی (مسلمان) کو اپنی انفرادیت اور اپنی ضرورتوں کی تکمیل کے احساس کے ساتھ سرپرست سے مودبانہ وفاداری

اور بڑے بھائی (ہندو) سے پُرخلوص محبت کرنی چاہیئے۔ مگر اس کا مطلب اندھی تابعداری نہیں ہے۔ تمام ممکن آئینی ذرائع کو پوری طرح اور آزادی کے ساتھ استعمال کرتے ہوئے اپنی قوم کے مفاد کو ترقی دینی چاہیئے اور حکومت کے کاموں پر سنجیدگی سے نکتہ چینی کرکے بہتر قسم کی حکومت حاصل کرنی چاہیئے"۔

لیگ کے اجلاس ۱۹۱۳ء کی سیاسی اہمیت

مسلم لیگ کی تاریخ میں یہ اجلاس ناقابل فراموش اہمیت کا مالک ہے۔ اسی سال سے لیگ اپنی زندگی کے دوسرے دور میں داخل ہوئی جہاں جوش عمل اور مسلمانوں کی انتہا سیاسی بیداری اس کے استقبال کے لئے آمادۂ کار کھڑی تھی۔ ملک کے مختلف حصّوں سے جو لوگ اس سال لیگ کی شرکت کے لئے آئے وہ دماغ اور حیثیت کے اعتبار سے مسلم ہندوستان کا جوہر تھے۔ ان میں ہر طبقہ وخیال کے لوگ تھے اگر ایک طرف میاں شفیع، مولوی رفیع الدین، سید رضا علی اور سید آل نبی وغیرہ تھے جو مسلمانوں کے حقوق کے حامی تھے تو دوسری طرف مسٹر جناح، مولانا محمد علی، مسٹر مظہر الحق اور مولانا ابوالکلام آزاد وغیرہ تھے جو ہندو مسلم اتحاد کے حامی تھے اور یہ چاہتے تھے کہ مسلم لیگ میں اس سال انتخاب جداگانہ کے حق میں تجویز منظور نہ کرائی جائے کیونکہ ایسا کرنے سے کانگریس اور لیگ کے تعلقات بہتر ہو جانے کا امکان تھا۔

انتخاب جداگانہ کے خلاف آواز

انتخاب جداگانہ کی تجویز اجلاس میں آخری دن پیش ہوا کرتی تھی۔ پُرجوش نوجوان لیڈروں کے رجحان مخالفت کو دیکھتے ہوئے یہ اندیشہ پیدا ہو گیا کہ اس پر ضرور تنازعہ ہوگا۔ حسب معمول مولوی رفیع الدین نے تجویز پیش کی کہ حکومت کے تمام خود اختیار اداروں تک جداگانہ نیابت کے اصول کو وسیع کیا جائے۔ مسٹر ظہور احمد بار ایٹ لا الہ آباد نے تائید کی۔ مسٹر مجیب الرحمٰن اڈیٹر مسلمان ترمیم پیش کرنے کے لئے اٹھے کہ نیابت کے موثر اور مناسب ہونے پر زور دیا جائے

مسٹر عبدالقاسم (بردوان) نے تائید میں یہ کہا کہ نیابت کے جداگانہ ہونے کی مجھے اتنی پرواہ نہیں ہے جتنی اس کے موثر ہونے کی ہے۔ اس اثنا میں صدر کو مولانا محمد علی کی طرف سے دوسری ترمیم کا نوٹس موصول ہوا۔ وہ چاہتے تھے کہ تجویز کو ایک سال کے لئے ملتوی کر دیا جائے۔ انہوں نے کہا "ہندؤں نے کانگریس میں اس سال مسلمانوں کے احساسات کا لحاظ کرتے ہوئے اس تجویز کو روک لیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ انہیں مسلمانوں کی نیک نیتی کا یقین ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ دونوں قومیں متحد ہو جائیں مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ بھی آگے بڑھ کر ہندوؤں سے ملیں"

مسٹر جناح کی تائیدی تقریر

مسٹر محمد علی جناح نے مولینا کی ترمیم کی تائید میں کہا "ہمیں اپنے فوری فوائد سے قطع نظر کر کے اپنے مستقبل پر غور کرنا ہے، اگر آپ میونسپل کمیٹیوں میں جداگانہ انتخاب مانگتے ہیں تو شائد اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ آپ کے لئے دو بالکل الگ الگ نا قابل گذر حلقے پیدا ہو جائیں گے۔ جب مسلم لیڈر ہز ہائینس سر آغا خاں کی قیادت میں مصالحت کرنے کے لئے ناگپور سے وفد لیکر الہ آباد گئے تھے تو انہوں نے اس بات کا ثبوت دیا تھا کہ ہم مسلمان ہندؤں سے ملنا چاہتے ہیں۔ ہم نے کانگریس والوں سے کہا کہ وہ صرف ہماری خاطر اس سال اپنے ریزولیوشن کو چھوڑ دیں۔ جب انہوں نے یہ کر لیا ہے تو کیا یہ ضروری نہیں ہے کہ آپ اس سوال کو ملتوی کر دیں؟ سیاست میں مصلحت وقت کا خیال اشد ضروری ہے۔ میرے پاس بعض وجوہ ہیں جن کو میں پبلک میں پیش نہیں کر سکتا۔ آپ ہر وقت صاف بیانی کو کام میں لا سکتے ہیں آپ اسوقت ایک اصلی فائدے کو چھوڑ کر ایک موہوم فائدے پر تکیہ کئے ہوئے ہیں"

ہز ہائینس سر آغا خاں نے کہا "اصل سوال یہ نہیں ہے کہ ہمیں کوئی حق چھوڑنا پڑا ہے بلکہ یہ ہے کہ یہ وقت اس ریزولیوشن کے پاس کرنے کا ہے؟ اس سے زیادہ نقصان رساں کوئی چیز نہیں ہے کہ ہم سال بہ سال ریزولیوشن پر ریزولیوشن

پاس کرتے چلے جائیں اور نتیجہ کچھ بھی نہ نکلے۔ اس سال ہمیں چاہئے کہ اس اہم سوال کو ملتوی کر دیں۔ پھر کسی وقت اس سوال پر غور کیا جا سکتا ہے۔ اگر آپ اپنے ہمسایوں کے حق میں اپنی نیک نیتی اور فراخدلی کا ثبوت دینگے تو وہ آپ سے زیادہ قریب ہو جائیں گے"۔

آنریبل سید رضا علی نے کہا: "اس مسئلے پر اظہار جوش کی کوئی ضرورت نہیں ہے دوسرے صوبوں کی حالت سے اصول منطق کئے جاتے ہیں اور اس صوبے پر حاوی کئے جاتے ہیں۔ ہم اس صوبے میں اور پنجاب میں ہندوؤں کے ہمسر ہیں۔ اس وجہ سے ہمارے تعلقات کی پیچیدگیوں کو بمبئی اور دوسرے صوبوں کے لوگ نہیں سمجھتے۔ بڑا زور اس بات پر دیا گیا ہے کہ یگانگت و اخوت پیدا کی جائے۔ مگر اس کا طریقہ کیا ہے، اس پر کچھ نہیں کہا گیا۔ بہتر ہے کہ اصل تجویز کو پاس کر دیا جائے"۔

مسٹر مظہر الحق نے کہا: "میں خدا کا شکر ادا کرنے کے لئے کھڑا ہوا ہوں۔ گذشتہ سال جب یہ ترمیم پیش کی گئی تھی تو میرے سوا اور کوئی ترمیم پیش کرنیوالا بھی موجود نہ تھا مگر اس سال میرے حامی ایک خاص تعداد میں ہیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اس سال بھی مجھے شکست ہوگی مگر سال دو سال میں ہم دکھا دیں گے کہ کامیاب ہم ہیں یا وہ۔ سیاسیات میں ہم ابھی نوآموز ہیں۔ مسلمانوں کا اصول زندگی یہ ہونا چاہئے کہ وہ تمام قوموں سے آگے بڑھے رہیں۔ مجھے پورا یقین ہے کہ مسلمانوں کی ترقی، ہندوؤں کی ترقی، ہمارے ملک کی ترقی اسی امر پر منحصر ہے کہ ہم دونوں میں اتحاد پیدا ہو۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کو متحد ہو کر کام کرنا چاہئے"۔

نواب اسد علی خاں (مدراس) نے ترمیم کے خلاف اور آنریبل نواب ذوالفقار علیخاں و میجر سید حسن بلگرامی نے اس کے حق میں تقریریں کیں۔ مولانا ابوالکلام نے کہا: "میرا اس بحث میں شریک ہونیکا ارادہ نہ تھا۔ التوائے ریزولیوشن پر بحث نہیں ہے بلکہ ایک چیز ہم مانگتے ہیں اور بار بار مانگ چکے ہیں۔ اگر اس دفعہ ہم نے اس کا مطالبہ نہ کیا تو اس کے استحقاق پر کوئی اثر نہیں پڑیگا"۔ رائیں لی گئیں تو اصل تجویز کو ۹۰ اور دوسری ترمیم کو چالیس رائیں ملیں اصل تجویز منظور ہو گئی۔ پریس ایکٹ کی تنسیخ، جنوبی افریقہ کے ہندوستانیوں کیلئے حقوق شہریت، عدالتی

شعبے کی انتظامی شعبے سے علیحدگی، برطانوی فوج میں ہندوستانیوں کیلئے اعلیٰ عہدے، پنجاب کے چیف کورٹ کو ہائی کورٹ کورٹ (عدالت عالیہ) بنانے، صوبہ پنجاب اور صوبہ متحدہ کو ایگزیکٹو (انتظامی) کونسل ملنے، اور اوقاف کی حالت جاننے کیلئے ایک سرکاری تحقیقاتی کمیٹی کے قیام کا مطالبہ کیا گیا۔ فیض آباد میں بقرعید کے موقع پر ذبیحہ گاؤ میں مزاحمت کی جانے پر فساد ہو گیا تھا اس پر احتجاج کر کے حکومت پر زور دیا گیا کہ وہ عبادت گاہوں کے تحفظ اور احترام کیلئے قانون بنائے۔

مسٹر جناح وزیر ہند کی مخالفت میں

مسٹر جناح نے ایک طویل تجویز پیش کی جس میں یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ وزیر ہند کی تنخواہ انگلستان کے خزانے سے دی جائے، وزیر ہند کی کونسل کے کل ۹ ممبر ہوں جن میں سے کم سے کم ایک تہائی انتخاب سے لئے جائیں اور انھیں وائسرائے کی کونسل اور صوبوں کی کونسلوں کے انتخاب سے آئے ہوئے ممبر منتخب کریں۔ نامزد ممبروں میں سے کم سے کم نصف اہل ور لائق پبلک مین ہوں جنکا ہندوستان کے نظام حکومت سے کوئی تعلق نہ ہو اور باقی وہ افسران ہوں جو کم سے کم دس برس تک ہندوستان میں ملازمت کر چکے ہوں اور نامزدگی کیوقت ۲ سال سے زیادہ عرصے تک ہندوستان سے باہر نہ رہے ہوں۔ وزیر ہند کی کونسل کو انتظامی اختیارات حاصل نہوں بلکہ اسکا کام مشورے دینا ہو۔ کونسل کے ہر ممبر کی مدت ممبری پانچسال ہو۔ اس تجویز سے مدعا یہ تھا کہ وزیر ہند کی اس حیثیت کو گھٹایا جائے جس سے وہ کسی مغل حکمراں سے بھی زیادہ بڑھ چڑھکر "مغل اعظم" بنا ہوا تھا۔ آنریبل مسٹر رفیع الدین احمد نے مسٹر جناح کی تجویز میں یہ ترمیم چاہی کہ وزیر ہند کی کونسل میں تبدیلی یا توسیع کرتے وقت مسلمانوں کی تناسب نمائندگی کا لحاظ رکھا جائے مسٹر جناح نے اس ترمیم کو قبول کر لیا۔ اور تجویز متفقہ طور پر منظور ہوئی۔ وائسرائے ہند کا شکریہ ادا کیا گیا کہ انہوں نے لفٹنٹ گورنر صوبہ متحدہ کے حکم کو منسوخ کر کے مسلمانوں کے مذہبی حق کو تسلیم کیا ہے مسلم لیگ کیلئے ۲ لاکھ روپے کا فنڈ قائم کرنے کیلئے ایک کمیٹی بنائی گئی سر آغاخاں نے مستقل صدارت سے استعفےٰ دیدیا تھا۔ مگر انہوں نے لیگ کے قواعد ضوابط کی تبدیلی تک صدر رہنا منظور کر لیا

مسٹر جناح مسلم لیگ میں

اس سال مسٹر جناح نے لیگ کی ممبری قبول کر لی، اور ہندوؤں اور مسلمانوں کو ساتھ لیکر آئینی طریقوں سے ہندوستان کو حکومت خود اختیاری دلانے کیلئے جدوجہد شروع کر دی، انکا ارادہ ایک ڈیپوٹیشن لیکر لندن جانیکا تھا تاکہ انڈیا کونسل کی مجوزہ اصلاحات کی مخالفت کریں ایکی اسی جدوجہد کو تقویت دینے کیلئے لیگ و کانگریس میں انڈیا کونسل کیخلاف تجویزیں منظور

باب ۱۰
جنگ عظیم ۱۹۱۴ء کے اثرات

ماہ جولائی ۱۹۱۴ء میں یوروپ میں وہ خون ریز لڑائی شروع ہوئی جسے تاریخ میں جنگ عظیم ۱۹۱۴ء کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اس میں ایک طرف جرمنی، آسٹریا تھے اور دوسری طرف انگلستان فرانس، اور یورپ کی دوسری بہت سی حکومتیں تھیں۔ جنگ شروع ہوتے ہی اذیتوں، تکلیفوں، تباہیوں اور نقصانات کا تانتا بندھ گیا۔ دنیا ایک ہولناک مصیبت میں پھنس گئی۔ انسانوں کی وہ وحشیانہ قوتیں حالات کے شگافوں سے اُبل پڑیں جو تہذیب فرنگ کے زرق برق پردوں کے پیچھے چھپی بیٹھی تھیں، دنیا کے تین براعظموں کی رزمگاہیں ہلاکت اور تباہی کے اکھاڑے بن گئیں صدیوں سے سفید فام قومیں جس تہذیب کا تانا بانا تن رہی تھیں اب اس پر ایک کاری ضرب لگنے کو تھی۔ برطانیہ اپنی تاریخ کے نازک ترین دور سے گذر رہا تھا اس نے اپنی تمام قوتوں کا رُخ اس عظیم الشان کشمکش کی طرف پھیر دیا۔ وہ اپنی اور اپنے مقبوضات کی روپیہ، آدمی، اور سامان کی تمام طاقت لیکر جرمنی کا راستہ روکنے کیلئے آگے بڑھا جو بلجیم کو پامال کرنے کے بعد فرانس کے دار الخلافہ پیرس کا رُخ کر رہا تھا۔ ہندوستان کو بھی جنگ میں شریک ہونا پڑا۔ برطانیہ کا ایک مقبوضہ ہوتے ہوئے جس کی مدد کرنا اس پر فرض تھا ہندوستان نے اپنے تمام ذرائع برطانیہ کے لیئے وقف کر دیئے۔

مسلمان اور برطانیہ

ہندوستان کے مسلمانوں کی طرف سے برطانیہ کو خوف مخالفت تھا اس دلشکن رویّہ کی وجہ سے جو پچھلے تین چار برس میں

برطانیہ نے ترکی اور ایران کیساتھ اختیار کیا تھا مسلمان اس کی طرف سے بددل ہوگئے تھے۔ مسلم رہنماؤں میں سب سے زیادہ قوی اور ذی اثر محمد علی تھے۔ اُن کی آواز ملک کے ہر گوشہ تک پہنچتی تھی۔ اُن کی للکار، مسلمانوں کے دلوں میں عمل کا ولولہ لہریں لینے لگتا تھا اُن کی گرج سے آئین وحکومت کے ایوان لرزتے تھے اُن کی علمدانی، زورِ بیان، انداز تقریر و تحریر، دلائل، اصول سب اُن کی ہر دلعزیزی کے محکم اسباب تھے جن کے جادو اثر ہونے سے ان کا کوئی بڑے سے بڑا مخالف بھی انکار نہیں کرسکتا تھا۔ جنگ بلقان کے زمانے میں انہوں نے جس بے جگری سے یوروپ کے ترکی کو ہضم کرنے کے ارادوں کو بے نقاب کیا تھا اس نے انہیں حکومت کی نظروں میں "خطرناک" بنادیا تھا۔ اب کامریڈ کے ساتھ ساتھ اُن کا ایک اردو اخبار ہمدرد بھی نکل رہا تھا۔ مسلمانوں کی دوسری طاقت ابوالکلام آزاد تھے اُن کی شخصیت مسلمانوں کے لیئے ایک زندہ جادو تھی۔ محمد علی کی آواز ایک نقارہ تھی۔ آزاد کا قلم مسلمانوں کی رگ حمیت و احساس کے لیئے نشتر سے زیادہ تڑپا دینے والی چیز تھا۔ مذہب کے ساتھ ادب کی چاشنی اور قادر الکلامی نے ابوالکلام کو اور بھی زیادہ بے پناہ ہتھیار بنادیا تھا جنگ بلقان کے دوران میں انہوں نے ہندوستان کو اپنی درد انگیز تحریروں سے بلبلا دیا تھا جسارت بیباکی اور جرأت گفتار کے سبب سے شمشیر برہنہ سے کم نہ تھے۔ ظفر علی خاں کی نکتہ چینیاں دلدوز تیروں کی مانند مخالف کو چھلنی کردیتی تھیں۔

یہ سیاسی رہبر اور اُن کے پیرو انگریزوں سے مایوس، "دل برداشتہ" اور "متنفر" تھے۔ انہوں نے طرابلس وبلقان کی جنگوں کے زمانے میں ہر قسم کی قربانیاں دیکر برطانیہ کے خلاف اور ترکوں کے حق میں آواز اُٹھائی تھی مگر جنگ عظیم شروع ہوئی تو انہوں نے مسلمانوں کو یہی مشورہ دیا کہ برطانیہ سے رشتۂ تعاون توڑنا خلاف دانشمندی ہے۔ محمد علی نے کامریڈ میں اس موضوع پر لکھتے ہوئے انگریزوں کے گذشتہ دلدوز طرز عمل پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا "اس سب سے قطع نظر ہمارے لیئے اپنی موجودہ قومی وجماعتی ارتقائی موجودہ منزل میں انگلستان کے زیر تربیت رہنا لازمی ہے ہم اس کے وفادار رہیں گے" مگر حکومت

برطانیہ اپنے اس اندیشے سے دستبردار نہ ہوئی کہ اگر ترکی برطانیہ کے خلاف جنگ میں شامل ہوا تو ہندوستان کے مسلمانوں میں ضرور بے چینی پھیلے گی جو ہندوستان میں برطانوی راج کے استحکام پر ضرب لگا سکتی ہے۔

ترکی اور مسلمانانِ ہند کا تعلق

سلطان ترکی ساری دنیا کے مسلمانوں کے لیئے خلیفۃ المسلمین، سلطان الاسلام، خادم حرمین شریفین، روحانی امام، وارث دین، اور جانشین رسول تھا۔ اس کی سلطنت کو نقصان پہنچنا اسلام کی شہ رگ پر نشتر لگنے کے برابر تھا۔ اسلام صرف ایک مذہب نہیں بلکہ زندگی کا ایک مکمل ضابطہ یا نظام ہے وہ اپنے پیروؤں کو ایک ایسے سلسلے میں لے آتا ہے جس میں رنگ، نسل اور قوم کا فرق کوئی چیز نہیں۔ ہر مسلمان رشتۂ اخوت کے ماتحت دوسرے مسلمان کا بھائی ہے خواہ اس کی ذات، حیثیت یا فرقہ کچھ بھی ہو۔ اسلام میں عبادتیں اور عملی و مذہبی لوازمات بھی ہیں مگر یہ مذہب صرف عباوتوں کا مجموعہ بنکر نہیں رہ جاتا، بلکہ مذہب کو سیاسیات کے ساتھ اس طرح ملاتا ہے کہ ان کو ایک دوسرے سے جدا کرنا کسی طرح ممکن نہیں رہتا حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مسلمانوں کے اعتقاد کے مطابق دنیا کے لیے آئیڈیل (مثالی) انسان کا اکمل ترین نمونہ تھے، اس نظام کو دنیا کے سامنے پیش کیا تھا جب آپ اس کام کو انجام تک پہونچا چکے تو مشیئت ایزدی نے آپ کو دنیا کی آنکھوں سے چھپا لیا اور یہ خدمت آپکے جانشین جنہیں مسلمان کثرت رائے سے منتخب کرتے تھے، انجام دیتے رہے، اسی کو خلافت کہتے ہیں۔

جس وقت جنگ عظیم شروع ہوئی، منصب خلافت سلطان ترکی کے زیب دوش تھا جو اس حیثیت میں اسلام کے مذہبی سرعسکر مقامات مقدسہ کے نگراں و محافظ اور ان کی حرمت کے ضامن تھے۔ مقامات مقدسہ وہ ہیں جو جزیرۃ العرب کے اندر واقع ہیں اور مسلمانوں کے نزدیک متبرک ہیں جیسے مکۃ مکرمہ، مدینہ منورہ، بیت المقدس، مسجد اقصیٰ، نجف اشرف، کاظمین، کربلا بغداد شریف وغیرہ۔ جزیرۃ العرب، لسان العرب اور قاموس جیسی مستند عربی ڈکشنریوں کے

نزدیک وہ علاقہ ہے جو طولاً عدن سے شام تک اور عرضاً جدہ سے عراق کی زراعتی نشیبی سرزمین تک ہے۔ صدیوں سے ترک ان مقامات اور اسلام کی حفاظت کے لئے جنگ کے میدانوں میں بیدریغ اپنا خون بہاتے آئے تھے۔

مسلمانانِ ہند ہندوستان میں انگریزوں کے محکوم تھے اور تقریباً ایک صدی سے برطانیہ کے زیرِ سایہ پُرامن زندگی بسر کرتے چلے آتے تھے مگر خلافت اور ترکوں کے متعلق اُن کے جذبات بہت گہرے تھے۔ ترکوں سے ان کی ہمدردی مذہب کی بنیاد پر قائم تھی۔ یہ اُن معنوں میں کوئی سیاسی تحریک نہ تھی جن میں یورپ والے اور یورپ والوں کے اثر زدہ لوگ اس ترکیب کو استعمال کرتے ہیں۔ بلکہ یہ ایک مذہبی جذبہ تھا۔

ترک برطانیہ کے خلاف میدانِ جنگ میں

جنگِ عظیم کے آغاز کے وقت ترکوں کی حالت بہت خراب تھی دوسری یورپین حکومتوں کے مقابلہ میں بہت کمزور تھے۔ برطانیہ کے وزیرِ اعظم نے اعلان کیا کہ اگر ترک اس لڑائی میں غیر جانب دار رہیں تو اتحادی انہیں مزید دس سال تک اپنا وجود قائم رکھنے کی طمانیت دلا سکتے ہیں۔ جو ترکوں کی سیاسی ہستی کو ایک چیلنج تھا۔ ترکوں میں دو جماعتیں تھیں۔ جو جماعت انگریزوں کے خلاف تھی اس چیلنج سے اس کے ہاتھ مضبوط ہو گئے۔ اور ترکی برطانیہ کے مخالف کی حیثیت سے جنگ میں کود پڑا۔ جنگ سے پہلے ایک مدت سے ترک اپنی کمزوریوں اور روس کے پنجۂ استبداد کو اپنے گلے کی طرف بڑھتے دیکھ کر انگلستان اور فرانس سے یہ درخواستیں کر رہے تھے کہ ہمیں سایۂ حفاظت میں لے لیا جائے مگر انگلستان روس سے سمجھوتہ کر چکنے کی وجہ سے ان درخواستوں پر توجہ دینے کے لئے تیار نہ تھا۔ جنگ چھڑ جانے کے بعد ترکوں کے سامنے جرمنی کا ساتھ دینے کے سوا اور کوئی راستہ ہی نہ رہا۔

مسلمانانِ ہند کا اضطراب

گذشتہ تین چار سال میں مسلمانانِ ہند میں بڑی بےچینی پھیل چکی تھی۔ انکی نظریں عالمِ اسلامی کی سیاسیات کی طرف اٹھی ہوئی تھیں وہ نہایت اضطراب کیساتھ دیکھ رہے تھے کہ یورپ کی حکومتیں

ترکوں کے ساتھ ہر قسم کی ناانصافی کر گذرنے پر کمربستہ ہیں۔ انگریزوں کی طرف سے ان کے دلوں میں خصوصیت کے ساتھ غم وغصہ تھا۔ مسلمانان ہند کی خواہشات اور ان کے احتجاجوں کو ٹھکراتے ہوئے انگریز مسلسل ترکوں کے خلاف ریشہ دوانیاں کر رہے تھے اور دیگر یورپی سلطنتوں سے مل کر انہوں نے یورپ میں منصوبوں کا ایسا جال بچھا دیا تھا کہ ترکوں کی شکست یقینی ہوگئی تھی۔ یہ خبر سن کر کہ ترکوں نے انگریزوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا ہندوستان کی اسلامی دنیا میں اس سرے سے اُس سرے تک تشویش کی ایک برقی رَو دوڑ گئی۔ مسلمان دو متضاد مگر سخت قسم کی کششوں سے کھینچے جانے لگے۔ اگر وہ ٹرکی کے خلاف برطانیہ کی امداد کا خیال کرتے تھے تو مذہب مانع آتا تھا۔ اور اگر حکومت برطانیہ کی امداد سے پہلوتہی کرتے تھے تو فریضۂ محکومیت کی تعمیل نہ ہوتی تھی۔

لارڈ ہارڈنگ کا تاریخی اعلان اور اُس کا اثر

حکومت برطانیہ مسلمانوں کی اس کشمکش سے بے خبر نہیں تھی۔ ۲۰ نومبر ۱۹۱۴ء کو لارڈ ہارڈنگ وائسرائے ہند نے حکومت ہائے انگلستان و فرانس و روس کی طرف سے ہند میں یہ اعلان کیا۔ "برطانیہ عظمیٰ اور ترکی میں جنگ چھڑ جانے کو پیش نظر رکھکر (جس کے بارے میں برطانیہ عظمیٰ کو ملال ہے کہ وہ سلطنت عثمانیہ کے غیر دانشمندانہ، اور بالارادہ عمل سے جبکہ کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کی گئی تھی ہوئی ہے)، ہز مجسٹی کی گورنمنٹ ہز ایکسیلنسی وائسرائے کو عرب کے مقدس مقامات کے بارے میں، جن میں مزارات شام اور بندرگاہ جدہ بھی شامل ہیں، ذیل کا اعلان شائع کرنے کا اختیار دیتی ہے تاکہ ہز مجسٹی کی گورنمنٹ کے طرز عمل کے بارے میں جس کی بنا کوئی مذہبی قضیہ نہیں ہے، غلط فہمی نہ ہو۔ یہ مقامات مع جدہ برطانیہ کے بحری بیڑے اور افواج کے حملہ و تاراجی سے اس وقت تک محفوظ ہوں گے جب تک مقدس مقامات اور مزارات کے ہندوستانی حجاج اور زائرین کے ساتھ کوئی مزاحمت نہ کی جائے۔ ہز مجسٹی کی گورنمنٹ کی درخواست پر حکومت ہائے فرانس و روس نے بھی اسی قسم کے یقین دلائے ہیں۔"

اس سے مسلمانوں کو یقین آگیا کہ اگر جنگ میں ترکوں کو شکست بھی ہوگی تو وہ سرزمین

جن پر مقامات مقدسہ واقع ہیں ترکوں کی سلطنت سے جدا نہ کی جائیں گی اور خلافت اسلام کے پارہ پارہ ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے۔

کامریڈ اور ہمدرد کی ضمانت ضبط

آغاز جنگ کے زمانے میں جبکہ ترکوں نے جنگ میں برطانیہ کے خلاف شامل ہونیکا فیصلہ نہ کیا تھا، انگلستان کے مشہور اخبار ٹائمز آف لندن نے چوائس آف دی ٹرکس (ترکوں کا انتخاب) کے عنوان سے ایک لیڈنگ آرٹیکل (افتتاحی مقالہ) میں ترکوں کو دہمکی دی کہ اگر وہ زندہ رہنا چاہتے ہیں تو برطانیہ کے خلاف جنگ میں شریک نہ ہوں یہاں تک یونان پر بھی پیش قدمی کریں۔ محمد علی اس مضمون کو پڑھکر غصہ اور جوش سے بے قابو ہو گئے۔ اور چالیس گھنٹے کی مسلسل نشست میں اسی وقت اس مضمون کا ترکی بہ ترکی جواب اسی عنوان سے لکھا۔ مضمون چھپا تو کامریڈ کے بائیس کالموں پر پھیلا۔ اس میں پوری تفصیل سے بتایا گیا تھا کہ اسلامی ممالک میں برطانیہ نے کن کن چالوں سے وہاں کی حکومتوں کی طاقت اور ان کے وقار کو برباد کیا ہے اور برطانوی وزراء نے کس طرح ترکی کے سلطان اور مسلمانوں کے خلیفہ کو زوال اور تباہی کے غار کی طرف دھکیلنے کے لئے یورپ کی دوسری حکومتوں کے ساتھ سازشیں کی ہیں۔ یہ مضمون کسی اخبار کا وقتی یا ہنگامی مضمون نہیں بلکہ دنیائے اسلام میں برطانوی استبداد کی ریشہ دوانیوں کا مکمل افسانہ تھا جس سے حکومت برطانیہ کے ارادے اور مقاصد بالکل بے نقاب ہو جاتے تھے۔ حکومت نے اس مضمون کو شائع کرنے کی پاداش میں ہمدرد اور کامریڈ کی ضمانت ضبط کر لی۔ مولانا نے اپیل کی جو نامنظور ہو گئی۔ کامریڈ ختم ہو گیا مگر اس نقصان کے باوجود جو ذاتی نقصان بھی تھا اور قومی بھی، محمد علی نے مسلمانوں کو یہی مشورہ دیا کہ وہ صبر کریں اور آئین کی حدود سے باہر نہ جائیں۔ انہوں نے لکھا۔ "مسلمانان ہند ان وعدوں پر جو ان سے مقامات مقدسہ اور مذہب کے سلسلہ میں انگریزوں اور ان کے اتحادیوں نے کئے ہیں، پوری طرح اعتماد رکھتے ہیں۔ مگر حکومت کو یہ بات خوب اچھی طرح جان لینی چاہیئے کہ جزیرۃ العرب پر حملہ نہ کیا جائے نہ مقامات مقدسہ کی حفاظت

کو خطرہ میں ڈالا جائے جو کامل آزاد اسلامی طاقت کے ذریعہ سے کی جاتی ہے۔ ریوٹر کے نمایندہ کو بیان دیتے ہوئے انہوں نے کہا " میں تو پہلے بھی ایک مضمون میں پیش گوئی کر چکا تھا کہ اگر ترکوں سے جنگ چھڑ گئی تو بھی ہم ہندوستانی مسلمان اپنی وفاداری پر قائم رہیں گے اور اب جبکہ جنگ چھڑ گئی ہے۔ میں مکرر کہتا ہوں کہ وفاداری اب بھی قائم ہے "

ہندوستان کی سیاسی توقعات

غرض ہندوستان کی ہر قوم اور فرقہ نے یکساں مستعدی و جان نثاری کیساتھ جنگ میں برطانیہ کی امداد کی۔ یہ کوئی تجارتی سودا نہیں تھا۔ بلکہ ہندوستانیوں نے اسے اپنا ایک اخلاقی فرض سمجھا۔ البتہ وہ یہ ضرور دیکھ رہے تھے کہ ان زبردست تبدیلیوں کے بعد، جو اس عظیم الشان اور عالمگیر جنگ میں ہو رہی ہیں، دنیا چپکے سے اپنی زندگی اور خیالات کے پرانے گھونسلوں میں واپس نہ چلی جائے گی۔ بلکہ اس کو بلند تر مقام پر آشیانہ بنانے کا موقع حاصل ہوگا۔ سیاسی اور معاشرتی ترقی کا جو سرمایہ دنیا نے اس وقت تک صدیوں کی جانکاہ محنت و مشقت سے جمع کیا تھا وہ خون اور آگ کی رو میں بہا چلا جا رہا تھا، تہذیب کا سارا ڈھانچہ ٹوٹ پھوٹ چکا تھا۔ روایات، رولج، معاشرتی نظام، ان سب کا بوجھ ہر ملک نے اتار پھینکا تھا کیونکہ اسے دشمن کی گولی کی زد سے پھرتی کے ساتھ ہٹ کر اپنی جان بچانی تھی۔ انتقام اور خون کی بھٹی میں جل کر دنیا کا کھوٹ دُور ہو رہا تھا۔ یہ ظاہر تھا کہ جب یہ ہولناک آزمائش گذر جائے گی تو انسانیت کی آزاد روح زندگی کا نیا نقشہ بنائے گی۔ دنیا نئے انداز سے تعمیر ہوگی۔ آسودگی اور آزادی کے میدان کو زیادہ وسعت دیکر پہلے سے کہیں زیادہ سرسبز و شاداب بنا دیا جائے گا۔ آسودگی اور طمانیت کے بڑے بڑے عالیشان قصر ان پرانی اور بوسیدہ عمارات کی جگہ آسمان کی نیلی فضا کے مقابل فخر و ناز سے اپنے اپنے سر اٹھائے کھڑے ہوں گے۔ ان کے دلیر اور بیباک معمار زندگی کی عمارت کو نئے ڈھب سے اٹھائیں گے جس پر آزادی اور آسودگی نثار ہوگی۔ جو جنگ میں فتحمند ہونے کے بعد ان کو غلام بنانے کا ارادہ رکھنے والوں کو

ختم کر چکے ہوں گے وہ دوسروں کو بھی جو زیر دام ہیں آزاد کر کے فضا میں اڑنے کی اجازت دیں گے۔ ہندوستان خود کو اس نعمت کا سب سے بڑا حقدار سمجھتا تھا اور اس کا خیال تھا کہ جنگ میں بے دریغ امداد کرنے کے صلہ میں برطانیہ اسے خود اختیار بنا دیگا۔

ہندو مسلم اتحاد کی ضرورت

مگر ہندوستان کے مطالبات اسی حالت میں اثردار ثابت ہو سکتے تھے جب ہندو مسلمان مل کر کام کرتے۔ ہندو مسلم اتحاد ایک ملکی ضرورت بن گیا۔ ۱۹۰۹ء میں منٹو مارلے ریفارمز کی شکل میں خود اختیار حکومت کی ایک قسط ملی تھی۔ اسی کے سلسلہ کی دوسری قسط دینے کے لیئے ۱۹۱۷ء میں حکومت کو ہندوستان کے حالات پر تحقیقاتی نظر بھی ڈالنی تھی۔ ہندو مسلم رہنماؤں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر ہم اس وقت تک ہندو مسلم نزاعی مسائل کا تصفیہ کر کے متحد ہو جائیں اور حکومت کے سامنے اس نحو خود اختیار حکومت کا ڈھانچہ خود ہی بنا کر پیش کر دیں جو ہندوستان کے لیئے طلب کرنا چاہتے ہیں تو یقیناً حکومت متحدہ مطالبہ کو تسلیم کر کے مطلوبہ حکومت خود اختیاری دینے پر مجبور ہو جائے گی مسلمان اپنے جداگانہ حقوق کا قانوناً تحفظ ہو جانے کے بعد ہندوؤں سے اتحاد کرنے کے لیئے ہاتھ بڑھا رہے تھے مسلم لیگ میں ایک طبقہ ایسا بھی پیدا ہو گیا جو اس پر زور دینے لگا تھا کہ مسلمان ہندوؤں سے جداگانہ حقوق پر زیادہ اصرار نہ کریں بلکہ آگے بڑھ کر ملک کی ترقی میں حصہ لیں۔ اس پر لیگ کے زیادہ پرانے کارکنوں اور اس طبقہ میں جو زیادہ تر پر جوش نوجوانوں پر مشتمل تھا کچھ اختلاف رائے بھی پیدا ہو گیا تھا۔ پرانے کام کرنیوالوں کے سرگروہ سر آغا خاں اور رائٹ آنریبل سید امیر علی تھے۔ نوجوان طبقے میں زیادہ نمایاں مسٹر مظہر الحق، مسٹر محمد علی اور مسٹر سید وزیر حسن تھے۔ مگر لیگ کے ان دونوں بازوؤں کا اختلاف ناگواری اور تلخی کی حد تک نہ بڑھا۔ مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے ملکی ترقی اور مسلمانوں کے جداگانہ حقوق کے تحفظ دونوں کے لیئے کام ہوتا رہا۔

کانگریسی سیاستدان بھی مسلمانوں سے سمجھوتہ کرنے پر مائل دکھائی دیتے تھے۔ اول تو وہ دیکھ رہے تھے کہ مسلمانوں میں سیاسی بیداری روز افزوں ترقی پر ہے اور مسلمان عملی سیاست

میں بھی روز بروز آگے بڑھکر زیادہ کارآمد ورکر بنتے جارہے ہیں۔ دوسرے ۱۹۱۷ء میں ہندوستانیوں کو ہندوستان کی حکومت میں زیادہ حصہ دینے کیلئے نئی قسط اصلاحات ملنے والی تھیں۔ اس کے سلسلہ میں ہندوستانیوں کے مطالبات اسی وقت موثر ہو سکتے تھے جب ہندو مسلمان متحدہ طور پر متفق اللفظ ہو کر اپنے قومی حقوق مانگتے۔ کانگریس نے ماہ مئی ۱۹۱۴ء میں انڈیا کونسل کی تجاویز اصلاحات سے اختلاف ظاہر کرنے اور ان پر ہندوستانیوں کا عدم اعتماد ظاہر کرنے کے لیئے اپنا ایک وفد بھی لندن بھیجا تھا جس کے ممبر آنریبل مسٹر مظہر الحق مسٹر جناح، مسٹر ایس سہنا اور لالہ لاجپت رائے تھے۔ اس وقت کانگریس کا مسٹر جناح پر بڑا زبردست اعتماد تھا۔ اس وفد کے ممبروں میں مسٹر جناح ہی کو کانگریس کی ترجمانی کا اختیار دیا گیا تھا۔

قاصد اتحاد جناح کی سعی و کوشش

جو لیڈر ہندو مسلم اتحاد کے لیئے سرگرم جدوجہد کر رہے تھے ان میں بھی مسٹر جناح کا نام سب سے نمایاں ہے۔ اس وقت سب کی نظریں مسٹر جناح کی طرف اٹھی ہوئی تھیں بقول گاندھی جی بچے بچے کی زبان پر ان ہی کا نام تھا۔ ہندو مسلمان سب ان سے اس کارنامے کے متوقع تھے کہ وہ بہت جلد ہندوؤں اور مسلمانوں کے لیئے مشترکہ و متحدہ سیاسی میدان تیار کر دیں گے۔ مسٹر جناح اور دوسرے اتحاد پرور رہنماؤں کی ہندو مسلم اتحاد کی کوششوں کو کامیاب دیکھنے کی آرزو مسلمانوں کے سینوں میں بھی موجود تھی۔ عالم اسلام کے مصائب نے انہیں سیاسی غفلت کے خواب سے جھنجوڑ کر بیدار کر دیا تھا۔ کانگریس نے مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے اصول کو مان لیا تھا۔ اس کو تسلیم کیئے بغیر ۱۹۱۷ء کی اصلاحات میں ہندوستانیوں کے مطالبات پورے ہونے مشکل تھے۔

محمد علی نظر بند

کامریڈ کی ضمانت کی ضبطی کیخلاف محمد علی نے عدالت عالیہ الہ آباد میں اپیل کی تھی۔ اپنی طرف سے وکیل نہ کھڑا کرتے ہوئے انہوں نے خود ہی مقدمے میں بحث اور جرح کی اور ایسی قابلیت اور ذہانت کا ثبوت دیا کہ وہ تمام وکلاء و بیرسٹر

اور تماشائی جن سے کمرۂ عدالت بھرا ہوا تھا عش عش کر اُٹھے مگر ضمانت کی ضبطی کا حکم بحال رہا جس سے کامریڈ بند ہو گیا۔ اس دن سے محمد علی دیگر سب کاموں کو چھوڑ کر سیاست ہی کے ہو رہے۔ جنگ عظیم میں برطانیہ کی روش مسلمانوں کے لئے روز بروز زیادہ اندیشہ ناک ہوتی جارہی تھی۔ عرب پر حملہ ہوا۔ شریف مکہ نے اتحادیوں کی شہ پاکر ترکوں سے بغاوت کی۔ عربوں نے اتحادیوں کے اس وعدے پر یقین کرتے ہوئے کہ انہیں آزادی مل جائے گی، ترکوں کے خلاف جنگ میں حصہ لیا۔ وہ وعدے ٹوٹنے لگے جو اتحادی حکومتوں نے ہندوستان کے مسلمانوں سے کئے تھے۔ مسلمانوں کی بے چینی بڑھی۔ محمد علی کی بغاوت کی حد تک پہنچنے والی مخالفانہ سرگرمی بڑھی۔ حکومت کا قانونی پنجہ آگے بڑھا۔ خطرناک لوگوں کے لیے ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ (قانون تحفظ ہند) بنایا گیا۔ یہ ہنگامی قانون ہے جس سے مقامی حکومت کو دوران جنگ میں امن و امان قائم رکھنے کے لئے غیر معمولی اور خصوصی اختیارات حاصل ہو جاتے ہیں۔ ۱۷ مئی ۱۹۱۵ء کو دہلی کے مجسٹریٹ کے حکم سے محمد علی شوکت علی نظر بند کر دئے گئے۔

مسلم لیگ کا احتجاج

مسلم لیگ کے ایک بڑے طبقہ کی ہمدردیاں شدت کیساتھ محمد علی، شوکت علی سے وابستہ تھیں۔ ۱۷ جون کو لیگ کی کونسل کا ایک ہنگامی جلسہ ہوا۔ اس میں محمد علی شوکت علی کی نظر بندی کا مسئلہ زیر غور آیا۔ نوجوان طبقہ کی رائے حکومت کے سخت خلاف تھی۔ اور وہ حکومت کے خلاف ایجی ٹیشن کرنے کا خواہشمند تھا۔ مگر زیادہ آزمودہ کار لوگوں نے انہیں یہ سمجھایا کہ دوران جنگ میں حکومت کے خلاف ایجی ٹیشن کرنے سے حالات نازک شکل اختیار کر سکتے ہیں۔ لیگ کی میٹنگ میں اس بارے میں کوئی فیصلہ نہ ہو سکا اور اسے ملتوی کر دیا گیا۔ خیال یہ تھا کہ حکومت جلد ہی نظر بندی کی پابندی ہٹا لیگی۔

مسٹر جناح ہندو مسلم اتحاد کی کوشش میں کامیاب

مسٹر جناح اور دوسرے ہندو مسلم رہبروں کی ہندو مسلم اتحاد

کوشش پھل لائی۔ باہمی سمجھوتے کے آثار بالکل قریب دکھائی دینے لگے۔ دسمبر ۱۹۱۵ء میں کانگریس کا سالانہ اجلاس بمبئی میں ہونے والا تھا مسٹر جناح نے مسلم رہنماؤں کو یہ صلاح دی کہ اس سال مسلم لیگ کا اجلاس بھی بمبئی میں منعقد کیا جائے تاکہ زیادہ آسانی کے ساتھ ہندو مسلم رہنماؤں میں تبادلۂ خیالات ہو سکے۔

اس سال سالانہ اجلاس منعقد کرنے کے بارے میں لیگ دو گروہوں میں منقسم ہو گئی۔ ایک کہتا تھا کہ جنگ عظیم جاری ہے اور ترک برطانیہ کے خلاف برسر پیکار ہیں۔ اس لئے سالانہ اجلاس منعقد نہیں کرنا چاہیئے مبادا کسی ایسی بات کا اظہار ہو جو مشکلات پیدا کر دے۔ اس گروہ میں ایسے قابل ذی حیثیت اور آزمودہ کار لوگ تھے جو اپنی گذشتہ خدمات کی وجہ سے یقیناً سنے جانے کا حق رکھتے تھے۔ مگر یہ لوگ بہت قلیل تعداد میں تھے۔ دوسرے گروہ میں بھی دو پارٹیاں تھیں۔ ان میں سے ایک کی یہ رائے تھی کہ اجلاس بمبئی میں نہیں ہونا چاہیئے۔ لیگ کا کانگریس سے اس قدر قریب ہو جانا اس کی زندگی کے لیئے مضر ثابت ہوگا۔ دوسری پارٹی جو سالانہ اجلاس بمبئی میں منعقد کرنے کے حق میں تھی، یہ پارٹی الزام لگاتی تھی کہ وہ لوگ لیگ کی آزادی سلب کرا کے اسے کانگریس میں جذب کرنے کے خواہشمند ہیں۔

صوبۂ متحدہ کو کونسل نہ ملنے پر احتجاج

لیگ ایک عرصہ سے یہ مطالبہ کر رہی تھی کہ صوبۂ متحدہ کو گورنر کا صوبہ بنایا جائے۔ ۱۹۱۵ء میں برطانوی پارلیمنٹ میں اس کے لیئے تجویز پیش ہوئی مگر دارالامراء کے ممبروں نے اپنے خصوصی اختیار سے اسے نامنظور کر دیا۔ لیگ کی کونسل نے اس پر سختی سے احتجاج کیا حکومت نے علی برادران کو بلا وجہ نظر بند کر رکھا تھا اور مسلمانوں کی پیہم اپیلوں کو ٹھکرا رہی تھی ۲۵ ستمبر ۱۹۱۵ء کو لیگ کونسل نے یہ رائے ظاہر کی کہ علی برادران کے طرز عمل سے ایسی کوئی بات ظاہر نہ ہوئی تھی جس سے ان پر ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کے ماتحت نظر بندی کی پابندی عائد کرنے کی ضرورت ہو۔ انہیں آزاد کر دیا جائے۔ وائسرائے نے علی برادران کو الاؤنس دیا تھا۔ اس کے لیئے وائسرائے کا شکریہ ادا کیا گیا۔

باب ۱۱

ہندو مسلم اتحاد کی طرف

لیگ کا آٹھواں سالانہ اجلاس بمبئی ۱۹۱۵ء

بوڑھے سیاستدانوں کی مخالفت کے باوجود لیگ کا اجلاس کانگریس کے ساتھ ساتھ بمبئی ہی میں ہوا۔ یہ کامیابی مسٹر جناح، سید وزیر حسن، اور مسٹر مظہر الحق وغیرہ کی کوششوں سے ہوئی تھی موخر الذکر، جو ہندو مسلم اتحاد کے سب سے بڑے حامی تھے، اس اجلاس کے صدر رہے تھے۔ اجلاس ۱۹۱۰ء میں انہوں نے مسلمانوں کے جداگانہ حق نیابت کی مخالفت کی تھی۔ گو انہیں معلوم تھا کہ سارا ایوان اُن کے خلاف ہے۔ ۱۹۱۳ء میں جب اس قسم کی تجویز لیگ میں سہ بارہ برائے منظوری پیش ہوئی تھی تو انہوں نے پھر صدائے مخالفت بلند کی تھی۔ اس مرتبہ چند نمایاں مسلم رہبران کے ہمنوا بھی تھے۔ مسلم لیگ کے اس اجلاس کو ہندوستان کی تاریخ میں نمایاں اہمیت حاصل رہے گی۔ اسی پر ہندو مسلم اتحاد کی بنیاد رکھی گئی۔ لیگ کی فضا پر جذبۂ اتحاد شدت سے طاری تھی۔ کانگریس کے نمایاں لیڈر اور والنٹیر جلسے میں شریک تھے۔ پنڈال کے صدر دروازے پر کتبہ آویزاں تھا۔ "اتحاد ہی طاقت ہے"۔

مولانا محمد علی کا تار

خطبۂ صدارت سے قبل مولانا محمد علی کا تار پڑھکر سنایا گیا:۔ "اس اجلاس کی تاریخی نوعیت کا مجھے اندازہ ہے مگر میں ایسی حالت میں نہیں ہوں کہ آپ لوگوں کے پاس آسکوں۔ میں خداوند کریم سے دُعا کرتا ہوں کہ وہ کارروائیوں کی رہبری کرنے میں آپ کی مدد کرے۔ اور ہمیں ہمارے ایمان کی قوت سے محفوظ بنادے

میں بھروسہ کرتا ہوں کہ آنے والی نسلیں آپ کو اور آپ کے شرکائے کار کو دعا دینگی۔ اور قیامت کے دن ہم اس کے اور اپنے پیغمبرؐ کو منہ دکھاتے ہوئے شرمساری محسوس نہ کریں گے۔ اللہ کا نام لیکر آگے بڑھیئے۔ خدا آپ کے ساتھ ہو"

مسٹر مظہر الحق کا خطبۂ صدارت

مسٹر مظہر الحق نے اپنے خطبۂ صدارت میں ہندو مسلم تعلقات مسلمانوں اور گورنمنٹ کے تعلقات مسلمانوں کے فرائض، ہندوستانیوں کو سول سروس، فوجی عہدوں بحری بیڑے کی اسامیوں دفتری نوکریوں وغیرہ میں زیادہ حصہ دیئے جانے، ہندوستان کے افلاس، تعلیم عامہ، پریس ایکٹ کی زیادتیوں، مسلم لیڈروں کی نظربندی، مذہبی عمارات کے تحفظ، حکومت خود اختیاری کے مطالبے اور بعد از جنگ اسلامی حکومتوں سے، جو برطانیہ کے خلاف میدان میں کودپڑی تھیں، نرم سلوک کرکے دنیائے اسلام کو ممنون کرنے وغیرہ مسائل پر بحث کی "ہندو مسلم تعلقات پر انہوں نے کہا "میں ہندوستانی مسلمان ہوں۔ کسی ایسے سوال پر جس کا تعلق ہندوستان کی بہبودی اور ہندوستانیوں کے لیئے مطالبۂ انصاف سے ہو میں اول بھی ہندوستانی ہوں اور آخر بھی ہندوستانی ہوں۔ لیکن کسی ایسے معاملے میں جس کا تعلق خدا اور رسول سے ہو میں پہلے بھی مسلمان ہوں اور آخر بھی مسلمان ہوں۔ ہمیں اپنی تنظیم اس طرح کرنی چاہیئے کہ ہماری آواز کا ملک اور حکومت دونوں احترام کریں۔ ساری قوم کی آواز ایک ہوگی تو اسے نظرانداز کرنا آسان نہ ہوگا" حکومت اور ہندوستانیوں کے تعلقات پر بحث کرتے ہوئے انہوں نے مسلمانوں کو حکومت کے وفادار رہنے کی تلقین کی۔ حکومت نے ہندوستانیوں کے لیئے جو کچھ کیا اسکا اعتراف کیا۔ مگر یہ کہا کہ ابھی اس ملک کے فرزندوں کو حکومت میں کوئی حقیقی حصہ نہیں ملا ہے صرف یہی نہیں کہ حکومت کی پالیسی ہی بنانے میں انہیں کوئی حصہ نہیں دیا جاتا ہے بلکہ سرکاری ملازمتوں میں بھی ہندوستانیوں کو ابھی تک کافی حصہ نہیں حاصل ہوا ہے۔ بحری بیڑے اور ڈپلومیٹک سروس کا ذکر کرکے انہوں نے بتایا کہ ان میدانوں میں ہندوستانیوں کو بڑھنے کا بہت کم موقع دیا گیا ہے۔

تعلیم، تجارت وصنعت اور ازالۂ افلاس کے سلسلے میں بھی حکومت نے ہندوستان کی بہتری کے لیئے اب تک کچھ نہیں کیا ہے۔

پریس ایکٹ اور انڈیا ایکٹ

انہوں نے کہا "مسلمان پریس ایکٹ، اور ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ سے شدید طور پر بےچین ہیں اور مسلم ہندوستان کے ترجمان کی حیثیت سے اپنے فرائض کی ادائیگی میں بہت زیادہ لاپرواہ ثابت ہوں گا اگر میں اس موضوع پر ان کے جذبات کو ایک صدائے احتجاج کی شکل میں پیش نہ کروں گا

" مجھے خوب یاد ہے کہ امپیریل کونسل نے پریس ایکٹ کو اس شرط پر منظور کیا تھا کہ یہ انارکسٹوں کے لیئے ہوگا اور ان پُرامن شہریوں پر اسے استعمال نہیں کیا جائے گا جو لوگوں کے جذبات اور اُن کے احساسات کو افسران حکومت پر ظاہر کرنا چاہیں گے۔ مگر نتیجہ کیا ہے؟ سارے اسلامی اخبارات کو اس سے یا تو ختم کر دیا گیا ہے یا وہ نیم جاں حالت میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ کامریڈ اور ہمدرد کا گلا گھونٹ دیا گیا، مسلم گزٹ ختم ہو گیا۔ الہلال بند ہے۔ زمیندار بے آب ورنگ زندگی بسر کر رہا ہے کیونکہ پریس ایکٹ کی تلوار اس کے سر پر لٹکی ہوئی ہے۔ کیا لوگ اس پر ناراض نہ ہوں؟ اور کیا ان کے احساسات کو کوئی وزن نہیں دیا جائے گا؟ ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کی رو سے محمد علی، ظفر علی، شوکت علی اور دیگر لیڈروں کو آزادی سے محروم کر دیا گیا ہے۔ ہر حکومت اپنا تحفظ کرتی ہے مگر مجھے اس طریقے پر اعتراض ہے جو قانون کو چلانے میں استعمال کیا گیا ہے۔ ان لیڈروں کی نظربندی کی کوئی وجہ ظاہر نہیں کی گئی۔ حکومت کو اس مغالطے میں نہیں رہنا چاہیئے کہ مسلمان اس کے افعال کو اچھا سمجھتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ اور اب وقت آ گیا ہے کہ ان کے لیڈروں کو بہت جلد آزاد کر دیا جائے۔

لیگ کانگریس کانفرنس کی تجویز

"ضروری مسائل پر ہندوستان کے تمام باشندوں میں آپس میں اتفاق ہونا چاہیئے۔ میرے نزدیک اس کا بہترین ذریعہ لیگ اور کانگریس کا ایک مشترکہ وفد ہو سکتا ہے جس کا کام ہمارے

مطالبات کو برٹش گورنمنٹ کے سامنے پیش کرنا ہو۔ اس قسم کا کوئی وفد ترتیب پانے سے قبل ان دونوں جماعتوں کے رہنماؤں کی ایک کانفرنس ہونی چاہیئے۔ جس میں تمام باتوں اور تحفظات وغیرہ پر سمجھوتہ ہو جائے۔ مجھے یقین ہے کہ اس قسم کے سمجھوتے کو برطانوی قوم ہمدردی کی نظر سے دیکھے گی۔"

مولانا حسرت موہانی کی تجویز پر ہنگامہ

دوسرے دن کے اجلاس میں صرف تین تجویزیں منظور ہوئی تھیں۔ پہلی مسلمانوں کے اظہار وفاداری، دوسری لارڈ ہارڈنگ کی مدت ملازمت میں توسیع اور تیسری اصلاحات کی اسکیم مرتب کرنے کے لیئے ایک کمیٹی کے قیام سے متعلق تھی۔ ایجنڈے پر ایک تجویز ایسی بھی تھی جس میں تمام خود اختیار ادارہ ہائے حکومت میں جداگانہ مسلم نمائندگی کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ مسٹر فضل الحسن حسرت موہانی نے کارروائی شروع ہونے سے پہلے یہ نوٹس دیدیا۔ کہ چونکہ گورنر بمبئی اور مسلم لیگ کے مابین یہ طے ہوا ہے کہ اجلاس میں صرف اظہار وفاداری، قیام ریفارمز کمیٹی اور چند دیگر معمولی امور کے سوا اور کسی مسئلہ پر تجویز پیش نہیں ہوگی اس لیئے میں التوائے اجلاس کی تجویز پیش کروں گا۔ پہلی تجویز کرسئی صدارت کی طرف سے پیش ہوئی۔ حسرت صاحب نے تجویز التوائے اجلاس پیش کرنی چاہی۔ صدر نے انہیں اپنے حکم سے بٹھا دیا۔ جب پہلی دونوں تجویزیں پیش ہو چکیں تو صدر کے حکم پر مسٹر جناح تیسری تجویز پیش کرنے کے لیئے اُٹھے۔ حسرت صاحب نے پھر التوائے اجلاس کی تجویز پیش کرنے کی اجازت مانگی۔ صدر کی طرف سے انہیں یہ جواب ملا کہ "میں نے آپ کو پہلے ہی مطلع کر دیا ہے کہ آپکی تجویز بے ضابطہ ہے"۔ اس پر آوازیں آنے لگیں "بیٹھ جاؤ۔ صاحب صدر کو حکم نہ دو" وزیٹروں کی قطار میں سے مولوی عبدالرؤف سیکرٹری ضیاء الاسلام بمبئی فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے چلا کر کہا "مسٹر موہانی کو بولنے کا موقع ملنا چاہیئے۔ یہ جلسہ مسلمانوں کا ہے ہندوؤں کا نہیں ہے" اس طرح کچھ ابتری پھیلی۔ صدر نے حاضرین کو مخاطب کر کے کہا "میں مطلق العنانی سے

کام نہیں لے رہا ہوں۔ میں خدا پر یقین رکھتا ہوں۔ اگر آپ مسلمان ہیں تو میری بات پر یقین کریں" اس پر وزیٹروں کی قطار میں سے ایک اور صاحب اٹھے اور انہوں نے کہا "اگر تم مسلمان ہو تو تمہاری وضع قطع بھی تو مسلمانوں جیسی ہونی چاہیئے (مسٹر مظہر الحق ڈاڑھی مونچھیں منڈواتے تھے) قرآن شریف کا مطالبہ ہے کہ تم اسلامی پوشاک پہنو۔ تم کو مسلمانوں کی زبان بولنی لازم ہے۔ تم دکھلاتے تو یہ ہو کہ مسلمان لیڈر ہو مگر کبھی مسلمان لیڈر نہیں ہو سکتے"۔ جلسے میں زبردست انتشار پھیل گیا۔ بہت سے آدمی چیخنے اور غل مچانے لگے۔ اس گڑبڑ کے دوران میں بمبئی کے پٹھانوں کے سرگروہ عبدالصمد خاں اور مولوی عبدالرؤف خاں اور چند دیگر اشخاص غصے میں بولتے ہوئے ڈائس کی طرف جھپٹے۔ ان سب کے آگے سردار سلیمان حاجی قاسم مٹھا سی۔ آئی۔ ای۔ تھے۔ جو ابتداء میں مسلم لیگ کا اجلاس بمبئی میں منعقد کرنے کے خلاف تھے مگر بعد کو رضامند کر لیئے گئے تھے۔ عبدالصمد خاں نے کہا "مجھے اس پر اعتراض ہے کہ لیگ کے جلسے کی کارروائی اردو یا پارسی کے علاوہ اور کسی زبان میں ہو۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ لیگ میں کیا کیا جا رہا ہے۔ میں اور دیگر حاضرین جو اردو نہیں جانتے۔ کس طرح یہ جان سکتے ہیں کہ مسلمانوں کے مفاد کے خلاف کچھ نہیں کہا جا رہا ہے"۔ ایک آواز آئی "کل صدر جلسہ نے کابل کے ہندو گورنر کا ذکر کیا تھا" مخالفین کو ٹھنڈا کرنے کے لیئے پٹھانوں کے سرگروہ کو ڈائس پر بلایا گیا۔ صاحب صدر نے اس سے مصافحہ کیا اور اسے یقین دلایا کہ باقی کارروائی اردو ہی میں ہوگی۔

جلسے میں امن قائم ہو گیا۔ مسٹر موہانی کو تقریر کرنے کی اجازت دی گئی۔ انہوں نے اردو میں تقریر کرتے ہوئے کہا "میرا کسی جماعت سے تعلق نہیں ہے اور نہ میں صاحب صدر کے خلاف کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ ہم نے گورنر بمبئی سے ایک سمجھوتہ کیا تھا کہ صرف تین تجویزیں ہونگی اس لیئے ہمیں سیلف گورنمنٹ کی تجویز منظور کرنے کے بعد اجلاس ملتوی کر دینا چاہیئے" اس پر دوبارہ شور ہوا۔ کہا گیا "اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ وہی تجویز جس پر سمجھوتہ ہوا ہے پیش کی جائیگی" مسٹر مٹھا نے کہا "پہلے دن کانگریس کے لیڈروں کو اجلاس میں لایا گیا اور انہیں

جھوم جھوم کر چیئرز بھی دئے گئے۔ کارروائی تو ہو رہی ہے مسلم لیگ کے ہی نام پر مگر یہ جماعت ہے کانگریس ہی کی"۔ صدر نے سب کو یقین دلایا کہ جس تجویز پر سمجھوتہ ہوا ہے بجنسہٖ وہی پیش ہوگی، اور اس میں ایک حرف کا رد و بدل نہ کیا جائے گا۔ اس پر وہ شخص، جسے پہلے بھی صاحب صدر کی وضع قطع اور لباس پر اعتراض تھا، کہنے لگا۔" ہم ایک کافر مسلمان پر اعتماد نہیں کر سکتے، جو نہ مسلمانوں کے سے کپڑے پہنتا ہے نہ ڈاڑھی رکھتا ہے"۔ مولوی عبد الرؤف نے کہا۔" ہم یہاں صدر صاحب سے یہ سننے نہیں آئے ہیں کہ ان کا قول خدا کا فرمان ہے۔" مسٹر مِٹھا اور بھی زیادہ مشتعل ہو گئے۔ انہوں نے کہا۔" یہ لوگ لیگ کو کانگریس میں جذب کر رہے ہیں۔ کانگریسی لیڈروں نے انہیں جو حکم دیدیا ہے اسی کے مطابق کام کر رہے ہیں۔ انہوں نے اس مقصد ہی کو فوت کر دیا ہے جس کے لئے میں نے اور دوسروں نے لیگ قائم کی تھی۔ انہوں نے لیگ کو تاریکی میں دھکیل دیا ہے اور اس کی زندگی کو ختم کر کے اسے کانگریس کی شکل دے رہے ہیں" کچھ دیر تک شور و غل اور بے ترتیبی کے نظارے دیکھنے میں آتے رہے۔ مخالفین نے کارروائی کے دوبارہ اجرا کو ناممکن بنا دیا۔ ڈائس کے لیڈر بالکل پُر امن رہے اور انہوں نے پچھلے دروازہ سے خواتین کو رخصت کر دیا۔ اور اس کے بعد صدر نے جلسہ ملتوی کر دیا اور اپنے کمرے میں چلے گئے۔ ایک گھنٹہ تک انہیں وہاں رکا رہنا پڑا۔ جب مخالفین منتشر ہو گئے تو وہاں سے نکل کر قیام گاہ کی طرف روانہ ہوئے۔ وہیں ایک بے ضابطہ جلسہ ہوا اس میں طے کیا گیا کہ اجلاس کی باقی نشستیں پنڈال میں نہیں بلکہ تاج محل ہوٹل میں ہوں اور ان میں صرف لیگ کے ممبروں اور نمائندگان پریس کو ہی داخلہ کی اجازت دی جائے۔ دوسرے دن تاج محل ہوٹل میں لیگ کا اجلاس شروع ہوا۔

تاج محل ہوٹل میں اجلاس

کارروائی شروع کرتے ہوئے مسٹر مظہر الحق نے کہا۔" لیگ کا یہ قاعدہ ہے کہ صرف ممبروں کو شامل اجلاس کیا جائے۔ کل ہم نے غیر ممبر حضرات کو بھی بلا لیا تھا تاکہ ان کی ذہنوں کی سیاسی تربیت ہو سکے۔ مگر وہ لوگ عمداً جلسے کو درہم برہم کرنے کے لئے آئے تھے۔ جس سے مجھے

کارروائی ملتوی کرنی پڑی۔ آج ہم نے پنڈال میں اس لیئے اجتماع نہیں کیا مبادا کل کے سے
ناخوشگوار حالات دوبارہ پیش آئیں۔ ذاتی طور پر میں نے شور و شغب کو دبانے کے لئے بیرونی
امداد حاصل کرنے سے انکار کیا تھا۔ مگر میرے دوست مسٹر جناح نے ذمہ دار افسران
حکومت سے امداد طلب کی جنہوں نے امداد دینے سے انکار کر دیا۔" مسٹر جناح پُرزور چیرز
کے درمیان اٹھے اور کہا۔ "میں اپنے دوستوں سے مشورہ کرکے کمشنر پولس کے پاس گیا جو
پنڈال کے باہر کھڑے تھے اور انہیں بتایا کہ قاعدے کی رُو سے صرف ممبر اجلاس میں شامل
ہو سکتے ہیں مگر ہم نے غیر ممبروں کو بھی بذریعہ ٹکٹ شامل اجلاس ہونے کی اجازت دیدی۔
اس وقت ممبروں کی یہ خواہش ہے کہ ان کے علاوہ باقی کو پنڈال سے نکال دیا جائے تاکہ
کارروائی جاری رہے۔ آپ ہماری مدد کریں ہم ٹکٹوں کے دام واپس کرنے کے لئے تیار ہیں
کمشنر پولس نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور یہ کہا کہ اگر آپ کو فساد کا خوف ہے تو میں پنڈال کا
چارج لیکر سب کو باہر نکال سکتا ہوں۔" حاضرین نے کمشنر پولیس کے طرز عمل پر اظہار نفریں کیا۔

مسٹر جناح کی ریفارمز کمیٹی کی تجویز

اس کے بعد مسٹر جناح نے اپنی وہ اہم تجویز پیش کی جس سے ریفارمز کی اسکیم بنانے کے
لئے ایک کمیٹی کا قیام عمل میں آیا۔ اس کمیٹی کو اختیار دیا گیا کہ وہ دوسری سیاسی جماعتوں کی اس
قسم کی کمیٹیوں سے بات چیت کرے (بشرطیکہ مسلمانوں کے حقوق پر ضرب نہ لگتی ہو) کمیٹی میں ہر
صوبے کے چوٹی کے مسلمان لئے گئے۔

آنریبل مسٹر فضل الحق (کلکتہ) مولانا ابوالکلام آزاد (الہلال) مسٹر اے رسول بارایٹ لا
(کلکتہ) مسٹر غلام حسین (کامریڈ) وغیرہ نے تجویز کی تائید کی۔ مسٹر حسرت موہانی اور ایک صاحب
بابو نظام الدین (امرتسر) نے دو ترمیمیں پیش کیں۔ مگر مسٹر جناح کے کہنے پر وہ واپس لے لی
گئیں۔ تجویز متفقہ طور پر منظور کر لی گئی۔

جداگانہ نیابت پر زور نہ دیا جائے

تیسری تجویز وہی جداگانہ نیابت کی تھی جو سنہ ۱۹۱۰ء
سے لیگ کے ہر سالانہ اجلاس میں منظور ہوا

کرتی تھی۔ اس سال اسے سید آل نبی نے پیش کیا اور یہ کہا کہ مسلمان اس کو کسی نسلی یا مذہبی دشمنی کی بنا پر نہیں بلکہ دوسری قوم کے ساتھ ساتھ چل سکنے کے قابل بننے کے لئے منظور کرتے ہیں۔ اس کی تائید مسٹر یعقوب حسن (مدراس) اور مسٹر محسن شاہ پنجاب) نے کی حسرت صاحب نے دو وجوہات سے مخالفت کی۔ اول تو یہ غیر ضروری تھی، کیونکہ گورنر کمیٹی سے کئے ہوئے سمجھوتے کے مطابق لیگ کے اس اجلاس میں صرف وفاداری برطانیہ اور مطالبہ سیلف گورنمنٹ کی تجویزیں پیش ہوسکتی تھیں۔ دوسرے جب لیگ اور کانگریس کی ریفارمز کمیٹیاں باہمی مفاہمت کے لئے گفتگو کریں گی تو یہ ان کے لئے سدراہ ثابت ہوگی۔ اس پر مسٹر جناح نے ایوان کو بتایا کہ کس طرح گورنر کمیٹی اور اہالیان لیگ کے درمیان سمجھوتہ ہوا تھا اور کس طرح مسٹر جناح نے یہ بتایا تھا کہ جداگانہ انتخاب کے بارے میں مسلمانوں کے احساسات شدید ہیں اس لئے اس مسئلہ پر اظہار رائے کی آزادی ملنی چاہیئے۔ اس اعتبار سے یہ تجویز سمجھوتے کی مخالفت نہیں ہے۔ عبدالمجید خواجہ صاحب نے یہ ترمیم پیش کی کہ لیگ، اور کانگریس کی ریفارمز کمیٹیوں کے اس معاملے پر مفاہمت کر لینے تک تجویز کو ملتوی کر دیا جائے بعض نے یہ رائے ظاہر کی کہ جداگانہ انتخاب تو ایک کھلونا ہے۔

عباس علی صاحب نے ترمیم کی تائید کی۔ حمید حسن صاحب نے ترمیم کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ اس تجویز کو مسترد کرنے سے قوم کو نقصان پہنچے گا۔ اس شہر اور باقی ملک میں یہ سمجھا جا رہا ہے کہ لیگ کانگریس کے آگے ہتھیار ڈال رہی ہے (نہیں نہیں کی آوازیں) میں مانتا ہوں کہ خارشہ بے بنیاد ہے مگر اس تجویز کو مسترد کرنے سے اسے تقویت پہنچیگی۔ مسٹر جناح نے ترمیم واپس لے لئے جانے کی درخواست کی اور وہ واپس لے لی گئی۔ اصل تجویز بھاری کثرت رائے سے منظور ہوئی۔

مسٹر جناح کی کوششوں کا شکریہ

اجلاس ۱۹۱۵ء کا بمبئی میں منعقد ہونا ایک بہت بڑی حد تک محمد علی جناح کی سرگرم کوششوں کا رہین منت تھا۔ چنانچہ جب صدر اجلاس نے اپنی افتتاحی تقریر میں کہا کہ میں

ادائے فرض کی تکمیل میں ناکام رہوں گا اگر اس زبردست کام کا ذکر نہ کروں جو مسٹر جناح نے لیگ کے لئے انجام دیا ہے تو حاضرین نے دیر تک پُرزور چیئرز دیئے۔ اور جب صاحب صدر نے مسٹر جناح سے مخاطب ہو کر کہا۔ "مسٹر جناح ہم مسلمان ہند آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔" تو پھر پُرزور چیئرز دیئے گئے جن کی صدا سے ایوان کئی منٹ تک گونجتا رہا۔

کانگریس کا عزم اتحاد

کانگریس کے سالانہ اجلاس کے صدر نے بھی اپنے خطبۂ صدارت میں برطانیہ سے اپیل کی کہ زیر سایۂ برطانیہ حکومت خود اختیاری کے مقصد پر وہ اپنی تصدیق کا اعلان کر دے اور جنگ کے اختتام پر اس منزل مقصود کی طرف بڑھنے کے لئے موثر قدم اٹھائے۔ اس سال کے سالانہ اجلاس کانگریس کی اہم ترین تجویز بھی وہ تھی جس میں ہندوستان کے لئے سیلف گورنمنٹ (خود مختار حکومت) کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ اس تجویز میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ ریفارمز کی اسکیم تیار کرنے کے لئے مسلم لیگ سے مصالحت کی گفتگو کرے۔ اس پر عمل کرتے ہوئے کانگریسی لیڈروں نے بمبئی مدراس اور کلکتے میں جمع ہو ہو کر کئی ہفتے تک غور و خوص کیا اور اصلاحات کی ایک اسکیم تیار کی۔ ۲۲ر اپریل ۱۹۱۶ء کو الہ آباد میں کانگریس کمیٹی کی میٹنگ میں لیڈروں نے اس اسکیم پر پھر غور کیا اور ردّو بدل کے بعد ایک اسکیم تیار کر لی جس پر لیگ کی ریفارمز کمیٹی کے ساتھ مل کر مشترکہ طور پر غور کیا جاتا تھا۔ لیگ کی ریفارمز کمیٹی بھی اسی قسم کی ایک اسکیم تیار کر چکی تھی ۲۱ر اگست ۱۹۱۶ء کو اس کمیٹی کا پہلا جلسہ لکھنؤ میں ہوا تاکہ اسکیم پر مفصل گفتگو کی جا سکے۔ اسکیم مسٹر جناح کے تدبر اور فراست کا شاہکار تھی۔ ریفارمز کمیٹی کے جلسۂ لکھنؤ نے اسے قبول کر لیا۔ تجویز چھپوا کر لیگ کونسل کے ممبروں کو بھجوا دی گئی۔ جو اسکیمیں کانگریس اور لیگ کی ریفارمز کمیٹیوں نے تیار کیں ان کی بنیاد پر وائسرائے ہند کی کونسل کے انیس منتخبہ ممبروں نے ایک یادداشت مرتب کی۔ اس میں انہوں نے اسکیموں کی موٹی موٹی باتیں لے لیں اور یادداشت کو اپنے دستخطوں سے وائسرائے کی خدمت میں پیش کر دیا۔ یہ ذکر ماہ اکتوبر ۱۹۱۶ء کا ہے۔

ممبران کونسل کی یادداشت

یادداشت کا بنیادی مطالبہ یہ تھا کہ ایک ایسی نئی پالیسی کا اجرا کیا جائے جس کا مقصد ہندوستان کو سیلف گورنمنٹ دینا ہو اور جو ہندوستان کو ایک زندہ قوم کا معیار اور طاقت بخشے۔ ریفارمز ملیں تو رفتہ رفتہ ہی مگر ان کا ملنا ہو یقینی۔ جن ریفارمز کی فوری طور پر ضرورت ہے وہ یہ ہیں۔ امپریل کونسل میں سرکاری ممبران کی اس قدر زیادہ اکثریت کو ختم کیا جائے۔ اور اس کی جگہ وہاں انتخاب سے آئے ہوئے سرکاری ممبروں کی اکثریت ہو تاکہ وہ ہندوستان کے معاملات پر خالص ہندوستانی زاویہ نگاہ سے بحث کر سکے۔ وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کو بیوروکریسی سے پاک کیا جائے۔ ایگزیکٹو کونسل میں زیادہ تعداد میں ہندوستانی ممبر ہونے چاہئیں کیونکہ یہی کونسل سرکاری پالیسی کا منبع ہے۔ حکومت کا انتظامی شعبہ لیجسلیٹو کونسل کے ماتحت ہو۔ صوبوں کی حکومتوں کو اندرونی اور مالی معاملات میں پوری پوری آزادی ملنی چاہیئے۔ لوکل سیلف گورنمنٹ حقیقی معنوں میں لوکل سیلف گورنمنٹ ہو۔ آرمز ایکٹ (قانون اسلحہ) منسوخ ہونا چاہیئے۔ سرکاری ملازمتوں میں ہندوستانیوں کے داخلے پر کوئی پابندی نہیں ہونی چاہیئے۔ تجارت، زراعت، صنعت، اور تعلیم کو ترقی دی جانی چاہیئے۔

ہندو مہاسبھا کی مخالفت

ہندو مہاسبھا کی طرف سے اس کی سخت مخالفت کی گئی مہاسبھا کی رائے میں اس معاہدے میں مسلمانوں کو ناواجب مراعات دی جا رہی تھیں اور کانگریس مسلمانوں کو خوش کرنے کے لئے ہندوؤں کے حقوق کو کُند چھری سے ذبح کر رہی تھی۔ ہندو مہاسبھا کے اجلاس میں بہت سے ایسے ہندو لیڈروں نے بھی ہندو مسلم سمجھوتے کی مخالفت کی جنہیں کانگریس کے پلیٹ فارم پر اس کی مخالفت میں آواز اٹھانے کی ہمت نہیں ہوئی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت کانگریس کی فضا مہاسبھائی ذہنیت رکھنے والوں کے لئے سازگار نہیں تھی۔ کانگریس حلقوں میں ہندو مسلم اتحاد کا جذبہ پایا جاتا تھا اور کانگریسی لیڈر اس بات کے معترف تھے کہ مسلم لیگ کی کوششوں سے مسلمانوں میں سیاسی بیداری پیدا ہو چکی ہے اور ان کے حقوق تسلیم کر کے مسلمانوں کو

مسلمانوں کو جد وجہد میں حصہ لینے کا موقع دینے سے ملک کو فائدہ پہنچے گا۔

مسٹر جناح کی تجویز پر مشترکہ کمیٹی

مہاسبھا کی پرواہ نہ کرتے ہوئے مسٹر جناح کی تجویز پر کانگریس اور مسلم لیگ کی ایک مشترکہ کمیٹی بن گئی۔

اس کو یہ کام کرنا تھا کہ وقت کے تمام سیاسی مسائل کو سامنے رکھتے ہوئے ہندوؤں اور مسلمانوں کے تمام اختلافات کا تصفیہ کرے اور اصلاحات کی ایک متفقہ اسکیم تیار کرے۔ چنانچہ مشترکہ کمیٹی نے تفصیلات اور جزئیات پر غور و فکر شروع کیا۔ آپس میں بات چیت ہونے لگی اور صلاح مشوروں کا تبادلہ شروع ہو گیا۔

۱۷، اور ۱۸، نومبر ۱۹۱۶ء کو مسٹر سریندر ناتھ بنرجی کی صدارت میں لیگ اور کانگریس کی ریفارمز کمیٹیوں کا ایک مشترکہ جلسہ ہوا۔ لیگ کی اسکیم اہل مجلس کے سامنے رکھی گئی۔ جلسے کی کارروائیاں دو روز تک جاری رہیں۔ بحثیں پرزور مگر صلح جویانہ تھیں۔ مفاہمت اور اتحاد و اتفاق کی اسپرٹ برابر اپنا کام کر رہی تھی۔ تمام امور پر جو فیصلے ہوئے وہ قریب قریب سب کے سب متفقہ تھے۔ پنجاب اور بنگال کا معاملہ التوا میں رکھا گیا۔ یہ طے ہوا کہ لکھنؤ میں ایک اور مشترکہ جلسہ ہو اور اس میں ان دونوں صوبوں کا معاملہ بھی طے کر لیا جائے۔ امید کی جاتی تھی کہ ضرور کوئی نہ کوئی مناسب راہ نکل آئے گی۔ جو اسکیم منظور ہوئی وہ ایک بار پھر طبع کرا کے لیگ کونسل کے ممبروں تک پہنچائی گئی۔ ۲۵، ۲۶ اور ۲۷ دسمبر ۱۹۱۶ء کو لکھنؤ میں کانگریس اور لیگ کا دوسرا مشترکہ جلسۂ مفاہمت ہوا۔ دونوں قوموں کے چیدہ چیدہ افراد نے ایک بار پھر جنگ کے بعد نافذ ہونے والی اصلاحات کی اسکیم پر پھر غور و خوض کیا۔ مختلف صوبوں کی نمایندگی کے مسئلے پر غور کیا گیا اور تین روز کی مسلسل نشستوں کے بعد تمام جزوی امور کا تصفیہ بھی ہو گیا۔

ہندو مسلم معاہدۂ لکھنؤ ۱۹۱۶ء

جو معاہدہ باہمی گفت و شنید سے ہندوؤں اور مسلمانوں نے آپس میں کیا اُسے ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں لکھنؤ پیکٹ یا میثاق لکھنؤ کہتے ہیں۔ اس کی تیاری میں لیگ کی اس ریفارم

کمیٹی کا بڑا ہاتھ تھا جو لیگ نے اسی غرض کے لئے مقرر کی تھی۔ کانگریس کی مقرر کی ہوئی ریفارمز کمیٹی نے بھی اس کام میں حصہ لیا تھا۔ اس پیکٹ کی تیاری کا مقصد یہ تھا کہ اس کی تجویزوں اور شرطوں کو حکومت کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ جنگ عظیم کے خاتمے پر حکومت ان کے مطابق ہندوستانیوں کو کامل خود اختیار حکومت دے دے۔ معاہدے کی پوری اسکیم یہ ہے۔

صوبوں کی لیجسلیٹو کونسلیں

۱۔ صوبوں کی قانون ساز کونسلوں میں ممبروں کا ⅘ حصہ منتخب شدہ اور ⅕ حصہ نامزد شدہ ہوگا۔

۲۔ بڑے صوبوں میں ان جماعتوں میں ۱۲۵ ممبر اور چھوٹے صوبوں میں ۵۰ سے ۷۵ تک ممبر ہوں گے۔ (۳) ان کونسلوں کے ممبروں کو عوام چنیں گے اور حق رائے دہی زیادہ سے حد تک وسیع رکھا جائیگا۔ (۴) اہم اقلیتوں کے لئے بذریعہ انتخاب صحیح نمائندگی کا مناسب بندوبست کیا جائے گا۔ اور مسلمانوں کی نمائندگی خاص حق انتخاب سے صوبوں کی کونسلوں میں مندرجہ ذیل تناسب سے ہوگی۔ صوبہ پنجاب میں ۵۰ فی صدی۔ صوبہ بنگال میں ۴۰ فی صدی۔ صوبہ یو۔ پی میں ۳۰ فی صدی۔ صوبہ بہار میں ۲۵ فی صدی۔ صوبہ متوسط میں ۱۵ فی صدی۔ احاطہ بمبئی میں ۳۳ فی صدی۔

یہ شرط ہوگی کہ کوئی مسلمان امپریل یا پراونشل کونسلوں کے کسی دوسرے انتخاب میں حصہ نہیں لے گا، سوائے اور بجز ان انتخابات کے جو مخصوص مفادوں کی نمائندگی کریں گے۔ یہ بھی شرط ہوگی کہ ان معاملوں پر جن کے فیصلے کا انحصار قانون ساز جماعتوں میں کسی فرقے پر ہوگا غیر سرکاری ممبر کوئی بل یا اس کی دفعہ یا کوئی تجویز پیش نہیں کر سکے گا۔ اگر کونسل میں اس فرقے کے ممبروں کی تین چوتھائی تعداد بل یا اس کی کسی دفعہ یا تجویز کی مخالفت کرے۔

۵۔ صوبے کی حکومت کا سب سے بڑا عہدے دار قانون ساز کونسل کا صدر نہیں ہوگا۔ بلکہ کونسل کو اپنا صدر چننے کا اختیار ہوگا۔ (۶) سپلیمنٹری (اضافی) سوالات پوچھنے کا

حق اصلی سوال دریافت کرنے والے تک محدود نہیں ہوگا کسی اور ممبر کو بھی اس حق کے استعمال کرنے کی اجازت ہوگی۔ ۷۔ (الف) جنگی، ڈاکخانہ، تار، ٹکسال، نمک، افیون، ریلوے، فوج، بحری بیڑہ اور ریاستی خراج کے علاوہ مالیات کے دیگر تمام ذرائع صوبوں کی حکومتوں کی ملکیت ہوں گے۔ نیز (ب) مالیات کی مدیں منقسم ہوں گی۔ حکومت ہند کو صوبوں کی حکومتوں سے مقررہ رقوم ملنے کا بندوبست کر دیا جائے گا۔ جب غیر متوقع مواقع پیدا ہوں گے تو ان رقوم پر نظر ثانی ہو سکے گی۔ (ج) صوبے کی حکومت کو اندرونی انتظام سے تعلق رکھنے والی سب باتوں (جیسے قرضہ لینا، محصولات لگانا اور ان میں ترمیم کرنا اور بجٹ پر ووٹ دینا) پر پورا پورا اختیار ہوگا۔ ضروری مالیا نہ پیدا کرنے کے لئے ذرائع و طریق کی تجویزوں اور اخراجات کی تمام مدیں مختلف مسودہ ہائے قانون کی شکل میں لا کر صوبوں کی کونسلوں کو منظوری کے لئے بھیجدی جائیں گی۔ (د) صوبے کی حکومت کے زیر اختیار رہنے والے تمام امور پر بحث انہی قاعدوں کے مطابق ہوگی جو کونسل خود بنائے گی۔ (ر) صوبے کی حکومت کی منظور کی ہوئی تجویز کو ماننا ایگزیکٹو گورنمنٹ پر لازمی ہوگا تاوقتیکہ گورنر باجلاس کونسل اسے ویٹو سے نامنظور نہ کرے۔ تاہم یہ شرط ہے کہ اگر کونسل اس وقفے میں (جو ایک سال سے کم نہ ہو) اسی تجویز کو دوبارہ منظور کر دے تو اس کا نفاذ لازمی ہو جائے گا۔ (س) اُسے ایوان کے ممبروں کے ممبروں کے ½ حصے کی تائید حاصل ہو تو التوائے اجلاس کی تجویز پبلک اہمیت کے کسی بہت ضروری معاملے کی بحث کے لئے پیش ہو سکے گی۔ (۸) ممبروں کے ⅛ حصہ کی تحریری درخواست پر کونسل کا خاص اجلاس طلب کیا جا سکے گا۔ (۹) مالی مسودۂ قانون کو مستثنے کرتے ہوئے کوئی مسودۂ قانون کونسل کے اپنے بنائے ہوئے قاعدوں کے مطابق کونسل میں پیش ہو سکے گا اور اس کے لئے حکومت کی مرضی کی ضرورت نہ ہوگی۔ (۱۰) صوبوں کی قانون ساز جماعتوں کے منظور کئے ہوئے مسودۂ قانون کو قانون بننے کے لئے گورنر کی منظوری حاصل کرنی ہوگی مگر گورنر جنرل اپنے ویٹو سے اُسے نامنظور کر سکتا ہے۔ ممبروں کی مدت ممبری پانچ سال ہوگی۔

صوبوں کی حکومتیں

(۱) صوبے کی حکومت کا سب سے بڑا عہدہ دار گورنر ہوگا۔ عام طور پر وہ انڈین سول سروس یا کسی مستقل سروس کا ملازم نہیں ہوگا (۲) ہر صوبے میں ایک ایگزیکٹو (انتظامی) کونسل ہوگی۔ یہ کونسل مع گورنر صوبے کی انتظامی حکومت ہوگی (۳) عام طور پر انڈین سول سروس کے ملازموں کو کونسل میں مقرر نہیں کیا جائے گا۔ (۴) ایگزیکٹو کونسل میں ہندوستانی ممبر آدھے ممبروں سے کم نہیں ہوں گے انہیں صوبے کی قانون ساز کونسل کے منتخبہ ممبر چنا کریں گے۔ (۵) ممبروں کی مدت ممبری پانچ سال ہوگی۔

امپیریل لیجسلیٹو (شاہی قانون ساز) کونسل

(۱) اس میں ۱۵۰ ممبر ہوں گے (۲) اس کا ۴/۵ حصہ منتخبہ ممبروں پر مشتمل ہوگا (۳) امپیریل کونسل کے لئے رائے دینے کا حق بھی زیادہ سے زیادہ ممکن حد تک انہی لائنوں پر وسیع ہوگا جو صوبوں کی کونسلوں کے لئے مسلمانوں کے انتخاب کے سلسلے میں بتائی جا چکی ہیں۔ صوبوں کی قانون ساز کونسلوں کے انتخاب سے آئے ہوئے ممبر ہی شاہی کونسل کے لئے ممبر چنا کریں گے۔ (۴) انتخاب سے آئے ہوئے ہندوستانی ممبروں کا ۱/۳ حصہ مسلمان ممبروں پر مشتمل ہوگا جو جداگانہ انتخاب سے چنے جائیں گے۔ ان لوگوں کو مختلف صوبوں میں کونسلوں کے ممبر اسی تناسب سے چنیں گے جو انہیں وہاں حاصل ہوگا (اس تناسب کا ذکر پہلے حصہ کی چوتھی دفعہ میں ہو چکا ہے)۔

(۵) کونسل اپنا صدر خود ہی چنے گی (۶) اضافی سوالات پوچھنے کا حق اصلی سوال دریافت کرنے والے تک محدود نہ ہوگا بلکہ کوئی دوسرا ممبر بھی اس کا مجاز ہوگا (۷) ممبروں کا ۱/۸ حصہ کونسل کی خاص میٹنگ بلوا سکے گا (۸) مالی مسودہ قانون کو مستثنےٰ کرتے ہوئے کوئی مسودہ قانون کونسل کے اپنے بنائے قاعدوں کے مطابق پیش ہو سکے گا اور اس کے لئے ایگزیکٹو گورنمنٹ کی مرضی درکار نہ ہوگی۔ (۹) کونسل کے منظور کئے ہوئے مسودہ قانون کو قانون بننے سے پہلے گورنر جنرل کی منظوری حاصل کرنی ہوگی۔ (۱۰) ممبروں کی مدت ممبری

پانچ برس ہوگی۔

(۱۱) ذیل کے معاملات صرف امپیریل لیجسلیٹو کونسل کے زیر اختیار ہوں گے (ا) وہ معاملات جن کے سلسلے میں تمام ہندوستان کے لئے یکساں قانون بنانا پسندیدہ ہے (ب) صوبوں کے قانون اس حد تک جس میں وہ بین الصوبجاتی مالی تعلقات پر اثر انداز ہوں گے۔ (ج) وہ سوالات جن کا محض شاہی مالیات پر اثر پڑے (ریاستوں سے آئے ہوئے خراج کو مستثنےٰ کرکے)، (د) وہ سوالات جن کا محض شاہی اخراجات پر اثر پڑے۔ اس میں استثنا یہ ہے کہ شاہی قانون ساز کونسل کی کوئی تجویز ملک کے ڈیفنس (تحفظ) کے پر لئے جانے والے فوجی اخراجات کے سلسلے میں گورنر جنرل پر پابندی لگانے والی نہوگی (ر) ہندوستانی محصولات، نرخ ٹیکس، یا کرلگانے، بدلنے یا ہٹانے، سکے اور بینکنگ کے موجودہ طریقے کی تشکیل، ملک کی کسی صنعت کو امداد دینے کا حق (س) ان سب معاملات پر تجویزیں جن کا تعلق ملک کے انتظام سے ہو۔ (۱۲) لیجسلیٹو کونسل کی منظور کی ہوئی تجویز کو ماننا ایگزکٹو گورنمنٹ پر لازمی ہوگا تاوقتیکہ گورنر جنرل بابحلاس کونسل ویٹو سے اُسے نامنظور نہ کرے۔ تاہم یہ شرط ہے کہ اگر کونسل اس وقفے میں جو ایک سال سے کم نہ ہو اسی تجویز کو دوبارہ منظور کردے تو اس کا نفاذ لازمی ہوجائے گا (۱۴) ایوان کے ممبروں کے ۸/۱ حصے کی تائید حاصل ہونوالے اجلاس کی تجویز پبلک اہمیت کے کسی بہت ضروری معاملے کی بحث کے لئے پیش ہوسکے گی (۱۵) جب تاج کسی صوبے کی کونسل یا شاہی قانون ساز کونسل کے منظور کیے ہوئے کسی مسودۂ قانون کے بارے میں اپنی ویٹو کا اختیار استعمال کرنا پسند کرے گا تو یہ اختیار مسودے کی منظوری کی تاریخ سے بارہ ماہ کے اندر اندر استعمال ہوسکے گا اور جس تاریخ سے متعلقہ کونسل کے علم میں یہ حقیقت لائی گئی (کہ فلاں بل پر ویٹو کا اختیار استعمال ہوا ہے) اسی تاریخ سے اس مسودۂ قانون کا اثر زائل ہوجائے گا (۱۶) شاہی قانون ساز کونسل کو گورنمنٹ آف انڈیا کے فوجی معاملات اور ہندوستان کے خارجہ وسیاسی تعلقات (جن میں اعلان جنگ صلح اور معاہدے کرنا بھی شامل ہیں) کی نگرانی میں مداخلت کرنے کا کوئی حق یا اختیار نہ ہوگا۔

گورنمنٹ آف انڈیا (۱) گورنر جنرل آف انڈیا گورنمنٹ آف انڈیا کا صدر افسر ہوگا۔

(۲) اس کی ایک ایگزیکٹو کونسل ہوگی - اس کونسل کے آدھے ممبر ہندوستانی ہونگے - (۳) ہندوستانی ممبروں کو شاہی قانون ساز کونسل کے انتخاب سے آئے ہوئے ممبر چنیں گے - (۴) عام طور پہ انڈین سول سروس کے ملازموں کو گورنر جنرل کی ایگزیکٹو کونسل میں مقرر نہیں کیا جائیگا (۵) شاہی قانون ساز کونسل میں تمام تقرریات کرنے کا اختیار گورنمنٹ آف انڈیا کو ہوگا (جس کی تشکیل اس اسکیم میں ظاہر کر دی گئی ہے) موجودہ مفادوں کا مناسب لحاظ رکھا جائیگا مگر یہ ان قوانین کا پابند ہوگا جو شاہی کونسل بنائیگی (۶) عام طور پر گورنمنٹ آف انڈیا صوبے کے مقامی معاملات میں مداخلت نہیں کرے گی - اور وہ اختیارات، جو معینہ طور پہ کسی صوبائی حکومت کو نہیں دیئے گئے ہیں، گورنمنٹ آف انڈیا ہی کی ملکیت سمجھے جائیں گے - عام طور پہ گورنمنٹ آف انڈیا کا دست اختیار صوبوں کی حکومتوں کی عام نگرانی تک ہی محدود رہے گا - (۷) قانون سازی اور انتظام کے معاملوں میں گورنمنٹ آف انڈیا (جس کی تشکیل اس اسکیم میں درج ہے) جہاں تک ممکن ہوگا وزیر ہند (کی ماتحتی) سے آزاد رہے گی (۸) گورنمنٹ آف انڈیا کے حسابات کی آزادانہ طور پہ جانچ پڑتال ہوگی -

وزیر ہند با اجلاس کونسل | (۱) وزیر ہند کی کونسل ختم ہوجائے گی (۲) وزیر ہند کی تنخواہ برطانوی تخمینوں میں شامل ہوجائیگی (۳) جہاں تک ممکن ہو گورنمنٹ آف انڈیا اور وزیر ہند کا وہی تعلق ہوگا جو وزیر نوآبادیات اور خود اختیار نوآبادیوں کی حکومتوں کا ہے (۴) وزیر ہند کی امداد کے لئے دو مستقل انڈر سکریٹری ہوں گے ان میں سے ایک ہندوستانی ہوگا -

ہندوستان اور ایمپائر | کسی ایسی کونسل یا جماعت میں جو امپیریل (شاہی) معاملات کے تصفیے یا کنٹرول کے لئے بنائی یا طلب کی جائے ہندوستان کو بھی نوآبادیات کی طرح مناسب نمایندگی دیجائیگی (۲) جہاں تک شہریت کے حقوق اور معیار کا تعلق ہے ہندوستانیوں کو ہز مجسٹی ملک معظم کی ایمپائر کی دیگر رعایا کی سطح پر لایا جائے گا -

فوجی اور دیگر معاملات | (۱) فوج اور بحری بیڑے کی کمیشن یافتہ اور بلا کمیشن یافتہ آساميوں

کادروازہ ہندوستانیوں کے لئے کھول دیا جائیگا اور ان کی تربیت وغیرہ کیلئے ہندوستان میں مناسب بندوبست کیا جائیگا (۲) ہندوستانیوں کو والنٹیر بننے کی اجازت دیجائیگی (۳) ہندوستان میں ایگزکٹو (انتظامی شعبے) کے افسران کو جوڈیشیل (عدالتی) اختیارات نہیں سونپے جائیں گے اور ہر صوبہ میں شعبۂ انصاف وعدالت اس صوبے کی سب سے بڑی عدالت کے ماتحت ہوگا۔

لکھنؤ پیکٹ کی سیاسی اہمیت

ہندوستان کی وہ تاریخ، جو انگریزوں کے ہندوستان آنے کے بعد سے شروع ہوتی ہے، ہندوؤں اور مسلمانوں کے اختلافات اور ہندو مسلم فسادات کے دھبوں سے داغدار ہے۔ مگر اسی تاریخ میں کسی درخشاں صفحے پر لکھنؤ پیکٹ اپنے زریں حروف میں ہمیشہ اپنی آب وتاب دکھاتا رہے گا۔ یہ ہندوستان کی سیاست کے ارتقا کی شاہراہ پر ایک اہم اور اونچا نشان ہے۔ اس کے وجود سے یہ قیمتی بات ثابت ہوتی ہے کہ اگر ہندوستان کی دو بڑی قوموں (ہندو اور مسلم) کے اغراض میں یکجہتی پیدا ہو جائے تو ہندوستان کی حکومت خود اختیاری کی منزل کس قدر قریب نظر آنے لگتی ہے لکھنؤ پیکٹ مسلم لیگ کی زندگی کا وہ شاندار کارنامہ ہے جس سے اس نے کانگریس سے یہ بات منوالی کہ لیگ ہندوستان میں ایک مستقل سیاسی وجود رکھتی ہے اور ہندوستان کو خود اختیار حکومت ملنے کا امکان اسی حالت میں ہو سکتا ہے جب ہندوستان کی اکثریت رکھنے والی قوم مسلمان اقلیت کی خاص سیاسی ضرورتوں کو تسلیم کرے۔ لیگ کے قیام کے وقت کانگریسی حلقوں میں یہ خیال ظاہر کیا گیا تھا کہ مسلم لیگ انگریزی حکومت کے اشاروں پر بیجان کٹھ پتلیوں کی طرح رقص کرنے کے لئے وجود میں آئی ہے اور حکومت اسے ہندوستانیوں کی سیاسی ترقی کی راہ میں روڑے اٹکانے کے لئے استعمال کرے گی۔ مگر سنہ ۱۹۱۶ء میں جب لیگ کی کلی کھل کر پھول بنی اور اس نے اپنی اہمیت کی مہک سے ہندوستان کی سیاسی دنیا کو معطر کر دیا تو وہی کانگریسی، جو نکتہ چینیوں میں ستھے، اس کے مستقل سیاسی وجود کو تسلیم کرنے لگے۔

باب ۱۲

مسلم لیگ کا تاریخی اجلاس لکھنؤ سنہ ۱۹۱۶ء

وہ جنگ لڑی جارہی تھی جو اپنے دور رس اثرات کی وجہ سے تاریخ میں ہمیشہ ایک اہم اور عظیم جنگ سمجھی جاتی رہے گی۔ اسے شروع ہوئے دو سال گذر چکے تھے۔ تباہی اور ہلاکت کا ایک طویل اور دیر میں ختم ہونے والا سلسلہ جاری تھا۔ وسیع برطانوی سلطنت زندگی اور موت کے کشمکش میں میں مبتلا تھی۔ تمام ذرائع کو جو انگریزوں کے زیر اختیار تھے وہ جنگ میں دشمنی کیخلاف استعمال ہونے کے لئے میدان میں لے آئے تھے۔ آدمی روپیہ اور سامان سب کی مدد سے دشمن کا سر کچلنے کی کوشش کیجارہی تھی۔

برطانوی مدبرین ساری دنیا کو یہ یقین دلا چکے تھے کہ جرمنی دنیا کے امن و امان کا دشمن ہے۔ وہ تہذیب و تمدن کو اسلحہ جات کے آہنی پانوؤں کے تلے مسل ڈالنا چاہتا ہے۔ اسکی نقل و حرکت میں وہ تنفر انگیز جذبۂ تباہی موجود ہے جسکی پیاس انسانوں کے خون اور ان کی بستیوں کی تباہی سے بجھتی ہے۔ وہ اپنی خوجبیت سے تمام دنیا پر اپنا اقتدار جما لینے کا خواہشمند ہے۔ اس کے ارادوں کی سرکوبی ہر اس انسان کا فرض ہے جو دنیا میں امن اور تہذیب و تمدن کو ترقی پذیر دیکھنے کا آرزومند ہے۔ سلطنت برطانیہ کے تمام اجزا مضبوطی کے ساتھ متحد ہو گئے تھے اور وہ ہر کوشش اور قربانی کو برداشت کرتے ہوئے برطانیہ کو کامیاب بنانے کے لئے اپنی پوری طاقت صرف کر رہے تھے۔

ہندوستان دوسرے برطانوی مقبوضات یا نوآبادیات جیسے کینیڈا، نیوزیلینڈ، آسٹریلیا جنوبی افریقہ وغیرہ سے کچھ کم امداد نہیں کر رہا تھا۔ جنگ کے آغاز پر اس نے اپنی مرضی سے یہ قول دیا تھا کہ اس جدوجہد میں برطانیہ کو کامیاب بنانے کے لئے وہ ہر ممکن امداد کریگا۔ اس قول کو وہ اپنی پوری

طاقت سے نبھا رہا تھا۔ یوروپ، ایشیا اور افریقہ کے میدانہائے جنگ میں ہندوستان کے سپاہی تحفظ سلطنت برطانیہ کے لئے اپنا خون بہا کر ہندوستان کا نام روشن کر رہے تھے۔ رنگ نسل اور فرقہ کا کوئی امتیاز نہ تھا۔ کروڑوں فرزندان ہند ہتھیاروں کی جھنکار کو آواز کارواں سمجھتے ہوئے اسلح جات سنبھال سنبھال کر میدان جنگ کو روانہ ہو چکے تھے اور ہو رہے تھے۔ ہندوستان کے والیان ریاست بھی آدمیوں اور روپے سے برطانیہ کی ہر ممکن امداد کر رہے تھے۔

جہاں تک مسلمانان ہند کا تعلق ہے، یہ بیشک درست ہے، کہ ان کے دینی بھائیوں پر برطانیہ کی فوجیں حملہ آور ہو رہی تھیں مگر لارڈ ہارڈنگ کا یہ اعلان ان کے سامنے تھا کہ جنگ کا نتیجہ خواہ کچھ بھی ہو خلافت اور مقامات مقدسہ کو کوئی گزند نہ پہنچیگا۔ جنگ طرابلس و بلقان نے بھی انہیں انگریزوں سے کسی قدر برگشتہ کر دیا تھا۔ اسکے علاوہ ان کے بعض محبوب رہبروں کے نظر بند کرلئے جانے سے بھی مسلمان کافی مضطرب تھے۔ مگر دوران جنگ میں وہ پُر امن رہے انہیں یہ توقع تھی کہ خلافت محفوظ رہے گی اور پُر امن رہکر برطانیہ کی مدد کرنے سے اختتام جنگ پر ہندوستان کو مکمل خود اختیار حکومت بھی ملجائیگی۔ آغاز جنگ کے فوراً بعد ہی سے ایک قسم کا سیاسی سمجھوتہ ہوگیا تھا کہ جنگ کے دوران میں تمام سیاسی تحریکیں بند کر دی جائیں گی تاکہ حکومت کو پوری قوت کے ساتھ فتح حاصل کرنے کا موقع ملے۔

ہندوستان اس سمجھوتے کی اس قدر سختی سے پابندی کر رہا تھا کہ اس نے قیام امن تک ملک کی بعض اہم ترین ضروریات کو بھی روک دیا۔ مگر ایسی حالت میں جبکہ تقدیر کے وزنی ہتھوڑے ایک نئی اور بہتر دنیا کا ڈھانچہ تیار کر رہے تھے ہندوستانی بالکل ہی بے کار بیٹھنا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ جنگ سے بھی زیادہ مشکل کام جیتنے کے بعد فتح کو منظم کرنا تھا۔ اتحادی ممالک میں ایک نئے سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی نظام کی پختہ بنیادیں رکھنے کے لئے کام کیا جا رہا تھا۔ ہندوستان بھی اس مستقبل کے لئے تصورات قائم کر رہا تھا جس میں دنیا اور دنیا کی قوموں کی تاریخ کا ایک نیا باب شروع ہونا تھا۔ ۱۹۱۶ء میں خاتمہ جنگ کا یقین تھا۔ ہندوستانی اس کے لئے تیار نہیں تھے کہ ایک دن جب وہ علی الصباح اپنے بستر خواب سے اٹھیں تو یہ خبر سنیں کہ صلحنامہ پر دستخط ہو چکے ہیں اور فوراً گھبراہٹ کے عالم میں اپنے تصورات پریشاں کو جلدی جلدی یکجا

کرکے ہندوستان کے مستقبل کے بارے میں بے ترتیب اور بے مقصد گفتگو میں شروع کردیں حالات کی تعبیرات کو سمجھ چکنے کے بعد. بے عمل رہ کر تیاری کے اس مفید وقفے کو ضائع کر دینا ہندوستان کے مفاد سے غداری کرنا تھا۔

ہندوستان کے نظام حکومت میں وزنی اور موثر تبدیلیاں ہونی تھیں۔ ملک کے نمایاں سیاسی لیڈروں کا فرض تھا کہ وہ نئے نظام کے ارتقا میں عملی سرگرمی دکھاتے ہوئے یہ طے کریں کہ نئی تبدیلیاں کیا ہونی چاہئیں. برطانیہ نے تاریخ کے اس نازک ترین مرحلے پر جو انداز اختیار کیا تھا اس سے ہندوستانیوں کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ برطانوی قوم اور برطانوی سیاست دانوں نے ہندوستانیوں کی دل کی بات معلوم کرلی ہے۔ ان کے بیانات اور تقریریں اس یقین کو روز بروز زیادہ پختہ کرتی جاتی تھیں۔ جنگ عظیم کے ابتدائی ایام میں مددگار وزیر ہند نے ہندوستانیوں کو یقین دلایا تھا کہ اب سے ہندوستان کے معاملات کے ساتھ ایک نئے زاویۂ نگاہ سے سلوک کیا جائے گا۔ اس کا صریح مطلب یہ تھا کہ ہندوستان کی رائے عامہ کا لحاظ رکھتے ہوئے اس ملک کی عنان حکمرانی ہندوستانیوں ہی کے ہاتھوں میں سونپی جائے گی۔

مسلمان اور حُبِّ وطن

مسلمانوں کے جذبۂ حُبِّ وطن کا امتحان تھا۔ ان کے وطن کے معاملات ایک ایسے مرحلے پر پہنچ گئے تھے جبکہ معمولی اختلافات کو بھلا کر متحدہ طور پر عمل کا قدم آگے بڑھانے کی ضرورت تھی۔ ہندوستان کا مستقبل اسی پر منحصر ہو گیا تھا کہ مسلمان کیا کرنے والے ہیں. یہ صاف نظر آرہا تھا کہ اگر مسلمانوں کی زندگیوں کو ادائے فرض اور حب وطن کا پاک اور مقدس شعلہ چھو جائے تو وہ معمولی اختلافات کو جلا کر خاک کر دیں گے اور ہندوستانی محبان وطن کا متحدہ ہندوستان کا خواب ایک حقیقت کی شکل اختیار کرلے گا۔ تقدیر کے اس اہم لمحے میں ہندوستان ان کے جواب کا منتظر تھا۔ ملک کی فضا سیاسی ترقی کے نقارے کی دل گرما دینے والی آواز سے گونج رہی تھی۔

مسلم لیگ کے اجلاس لکھنؤ ۱۹۳۷ء کو اسی کا جواب دینا تھا۔ اس اجتماع میں مسلم لیگ اور کانگریس کی ریفارمز کمیٹیوں کی ریفارمز اسکیم کی تصدیق ہونی تھی۔ اس کے بغیر ہندو مسلمانوں کا سیاسی معاہدہ مستند قرار نہیں دیا جاسکتا تھا مسلمانوں کو اپنی سابقہ تاریخ کی بنا پر یہ یقین تھا کہ ملک کی آئینی آزادی کی جنگ میں ہم ہی سب سے آگے ہونگے ان کی عملی سیاسی زندگی کی عمر کچھ زیادہ نہیں تھی مگر اس مختصر مدت میں انہوں نے اتنا میدان طے کر لیا تھا جو ہندو قوم نے پچیس برس میں طے کیا تھا۔ آل انڈیا مسلم لیگ کی تاریخ ہندوستانی مسلمانوں کی سیاسی ترقی کا شاندار آئینہ تھی۔ تاہم قدم اٹھانے سے قبل حالات کا جائزہ لینا ضروری تھا۔

ہندوستان کے گوشے گوشے سے مسلمان لکھنؤ میں جمع ہوئے تاکہ ان اہم اور ضروری باتوں پر صلاح ومشورہ کریں جو ہندوستان میں ان کی قومی تقدیر کے بننے یا بگڑنے سے تعلق رکھتی تھیں۔ انہیں اپنی واحد نمایندہ سیاسی جماعت کے عظیم الشان سالانہ اجلاس میں ان حالات پر ایک دوررس نظر ڈالنی تھی جن کے قالب میں ہندوستان کی قسمت ڈھلنے والی تھی۔ قوم کی تاریخ کا ایک اہم صفحہ لکھا جارہا تھا۔ اس بات کی جانچ کرنی تھی کہ ہندوستان کے مسلمانوں کے نوشتۂ تقدیر پر وہ کون کون سے امور تحریر کئے جانے چاہئیں جو ان کے مستقبل کو ایک زندہ اور متحرک قوم کا شاندار اور حیات پرور مستقبل بنا دیں۔

گزشتہ تجربات کی روشنی میں اپنی پوزیشن کے وزن کو جانچنے کا وقت آگیا تھا۔ مستقبل اپنے مطالبات پیش کر رہا تھا۔ ان مطالبات کے ساتھ مناسب سلوک کرنے کے وسائل اور طریقے بہت ہوشیاری اور بیدار مغزی کے ساتھ سوچنے تھے۔ حالات تیزی سے تبدیل ہو رہے تھے۔ ہندوستان کی سیاست کے زمین و آسمان بدل چکے تھے۔ تغیرات مطلع زندگی پر مسکراتے ہوئے نمودار ہو رہے تھے۔ ان کے تبسم کا صاف وصریح مطلب یہ تھا کہ اب نئی سیاسی دنیائیں تعمیر ہوں گی۔ سب سے بڑا سوال یہ تھا کہ مسلمانوں کے قومی زاویہ نگاہ میں نئی جان کیونکر ڈالی جائے کیونکہ قومی زاویۂ نگاہ

ہی سے ایک قوم کے عقیدوں، اس کے خیالات، اس کی تمناؤں اور اس کی جدوجہد کو آبِ بقا ملتا ہے۔ ایک نئے دور کا آغاز ایک نئے باب کا افتتاح ہو رہا تھا۔ ۱۹۱۷ء میں ملنے والی قسط اصلاحات یا خود اختیار حکومت کی امیدیں ایک زبردست منادی کی حیثیت رکھتی تھیں۔ یہ ڈنکے کی ایک گونج دار چوٹ تھی جسے ہندوستان اپنی تقدیر کی منادی سمجھتے ہوئے آنکھیں مل کر اٹھ رہا تھا۔ وہ سیاسی مطلع کو ایسی توقعات کی نظروں سے تک رہا تھا جس میں صرف امید ہی نہیں بلکہ گرمجوشی اور ولولے بھی شامل تھے۔ سرگرمی، اعتماد اور عزم وارادے کی ایک نئی روح ہندوستان کی سرزمین پر بیدار ہو چکی تھی۔ اس سرگرمی، اس جوش، اس اعتماد اور عزم وارادے میں ہندوؤں کے ساتھ مل کر حصہ نہ لینا مسلمانوں کے لئے اپنے وجود، اپنی سابقہ شاندار روایات اور تاریخ کو جھٹلانا تھا۔ اسلام کی صدیوں کی تاریخ گواہ ہے کہ قربانی اور جدوجہد کی للکار پر لبیک کہنے سے مسلمان نے کبھی جی نہیں چرایا۔

۱۹۱۵ء کے اجلاسوں کی طرح ۱۹۱۶ء میں بھی لیگ اور کانگریس کے سالانہ اجتماع ایک ہی مقام پر لکھنؤ میں ہوئے۔ مسٹر جناح کو مسلمانوں نے خدمات اتحاد کے اعتراف کے طور پر اپنی تنہا نمائندہ سیاسی انجمن کی صدارت کا تاج پہنایا۔ لیگ کے اس اجلاس میں جو ۳۰ دسمبر ۱۹۱۶ء کو ۲ بجے بعد دوپہر لکھنؤ کے مشہور تاریخی مقام قیصر باغ میں شروع ہوا، کانگریسی لیڈر بھی کثرت سے شریک ہوئے۔ مسلم لیگ کے رہبروں نے کانگریس کے اجلاس میں شرکت کر کے ان کی جو عزت افزائی کی تھی یہ اس کا بدل تھا۔ جلسہ گاہ کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ ہندو، سکھ اور دیگر قوموں کے افراد مسلمانوں کا فیصلہ سننے کے لئے بیتاب تھے۔

سید نبی اللہ کا خطبۂ استقبالیہ — استقبالیہ کمیٹی کے صدر سید نبی اللہ تھے جو ۱۹۱۳ء کے اجلاس آگرہ کے صدر رہ چکے تھے۔ انہوں نے پُر زور الفاظ میں حالات کی تصویر کھینچنے کے بعد بے انتہا موثر اور دلنشین انداز سے مسلمانوں کو ہندوستانی کی سیاسی رہبری کرنے کی تلقین کی۔ اپنی اسپیچ کے آخر میں انہوں نے خصوصیت کے ساتھ پریس ایکٹ اور ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ پر شدید نکتہ چینی کی۔ پریس ایکٹ کو ایک

غیر قانونی حربہ سخت گیری قرار دیتے ہوئے کہا: اس کی دفعات ایسی ہیں جن سے اخبارات کی آزادی ایک مذاق بن کر رہ گئی ہے۔ سب سے زیادہ ذی اثر اور آزاد خیال مسلمان اخبارات میں سے زیادہ تر اس کے وار سے ختم ہو چکے ہیں اور ہندوستان میں اخبار نویسی ایک پرخطر اور دشوار کام بن گئی ہے۔ جتنے جلدی اسے واپس لے لیا جائے ملک کے امن و عافیت کے لئے اتنا ہی بہتر ہوگا۔

ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کے متعلق سید نبی اللہ نے کہا "یہ قانون، جو حکومت کے دشمنوں کے لئے تھا، بڑے خطرناک طریقے پر استعمال کیا گیا ہے۔ مسلمانوں کے بعض مشہور اور مقبول ترین رہبروں (جیسے محمد علی شوکت علی صاحبان) کو آزادی سے محروم کر دیا گیا ہے۔ نہ ان پر کوئی جرم عائد کیا گیا، نہ مقدمہ چلایا گیا، نہ نظر بندی کی وجوہات بتا کر انہیں صفائی کا موقع دیا گیا۔ اگر پبلک یہ سمجھے کہ یہ معصوم اصحاب کسی ظالمانہ غلط فہمی یا شبہے کا شکار ہوئے تو یہ اس کا قصور نہیں۔ مسٹر محمد علی اور ان کے بھائی کے لئے عام طور پر لوگ گہرا جذبہ ہمدردی و افسوس رکھتے ہیں۔ کیا ہم امید کریں کہ گورنمنٹ اس جذبے کا لحاظ رکھتے ہوئے انہیں رہا کردیگی؟"

مسٹر جناح کا تاریخی خطبۂ صدارت

جناح صاحب کا خطبہ موقع اور محل ہی کے اعتبار سے مناسب ترین نہیں بلکہ جناح جیسے بلند اور بیباک انسان کی شان کے شایاں بھی تھا۔ انہوں نے ہندوستانیوں کے ولولوں کی استادانہ انداز سے تصویر کھینچ کر رکھ دی، ان کے سکت دلائل کی بنیاد ٹھوس حقیقتوں پر تھی۔ انہوں نے بڑی بیباکی سے انگریزی بیوروکریسی (استعمار) پر حملہ کیا اور مسلمانوں کے زاویۂ نگاہ کی ترجمانی کا حق ادا کر دیا۔ سب سے پہلے انہوں نے خود اختیار حکومت کے سوال کو لیا۔ انہوں نے کہا "ہندوستان کی حالت یہ ہے کہ ایک تو یہاں مغربی ڈھنگ کا انگریزی راج ہے جس کے اثر سے ہندوستانیوں میں ذہنی بیداری پیدا ہو گئی دوسرے مغربی تعلیم کے اثرات کے ماتحت ہندوستان کی مختلف قومیں نسل اور عقائد کے اختلافات کے باوجود ہم خیال اور ہم مقصد بنتی جا رہی ہیں۔ اور ان میں سیاسی حرکت اور بیداری کی وجہ سے روز بروز یہ خیال زیادہ قوت حاصل کرتا جا رہا ہے

کہ ہمارے ملک کی حکومت ہمارے ہاتھوں میں ہونی چاہئے۔ اب یہ کام انگریزی تدبر کا ہے کہ وہ اس مسئلے کا حل نکالے۔" اس کے بعد آپ نے ان دقتوں پر روشنی ڈالی جو اس مسئلے کے حل میں حائل ہیں۔ (۱) ہندوستان کے انگریز حکام کی قدامت پسندانہ ذہنیت جس کی وجہ سے وہ ہندوستانیوں کو حکومت میں شریک کرتے ہوئے گھبراتے ہیں (۲) انگریزوں کا دعوے کہ ہندوستان کے ان تعلیم یافتوں کی اغراض جو حکومت میں حصہ مانگتے ہیں ہندوستان کے عوام سے مختلف ہیں۔ (۳) ہندوستان کی مختلف قوموں کے نسلی اور مذہبی اختلافات۔ ان دقتوں کے سلسلے میں انگریزوں کے رویے پر نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا "کوئی شخص جو ہندوستان کے حالات کا ٹھنڈے دل سے مطالعہ کرتا ہے اس عظیم الشان اور نمایاں صداقت کو نظر انداز نہیں کرسکتا کہ ہندوستان ہندوستانیوں کا سب سے پہلا اور سب سے آخری ملجا و ماویٰ ہے۔ وہ وقت دور ہو یا نزدیک، مگر ایک دن آنا ضرور ہے جب ہندوستانیوں کو خود اختیار قوم کی حیثیت سے ان کا پورا پورا حصہ ملے گا ضرور۔ دنیا کی کوئی طاقت انہیں ان کے نوشتۂ تقدیر سے محروم نہیں کرسکتی۔

"بڑا اہم سوال اس وقت یہ ہے کہ آیا ہندوستان آزادی کا اہل ہے اور اگر ہے تو کہاں تک؟ اگر ہندوستان آج اس قابل نہیں ہے تو اس کو قابل بنانا چاہئے۔ اس معاملے میں ہندوستان کے باشندوں پر جو ذمہ داری یا فرض عائد ہوتا ہے، حکومت پر اس سے کچھ کم ذمہ داری یا فرض عائد نہیں ہوتا۔

"قابلیت کا معیار کیا ہے؟ زمانہ گزشتہ میں صرف وہ لوگ آزادی کے اہل سمجھے گئے جنہوں نے حصول آزادی کے لئے جدوجہد کی اور اسے حاصل کرلیا۔ ہم گذشتہ سے مختلف زمانے میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ہم آئینی لڑائیاں لڑ رہے ہیں۔ اس پرامن جدوجہد میں قوت ارادہ اور قربانی کی کمی نہیں ہے اور نہ ہوگی اور ہم نے سلطنت برطانیہ کو اس امر کا یقین دلانے کا تہیہ کرلیا ہے کہ ہم سلطنت کی حدود کے اندر ایک شریک کا درجہ حاصل کرنے کے قابل ہیں۔

ہندو مسلم اتحاد کا مسئلہ | "میں اپنی پبلک لائف میں ہمیشہ پکا کانگریسی رہا ہوں اور فرقہ وا-

شور و غل کو میں نے کبھی پسند نہیں کیا۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنانے کا جو الزام مسلمانوں کے سر تھوپا جاتا ہے وہ نہایت نامناسب اور غیر متعلق ہے۔ ایک قلیل تعداد والی جماعت کو قومی کاموں میں امداد دینے پر آمادہ کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اسے اس کی حفاظت کا پورا اطمینان دلایا جائے۔ یہ امر میرے اور ہر محب وطن کے لئے نہایت اطمینان بخش ہے کہ اس معاملے میں مسلمانوں کی جماعتی حیثیت کو ہندوؤں کے لیڈروں نے تسلیم کر لیا ہے اور اس کے ساتھ فراخدلی کا برتاؤ کیا ہے۔ انڈین نیشنل کانگریس اور آل انڈیا مسلم لیگ کی کمیٹیوں نے گزشتہ نومبر میں کلکتہ میں متحدہ متفقہ طور پر جو فیصلہ کیا ہے وہ اس کی بین دلیل ہے۔

حکومت کا فرض

"سیاسی اتحاد و اتفاق کی جانب بڑھنے میں ہندوستان کی ترقی کے راستے میں جو نہایت مہیب مسئلہ حائل تھا اب اس کے قابل اطمینان حل کی وجہ سے ہماری آئینی جنگ قبل ازیں گویا نصف ختم ہو چکی ہے۔ صلح ہوتے ہی ذمہ داران حکومت کو مسئلہ ہندوستان کو دلیرانہ اور فیاضانہ طریق پر حل کرنا ہوگا اور ہندوستان کو سلطنت برطانیہ کے ایک آزاد ذمہ دار اور ہم رتبہ رکن کی حیثیت سے اس کا پیدائشی حق دینا ہوگا۔

لیگ کے سامنے لائحہ عمل

"یہ تبدیلی کس طرح عمل میں آنی چاہیئے اور اس کے حل کیلئے کیا کیا تدابیر اور طریقے اختیار کرنے چاہئیں؟ ان کے بارے میں تجاویز تیار ہو چکی ہیں جنہیں شاہی کونسل کے انتخاب سے آئے ہوئے انیس نمائندوں نے گورنمنٹ کے سامنے پیش بھی کر دیا ہے۔ گذشتہ سال آل انڈیا مسلم لیگ کی ایک کمیٹی بنائی گئی تھی اور اس کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ انڈین نیشنل کانگریس کی کمیٹی سے مشورہ کر کے اصلاحات کی ایک اسکیم مرتب کرے۔ وہ اسکیم تیار ہے۔ اور اب استصواب رائے اور غور کے لئے آپ کی خدمت میں پیش ہوئے تو کانگریس اور لیگ دونوں کی تصدیق کے بعد دونوں جماعتوں کے سربرآوردہ اور نمائندہ افراد کا ایک وفد مقرر کیا جائے جو اس مسودے کو پارلیمنٹ میں پیش اور منظور کرائے۔"

سب سے بڑا سوال "یہ فیصلہ ہو جانا چاہیے کہ سیلف گورنمنٹ کے بارے میں ہندوستان کی حیثیت کیا ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ جدید سیاسی نظام میں ہندوستان کو جو سلطنت کا سب سے بڑا منفرد جزو ہے، انگلستان، سکاٹ لینڈ اور آئرلینڈ کے (مساوی حیثیت سے نہیں بلکہ) زوائد کی حیثیت سے محکوم ہی رہنے دیا جائے یا نوآبادیوں کو اس پر حکومت کرنے کا موقع دیا جائے۔ اس وقت تک ہندوستان کی نگرانی، اس کا انتظام اور اس کی حفاظت سلطنت برطانیہ سے متعلق رہی ہے۔ قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ایک ایسی شاہی پارلیمنٹ قائم ہوئی جس میں نوآبادیوں کو پوری نمائندگی ہوئی تو کیا اس پارلیمنٹ میں ہمارے لئے بھی کوئی جگہ اور ہماری بھی کوئی حیثیت ہوگی یا نہیں؟ کیا ہندوستان کو جدید اور مزید آقا ملیں گے؟ کیا ہندوستان پر انگلستان، اسکاٹ لینڈ، آئرلینڈ اور نوآبادیوں کی متحدہ حکومت ہوگی؟ کیا ہم امپیریل پارلیمنٹ کے حوالے کر دیئے جائیں گے؟ اور اس طرح ہم پر نوآبادیوں کی حکمرانی اور فرمانروائی ہوگی؟ ہندوستان ایسی ناقابل برداشت حالت میں چھوڑ دیا جانا کبھی گوارا نہ کرے گا۔ نہ اس کو اپنے آقا تبدیل کرنے کی ضرورت ہے اور نہ اس کو مزید آقاؤں کی ضرورت ہے اگر مذکورہ بالا قسم کی پارلیمنٹ سلطنت کے لئے قائم ہوئی تو اس میں ہندوستان کی آواز اور اس کے فرزندوں کی نیابت کا کامل اور مناسب انتظام ہونا چاہئے۔

ہندوستان کی خواہش اصلاحات "حکومت ہند میں باشندگان ہندوستان کی طرف سے جن اصلاحات کی خواہش کی جا رہی ہے ان کا پورا خاکہ حال ہی میں امپیریل کونسل کے انیس منتخبہ ممبر پیش کر چکے ہیں۔ ان مطالبات کو ذمہ دار اصحاب نے ترتیب دیا ہے جن پر منتخبہ نمائندگان کی حیثیت سے حکومت اور رعایا دونوں کے یکساں حقوق ہیں یہ تاجرانہ طور پر پیش نہیں کئے گئے ہیں یہ مطالبے صحیح معنوں میں کم سے کم ہیں۔

مسلمانوں کو صدر لیگ کا سبق خودداری "ہم نہ کسی عنایت کے طالب ہیں اور نہ

طرفدارانہ سلوک کی التجا کرتے ہیں۔ یہ قوم کے لئے مخرب اخلاق ہے۔ مسلمانوں کو خودداری سیکھنی چاہئے۔ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ بحیثیت جماعت ہماری اولوالعزمیوں اور نصب العین میں جائز طور پر تحریک ہو۔ ہندوؤں کی جانب ہمارا رویہ نیک نیتی اور رہبرانہ جذبات سے مملو ہونا چاہئے۔ ہندوستان کی حقیقی ترقی دونوں بڑی ہمسایہ قوموں کے درمیان صحیح مفاہمت اور ہموار تعلقات ہی کے ذریعے سے حاصل ہو سکتی ہے۔ ہمیں اپنے افعال و اقوال سے یہ ثابت کر دینا چاہئے کہ ہم نہایت خلوص اور شوق سے ایک صحیح قومی اتحاد کی خواہش رکھتے ہیں۔ باقی نتائج کے لئے سات کروڑ مسلمانوں کو ہراساں ہونے کی ضرورت نہیں"۔

اجلاس لیگ میں اہم مسائل وقت پر بحث و نظر

دوسرے دن جب لیگ کا اجلاس شروع ہوا تو سب سے پہلے لیگ کی ریفارمز کمیٹی کی رپورٹ ممبران کے سامنے رکھی گئی جیسا کہ پہلے کسی جگہ بتا دیا گیا ہے کہ یہ کمیٹی گذشتہ سال کے اجلاس بمبئی میں مقرر کی گئی تھی۔ اسی جگہ ہم نے ریفارمز کمیٹی کی سرگرمیوں اور اسکی کارروائیوں کا بھی تذکرہ کر دیا ہے۔ آنریبل راجہ آف جہانگیر آباد نے اس کے منظور کئے جانے کی تجویز پیش کرتے ہوئے کہا۔ "یہ ہندوستان کے کم سے کم مطالبات ہیں جو ہندوؤں اور مسلمانوں کی طرف سے متفقہ طور پر حکومت برطانیہ کے سامنے پیش کئے جائیں گے۔ اب وقت آگیا ہے کہ ہندوستان کی یہ دونوں بڑی قومیں ایک ساتھ ملکر عملی قدم اٹھائیں"۔ بمبئی کے آنریبل مسٹر شریف دیوجی کانجی نے اس کی تائید کی اور تجویز منظور ہوگئی

سیلف گورنمنٹ کا مطالبہ

ان کے بعد وہی آنریبل سٹر اے۔ رسول بار ایٹ لا کلکتہ نے تجویز کیا کہ آل انڈیا مسلم لیگ ریفارمز کی اسکیم کو کانگریس سے اشتراک کر کے گورنمنٹ کے سامنے پیش کرتی ہے تاکہ جنگ کے بعد وہ ہندوستان میں مکمل سیلف گورنمنٹ قائم کر دے۔ ان کی تائید آنریبل مولوی فضل الحق (بنگال) نے کی۔

مسز سروجنی نائیڈو کی ہندو مسلم اتحاد کے مسئلے پر تقریر

صاحب صدر کی درخواست پر مسز نائیڈو نے ہندو مسلم اتحاد کے مسئلے پر تقریر کی اور مطالبات پر ہندوؤں اور مسلمانوں کے متحد ہو جانے کو ہوم رول کے خواب

کی تعبیر کے لئے نیک شگون قرار دیا۔ مدراس کے آنریبل مسٹر یعقوب حسن نے کہا،" اس مطالبے کا مطلب اندرونی آزادی حاصل کرنا ہے۔" آنریبل سید آل نبی نے کہا۔" یہ پہلا قدم ہے جو ہمیں سیلف گورنمنٹ کی بلندی کی طرف پہنچاتا ہے۔" مسٹر محمد عمر، رایٹ لا امرتسر اور نواب نصیر حسین نے بھی پرزور تائید کی۔ تجویز منظور کر لی گئی۔

لفٹنٹ گورنر صوبہ متحدہ کی تقریر

جب مسٹر رسول تقریر کر رہے تھے تو ہز آنر سر جیمس مسٹن لفٹنٹ گورنر مع سر روی لویٹ اور مسٹر ایل کرٹس جلسے میں آئے۔ تمام حاضرین بطور اظہار احترام اپنی جگہ پر کھڑے ہو گئے۔ مسٹر رسول کی تقریر کے بعد مسٹر جناح نے ہز آنر کو مخاطب کرتے ہوئے ان کا خیر مقدم کیا اور کہا۔" ان کا ہم میں موجود ہونا یہ ظاہر کرتا ہے کہ حکومت ہماری آرا اور ہمارے جذبات کو سمجھنے کی خواہشمند ہے۔" اس کے جواب میں ہز آنر بھی تقریر کرنے کے لئے اٹھے۔ مجمع نے پرزور چیئر نہ دیئے۔ ہز آنر نے کہا۔" میں لیگ کی دعوت شرکت اور خیر مقدم دونوں کو بڑی خوشی سے قبول کرتا ہوں۔ ان مسائل پر تو میں کوئی رائے ظاہر کر نہیں سکتا جو اس وقت آپ کے سامنے ہیں مگر میں صوبے کی حکومت کے سب سے بڑے سرکاری عہدہ دار کی حیثیت سے آپ لوگوں کا لکھنؤ میں خیر مقدم کرتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ آپ اپنی عظیم الشان قوم کی روز افزوں بہتری اور خوشی میں اضافہ کرنے کے اولین فرض کو نظر انداز نہیں کریں گے۔"

اسکیم کے ضروری کاموں کیلئے ایک کمیٹی

آنریبل راجہ صاحب آف جہانگیر آباد نے تیسرا ریزولیوشن اس مضمون کا پیش کیا کہ آل انڈیا مسلم لیگ پندرہ آدمیوں تک کی ایک کمیٹی مقرر کرتی ہے جو ریفارمز اسکیم کے سلسلے میں سب کام کرے گی اور کونسل کو اختیار دیتی ہے کہ جنگ کے فوراً بعد وہ نمائندہ مسلمانوں کا ایک وفد انگلستان بھیجے جو کانگریس کے وفد کے ساتھ ہو کر انگلستان کی حکومت اور عوام پر متحدہ ریفارمز اسکیم کی منظوری کے لئے زور دے۔ اس کے بعد اٹھارہ تجویزیں اور پیش ہوئیں ان میں ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ، پریس ایکٹ اور آرمز ایکٹ کی منسوخی، محمد علی شوکت علی، ابوالکلام اور

ظفر علی، پر سے نظر بندی کی پابندی اٹھا لینے کا مطالبہ کیا گیا۔ اردو کے خلاف بعض طبقوں کی طرف سے جو کوششیں جاری تھیں ان پر احتجاج کیا گیا۔ یو۔پی میں میونسپل ایکٹ پاس ہونے پر اظہار اطمینان کیا گیا۔ حکومت پر زور دیا گیا کہ وہ فوج میں ہندوستانیوں کو بھی اعلیٰ اسامیاں دے بندوبست اراضی کے تعین اور لگان کی کوئی حد مقرر کرنے کی درخواست کی گئی۔ حکومت کے عدالتی شعبے کو انتظامی شعبے سے علیحدہ کرنے پر زور دیا گیا۔ جن صوبوں میں اس وقت تک کونسلیں قائم نہیں ہوئی تھیں وہاں کونسلیں قائم ہونے کی ضرورت ظاہر کی گئی۔ اور یہ بھی مطالبہ کیا گیا کہ یو۔پی میں گورنر بھیجا جائے۔ ڈھاکے میں وعدہ کی ہوئی یونیورسٹی قائم کرنے کی طرف پر زور طریق سے توجہ دلائی گئی۔ برطانوی نوآبادیوں میں ہندوستانیوں کے ساتھ جو ناانصافیاں ہو رہی تھیں ان پر لیگ نے احتجاج کیا۔ جنگی مسائل کو طے کرنے اور جنگ کو زیادہ قوت کے ساتھ چلانے کے لئے وزیر ہند نے آنے والی امپیریل کانفرنس میں اپنی امداد کے لئے دو ہندوستانی لینے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ مسلم لیگ نے اس پر زور دیا کہ ان دو ہندوستانی نمائندوں کو شاہی کونسل اور صوبجاتی کونسلوں کے ممبر چنیں اور یہ صرف امداد کے لئے نہیں بلکہ ہندوستان کی نمائندگی کیلئے جائیں۔ وزیر اعظم انگلستان نے اپنے ایک پیغام میں ہندوستانی عوام اور والیان ریاست کی امداد کی تعریف کی تھی اس پر اظہار پسندیدگی کیا گیا۔

مسلم لیگ صوبہ پنجاب کی بغاوت

۱۹۱۶ء میں مسلم لیگ کی زندگی میں ریفارمز اسکیم کی تیاری کے بعد دوسرا اہم واقعہ مسلم لیگ صوبہ پنجاب کی بغاوت ہے جس کے آنریری سکرٹری آنریبل خان بہادر میاں محمد شفیع تھے۔ لیگ کی اس شاخ میں دو پارٹیاں ہوگئیں تھیں۔ ۳۰ جنوری ۱۹۱۶ء کو لاہور کے بارہ اصحاب کے دستخطوں سے جن میں خان بہادر سردار عبدالرحمن خاں آنریری مجسٹریٹ لاہور، پیر تاج الدین ملک برکت علی خاں ایم۔اے ایڈیٹر ابزرور، اختر علی خاں بی۔اے زمیندار، زین محمد صاحب ایڈیٹر میونسپل گزٹ وغیرہ نمایاں ہیں ایک پبلک جلسہ کا اعلان ہوا اور جلسہ میں یہ تجویز منظور کی گئی کہ چونکہ آئینی طور پر پنجاب میں مسلم لیگ کی کوئی شاخ نہیں ہے، اور جو جماعت یہ

نام اختیار کئے ہوئے ہے وہ اس صوبے کے مسلمانوں کی نمائندہ نہیں ہے اس لئے ایک صوبائی مسلم لیگ قائم کی جاتی ہے۔ اس شاخ نے مسلم لیگ کے صدر دفتر سے الحاق کی درخواست کی۔ سید وزیر حسن سکریٹری آل انڈیا مسلم لیگ نے اس درخواست کو کونسل آل انڈیا مسلم لیگ کے سامنے رکھنے سے پہلے پہلی مسلم لیگ پنجاب سے صفائی طلب کی۔ پہلی پنجاب لیگ کے سکریٹری نے سید وزیر حسن کو کوئی جواب نہ دیا بلکہ انہوں نے اردو میں ایک پمفلٹ شائع کیا اور اس میں آل انڈیا مسلم لیگ پر الزامات لگا کر اسے پبلک کی نظروں میں ذلیل کرنا چاہا۔ آل انڈیا مسلم لیگ کی طرف سے اس کے جواب میں فوراً ہی ایک پمفلٹ اردو زبان میں شائع ہوا۔ اس میں پنجاب مسلم لیگ کے الزامات کی تردید کی گئی۔ آل انڈیا مسلم لیگ کو پہلے سے بھی پنجاب مسلم لیگ سے شکایات تھیں۔ اس کے ذمہ دار ممبروں نے مسلم لیگ فنڈ کے لئے کوئی کام نہیں کیا تھا جو سالانہ اجلاس آگرہ کے موقع پر قائم کیا گیا تھا۔ اس نے اجلاس بمبئی ۱۵ء کو درہم برہم کرنیکی کوشش کرنے والوں کے خلاف کوئی آواز نہیں اٹھائی تھی حالانکہ دیگر تمام صوبائی لیگوں نے سختی سے ان کے اس فعل کی مذمت کی تھی۔ عرب کے مقامات مقدسہ کی حفاظت کے بارے میں مسلم لیگ نے جو تجویز منظور کی اس کی بھی پنجاب مسلم لیگ نے تائید نہیں کی تھی۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے ممبروں میں اضافہ کر کے اس کی طاقت بڑھانے کی جگہ پنجاب مسلم لیگ نے بعض اوقات اس میں مزاحمت کی تھی۔ ۳۰ دسمبر ۱۹۱۶ء کو آنریبل مسٹر فضل الحق وکیل کلکتہ کی صدارت میں لیگ کونسل کا جلسہ ہوا اور پہلی مسلم لیگ پنجاب کا الحاق توڑ کر دوسری مسلم لیگ پنجاب کا الحاق منظور کر لیا گیا۔

۱۹۱۶ء میں لیگ کے مقاصد

۱۹۱۶ء میں لیگ کے سب سے بڑے مقصد دو تھے۔ وہ مسلمانوں کی سیاسی پوزیشن کو محفوظ کرنا چاہتی تھی اور ہندوستان کے لئے سیلف گورنمنٹ یا ہوم رول یا خود اختیار حکومت کے حصول کے لئے ہندوستان کی دوسری قوموں سے اتحاد عمل کرنے کی خواہشمند تھی۔ مسلمان قلیت میں تھے۔ تمام سیاسی تبدیلیاں یہ ظاہر کر رہی تھیں کہ ہندوستان میں جمہوری حکومت

حکومت قائم ہو گی، ایسی حالت میں مسلمانوں کے لئے معیّنہ آئینی تحفظات ضروری تھے ہندوؤں کے بعض طبقے مسلمانوں کے اس مطالبے کے سخت مخالف تھے حالانکہ مسلمانوں کی جداگانہ نیابت سے ان کی اکثریت پر کوئی برا اثر نہیں پڑتا تھا۔ البتہ اس قسم کی حرکات سے مسلمانوں کی رائے عامہ ضرور برا اثر لیتی تھی۔ مثلاً لیگ کے اجلاس سے چند ماہ قبل صوبہ متحدہ میں میونسپل ایکٹ پر ہندوؤں نے بڑا زبردست ایجی ٹیشن کیا تھا۔ اس ایکٹ میں مسلمانوں کو جداگانہ نیابت کے اصول پر ان کی تعداد سے کچھ زیادہ نشستیں مل گئی تھیں مگر ہندو اکثریت میں بالکل فرق نہ پڑا تھا بعض ہندو لیڈروں نے اتنی ہی سی بات پر زیادہ اہم مسائل سے آنکھیں بند کر کے "ہندو خطرے میں" کا نعرہ بلند کر دیا۔ اگر مسلمان بھی اس سے اثر لینے پر آمادہ ہو جاتے تو ہندو مسلم اتحاد کی جدید تحریک کا ابتدا ہی میں خاتمہ ہو جاتا۔ یہ بات مسلمانوں کے لئے باعث اطمینان تھی کہ ہندوستان کے ذمہ دار ہندو لیڈر مسلمانوں کے زاویۂ نگاہ کو تسلیم کرتے تھے اور ان کی سیاسی پوزیشن کو محفوظ کرنے کے لئے ہر قسم کی طمانیت دینے کے لئے تیار تھے۔

باب ۱۳

متحدہ مطالبہ حکومت خود اختیاری

مسلم لیگ، کانگریس اور ہوم رول لیگ کا متحدہ محاذ | دسمبر ۱۹۱۶ء میں کانگریس نے اپنی کمیٹیوں کو یہ ہدایت کر دی تھی کہ وہ قانون کی حدود میں رہتے ہوئے لیگ کانگریس اسکیم اصلاحات کی حمایت میں پروپگنڈا کریں۔ اور مسلم لیگ کی کمیٹیوں سے اشتراک عمل رکھیں۔ ۱۹۱۷ء شروع ہوتے ہی لیگ اور کانگریس نے متحد ہو کر ہندوستان کی سیاسی ترقی کے لئے کام شروع کر دیا۔ ہوم رول لیگ بھی ان کے ساتھ شامل ہوئی جس نے یکم ستمبر ۱۹۱۶ء سے اپنی تحریک مسز اینی بیسنٹ کی قیادت میں شروع کر رکھی تھی اس کا مقصد بھی آئینی ایجی ٹیشن سے ہندوستان کے لئے حکومت خود اختیاری حاصل کرنا تھا مگر لیگ اور کانگریس کی لیڈروں کے خلاف جو میدان جنگ میں ہندوستان کا خون بہنے کے صلے کے طور پر خود اختیار حکومت مانگتے تھے، مسز اینی بیسنٹ یہ کہتی تھیں کہ "ہم خدمت کے صلے کے طور پر نہیں بلکہ اپنا حق سمجھکر خود اختیار حکومت مانگتے ہیں ہم ہندوستان کی وفاداری پر صلے اور معاوضے کی گفتگو کیوں کریں۔؟ ہندوستان اپنے بیٹوں کے خون اور اپنی بیٹیوں کے آنسوؤں سے سودا نہیں کرنا چاہتا بلکہ وہ اپنے جائز حقوق کا مطالبہ کر رہا ہے۔ وہ انصاف کا طالب ہے اور انصاف چاہتا ہے۔"

حکومت کا سخت رویہ | حکومت ابتدا ہی سے ہندوستانیوں کے متحدہ مطالبہ اصلاحات

کے ساتھ سخت رویّہ اختیار کرنے پر آمادہ نظر آرہی تھی۔ مسلم لیگ اور کانگریس کی اسکیم شائع ہونے سے چند دن قبل وائسرائے ہند لارڈ چیمسفورڈ نے کلکتہ میں ایک تقریر میں ممبران کونسل کی یادداشت کا حوالہ دیتے ہوئے "حوادث انگیز" تبدیلیوں کے مطالبے کو نا قابل ہمت افزائی قرار دیا تھا۔ انہی ایام میں "انیسویں صدی اور بعد" نامی انگریزی ماہنامے میں لارڈ سڈنہم کا ایک مضمون "ہندوستان میں خطرہ" شائع ہوا جس میں ممبران کونسل کی یادداشت کے مطالبات کو "انقلابی تجاویز" کہہ کر ان کی مذمت کی گئی۔ جنوری ۱۹۱۷ء کے "انیسویں صدی اور بعد" میں اسی موضوع پر لارڈ سڈنہم نے ایک دوسرا مضمون لکھا کہ جرمنی ہندوستان میں سازش کا جال پھیلا رہا ہے جس سے اعتدال پسند انتہا پسندوں کے اثر میں آکر انقلاب کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ ایسے مطالبات کی اجازت دینے میں ایک خطرہ ہے۔ جس کے ازالے کیلئے سخت گیری سے کام لینا ناگزیر ہے۔

ان مضامین کو اوّل اوّل تو ایک گم کردہ راہ رجعت پسند انگریز کا اظہار غیض و غضب سمجھا گیا مگر بہت جلد اس کی تجویز کردہ لائنوں پر حکومت ہند نے ایک مقررہ پالیسی اختیار کرلی۔ مارچ ۱۹۱۷ء میں گورنمنٹ آف انڈیا نے لوکل گورنمنٹوں کے نام ایک سرکلر جاری کیا جس میں انہیں اصلاحات کے مطالبات کو دبانے کی ہدایت کی گئی۔ نیز لفٹنٹ گورنر پنجاب سر مائیکل اوڈوائر اور گورنر مدراس لارڈ پینٹلینڈ نے اپنے اعلانات میں جو ایک دوسرے سے بہت زیادہ مشابہ تھے، ہندوستانیوں کے مطالبات کی مذمت کرتے ہوئے لوگوں کو دھمکی دی کہ جب تک جنگ جاری ہے ایجی ٹیشن نہ کریں ورنہ سخت گیری سے کام لیا جائے گا۔ اعلانات میں یہ بھی کہا گیا کہ جنگ کے بعد جو اصلاحات ملنے والی ہیں وہ معمولی قسم کی ہوں گی اور پبلک کی توقعات سے بہت کم رہیں گی۔ جو اصلاحات ہندوستانی طلب کر رہے ہیں وہ اتنی ہی باغیانہ ہوں گی۔ جتنی وہ تبدیلیاں تھیں جنہیں وجود میں لانے کے لئے ۵۷ء کا ہنگامہ غدر برپا کرنے والوں نے مسلح کوششیں کی تھیں۔

ہندوستانیوں میں بے چینی | ہندوستان کے تعلیم یافتہ طبقہ میں اس دھتکار سے

ناراضگی پھیلی۔ یہ بات بھی سب کو معلوم ہو چکی تھی کہ گورنمنٹ آف انڈیا نے وزیر ہند کو ایک خفیہ مراسلہ بھیجا ہے جس میں وزیر ہند کی منظوری کے لئے وہ اصلاحات درج کی گئی ہیں جنہیں بعد جنگ نافذ کرنا مقصود ہے۔ صوبجاتی حکومتوں کے اعلیٰ افسروں نے اپنے بیانات میں جو کچھ کہا اس سے یہ صاف صاف معلوم ہو رہا تھا کہ گورنمنٹ آف انڈیا کے مراسلے کی تجویزیں لیگ کانگریس اسکیم کے مطابق نہیں ہیں بلکہ ان میں صرف معمولی درجے کی اصلاحات دینے کی سفارش کی گئی ہے۔ حالانکہ ذمہ دار برطانوی سیاستداں جنگ شروع ہونے کے بعد سے اب تک وقتاً فوقتاً ہندوستان کی طرف سے دی گئی امداد کا اعتراف کر کے اسے ذمہ دار حکومت کا یقین دلاتے رہے تھے اور انہوں نے بار بار اہل ہند کو یہ توقع دلائی تھی کہ آزادی، انصاف اور سیاسی مساوات میں سے جن کیلئے انگلستان اور اس کے اتحادی لڑ رہے ہیں جنگ کے بعد ہندوستان کو بھی اس کا پورا حصہ ملے گا۔

مسز بیسنٹ کی نظربندی
مسلم لیگ کا پرزور احتجاج

مسز بیسنٹ کی نقل و حرکت سے حکومت بہت پیچ و تاب کھا رہی تھی۔ انہوں نے ایجی ٹیشن کو ملک میں ہر طرف پھیلا دیا تھا۔ اس اعلان کے بعد جس کا اوپر ذکر ہوا ہے حکومت فوراً ایجی ٹیشن کو سختی سے دبانے اور مسز اینی بیسنٹ کی سرگرمیوں کے سیلاب کو روکنے کی طرف متوجہ ہو گئی۔ ان کے دونوں اخباروں نیو انڈیا اور کامن ویلتھ سے بیس ہزار کی ضمانت طلب کی گئی جو بعد کو ضبط کر لی گئی اور ۱۵ جون کو مدراس کی حکومت نے مسز اینی بیسنٹ اور ان کے دو ساتھیوں مسٹر ارنڈیل اور مسٹر واڈیا کو ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کے ماتحت نظربند کر دیا۔

یہ خبر ملتے ہی مسلم لیگ کی طرف سے کونسل کے ممبروں کو ایک فوری اجلاس کے انعقاد کے دعوت نامے جاری ہو گئے۔ مسز بیسنٹ کی گرفتاری کے بارھویں دن ۲۷ جون کو لیگ کونسل کا اجلاس ہوا۔ مسز بیسنٹ، مسٹر جی۔ ایس۔ ارنڈیل اور مسٹر بی۔ پی واڈیا کی نظربندی کے خلاف احتجاج کیا گیا اور گورنر مدراس کے بیان پر بھی شدید نکتہ چینی

کی گئی جو لیگ کے منتہائے نظر کے خلاف تھا۔ یہ مصمم ارادہ کر لیا گیا کہ لیگ کانگریس اسکیم
کی تجویز کردہ خود اختیار حکومت کے لئے اٹل ارادوں کے ساتھ آئینی پروپگنڈا جاری رکھا
جائے گا۔ حکومت کو جتایا گیا کہ گورنر مدراس لارڈ پینٹ لینڈ کی پالیسی کی تصدیق نہ کرنے کی
بڑی سخت ضرورت ہے اور نظر بندی کے احکامات فوراً واپس لے لئے جائیں۔

مسلم لیگ اور کانگریس کا مشترکہ جلسہ بمبئی

مسز اینی بیسنٹ کی نظر بندی سے ہوم رول کی تحریک اور بھی زیادہ
مقبول ہوئی۔ اس دور میں مسٹر جناح تحریک میں سرگرم حصہ لے رہے تھے۔ ۲۷ جولائی کو
بمبئی میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی اور آل انڈیا مسلم لیگ کی کونسل کا ایک مشترکہ اجتماع ہوا
اس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ آنریبل مسٹر جناح، آنریبل مسٹر سید وزیر حسن آنریبل مسٹر سری واس
شاستری یا مسٹر سی۔ پی۔ راما سوامی آئر اور آنریبل ڈاکٹر تیج بہادر سپرو ستمبر کے وسط میں
انگلستان جائیں اور ذمہ داران حکومت کو ہندوستان کی عام سیاسی حالت سے باخبر کر کے ان
کے سامنے لیگ کانگریس اسکیم کے نفاذ کا مطالبہ پیش کریں۔ صوبوں کی کانگریس کمیٹیوں اور
لیگ کی کونسل سے دریافت کیا گیا کہ آیا سیاسی کام کے لئے ستیہ گرہ یا مقاومت مجہول کی
پالیسی اختیار کی جائے۔ ان سے چھ ہفتے کے اندر اندر انڈین نیشنل کانگریس کے سکرٹریوں
کے پاس اپنی اپنی رائیں بھیجدینے کی درخواست کی گئی تاکہ ملک کی مجموعی رائے کو آل انڈیا
کانگریس کمیٹی اور کونسل آل انڈیا مسلم لیگ کی مشترکہ میٹنگ میں رکھا جا سکے جو اس معاملے
پر غور کرنے کے لئے اکتوبر ۱۹۱۷ء کے آخری ہفتے میں ہونے والی تھی۔ مسز بیسنٹ اور ان کے
دونوں ساتھیوں سے ہمدردی کا اظہار کیا گیا اور انہیں ہمدردی کا تار بھیجا گیا۔ کلکتے میں
بیسنٹ اور ان کے ساتھیوں کی نظر بندی پر احتجاج کرنے کے لئے جو پبلک جلسہ ہونے والا تھا
اسے حکومت بنگال نے ممنوع قرار دیدیا تھا۔ اس پر احتجاج کیا گیا اور گورنمنٹ آف انڈیا اور
وزیر ہند سے درخواست کی گئی کہ وہ حکومت بنگال کو اس حکم کے واپس لے لینے کی ہدایت کریں
علی برادران کی رہائی پر بھی زور دیا گیا۔ یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ لیگ کانگریس اسکیم کے حق میں

پنڈت مدن موہن مالویہ، مسٹر نارائن گنیش چندراورکر اور مسٹر این ایم سمارتھ ایک محضر نامہ تیار کریں جو پارلیمنٹ کے سامنے پیش کیا جائے۔ ملک کی سیاسی حالت پر ایک بیان طیار کیا گیا جس پر نظر ثانی کرنے کے لئے مسٹر جناح، پنڈت مالویہ اور مسٹر سمارتھ مقرر ہوئے۔ اس بیان میں جو وزیر ہند اور وائسرائے کو بھیجا گیا، لیگ کانگریس کے سمجھوتے سے لیکر جلسے کے وقت تک کے تفصیلی حالات بیان کئے گئے تھے اور مشکلات کے حل کے لئے چار باتیں بتائی گئی تھیں۔ (۱) حکومت برطانیہ کی طرف سے صاف صاف الفاظ میں ایک اعلان کیا جائے کہ ہندوستان کو حکومت خود اختیاری دی جائے گی اور ہندوستان کے ملازمان "تاج برطانیہ" پر یہ بات ظاہر کردی جائے کہ وہ جلد از جلد اس مقصد کے حصول کی کوشش کریں۔ (۲) لیگ کانگریس اسکیم کو فوراً منظور کرلیا جائے۔ (۳) حکومت اس سلسلے میں جو تجویزیں مرتب کرے انہیں پبلک کی رائے معلوم کرنے کے لئے فوراً شائع کردیا جائے۔ (۴) مسز بیسنٹ اور ان کے ساتھیوں کو فوراً چھوڑ دیا جائے۔

یوم نظر بنداں کی تجویز

کچھ لوگ نظر بندوں کی رہائی کے لئے ایک نئی تحریک چلانی چاہتے تھے، انھوں نے یہ طے کیا کہ علی برادران، اور ابوالکلام آزاد، اور ہوم رول کے نظر بندوں کے نام پر یوم نظر بنداں منایا جائے۔ اس روز ہندوستان بھر میں جلسے کرکے ان کی رہائی کا مطالبہ کیا جائے۔ اگر حکومت نظر بندوں کو اسی دن رہا نہ کرے تو تحریک شروع کردی جائے اور حکومت کے لئے راج کرنا ناممکن بنا دیا جائے۔

وزیر ہند کا اعلان

اسی اثنا میں ایک عجیب تغیر ہوا جس نے ہندوستان کی سیاست پر گہرا اثر ڈالا۔ عراق عرب کی مہم کے ناکام رہنے کی وجہ سے اس وقت کے وزیر ہند سر آسٹن چیمبرلین پر مسٹر ماٹیگو نے برطانوی پارلیمنٹ کے دارالعوام میں زبردست نکتہ چینی کی اور انہیں نااہل ثابت کرتے ہوئے عراق عرب کی مہم کی ناکامی کو ان کی بدانتظامی اور ہندوستان سے کافی تعداد میں آدمی اور رسد نہ پہنچنے پر محمول کیا۔ مسٹر چیمبرلین نے

استعفیٰ دیا۔ یا۔ مسٹر مانٹیگو وزیر ہند بن گئے۔ وہ اس سے پہلے کافی عرصہ تک نائب وزیر ہند رہ چکے تھے اور انھوں نے ہندوستان کا کئی مرتبہ دورہ بھی کیا تھا۔ اپنے ہمدردانہ خیالات کی وجہ سے وہ ہندوستان میں کافی ہردلعزیز تھے۔ ۲۰ر اگست ۱۹۱۷ء کو انہوں نے سرکاری طور پر ایک بیان شائع کیا کہ ملک معظم کی حکومت اور حکومت ہند دونوں کی پالیسی ہندوستان کی حکومت میں ہندوستانیوں کو بتدریج حصہ دیکر اس ملک میں سیلف گورنمنٹ قائم کرنا ہے یہ دونوں حکومتیں وقت کی مناسبت کو دیکھتے ہوئے مناسب ذرائع اختیار کریں گی اور اس کام میں ہندوستانیوں سے بھی مدد لی جائے گی۔ اس کے ساتھ ہی فوج میں کمیشن ملنے کے معاملے میں برطانوی اور ہندوستانی کا امتیاز اٹھا دیا گیا۔ لیگ اور کانگریس کی طرف سے کئی سال سے اس کا مطالبہ کیا جارہا تھا۔ مسٹر مانٹیگو نے یہ بھی بتایا کہ میں بذات خود ہندوستان آکر اصلاحات کے بارے میں وائسرائے اور ہندوستانی اہل رائے سے گفتگو کروں گا۔ اس اعلان کے فوراً بعد مسز بیسنٹ اور ان کے ساتھیوں پر سے نظربندی کی پابندی اٹھالی گئی۔

۲۸ر اگست ۱۹۱۷ء کو لیگ کی کونسل کا اجلاس ہوا۔ اس میں ۲۰ر اگست کے اعلان کیلئے وزیر ہند کا شکریہ ادا کیا گیا۔ یہ توقع ظاہر کی گئی کہ جنگ ختم ہونے کے بعد فوراً لیگ کانگریس سکیم کو نافذ کر دیا جائے گا۔ اس پر اطمینان کا اظہار کیا گیا کہ فوج کے کمیشن والے عہدوں پر ہندوستانیوں کو لئے جانے کا اعلان کر دیا گیا ہے۔ ۲۰ر اور ۲۶ر ستمبر کو کونسل نے دو مزید فوری اجلاس کئے اور ان دونوں میں علی برادران کی رہائی پر زور دیا۔ اور اپنی تجویزیں بذریعہ تار وائسرائے ہند اور وزیر ہند کو بھیجیں۔

مسلم لیگ اور کانگریس کی مشترکہ میٹنگ الہ آباد

اکتوبر تک ستیہ گرہ شروع کرنے یا نہ کرنے کی بابت مختلف کانگریس کمیٹیوں کی رائیں موصول ہوگئیں۔ ۶ر اکتوبر کو لیگ کانگریس کے مشترکہ جلسہ میں یہ رائیں پڑھی گئیں۔ ستیہ گرہ کا خیال ترک کر دیا گیا اس کی بجائے وزیر ہند اور وائسرائے ہند کی خدمت میں ایک وفد بھیجنا طے ہوا۔

آنریبل سید وزیر حسن، مسٹر این سبرائن پنٹولو اور مسٹر سی، پی، راما سوامی آئے وفد کے سکرٹری مقرر ہوئے تاکہ وزیر ہند اور وائسرائے ہند سے ملاقات کے انتظامات کریں۔ ایک کمیٹی ایڈریس اور میمورنڈم تیار کرنے کیلئے بنائی گئی، جس میں سید نبی اللہ بار ایٹ لا، ڈاکٹر مختار احمد انصاری، مسٹر سریندر ناتھ بنرجی، مسز اینی بیسنٹ، آنریبل سری نواس شاستری وغیرہ تھے۔ جن لوگوں کو وفد کا ممبر چنا گیا ان میں سے نمایاں لوگوں کے نام یہ ہیں:۔ دی آنریبل مسٹر محمد علی جناح، دی آنریبل سر راجا سر محمد علی محمد خاں بہادر آف محمود آباد، سید نبی اللہ بار ایٹ لا (لکھنؤ) آنریبل مسٹر مظہر الحق بار ایٹ لا (پٹنہ)، آنریبل سید وزیر حسن، آنریبل سر ابراہیم رحمۃ اللہ کے، ٹی، بمبئی مسز اینی بیسنٹ (مدراس)، آنریبل بالو امبکا چرن موزمدار (فیروز پور) نواب سید محمد بہادر (مدراس)، آنریبل پنڈت مدن موہن مالویہ، بابو سریندر ناتھ بنرجی کلکتہ، سر راش بہاری گھوش کلکتہ، مسٹر ایم، کے گاندھی (احمد آباد) مسٹر بال گنگا دھر تلک، آنریبل سرینواس شاستری (مدراس) مسٹر سید حسن امام (پٹنہ) آنریبل پنڈت موتی لال نہرو، آنریبل سید فضل حسین (لاہور) آنریبل مسٹر فضل الحق (کلکتہ)، آنریبل سید یعقوب حسن (مدراس) مسٹر چنتامنی (الہ آباد)، مسٹر راسوامی آئر (مدراس)، مولانا محمد علی وغیرہ۔ صوبوں کی کانگریس کمیٹیوں اور مسلم لیگوں اور دیگر سیاسی انجمنوں پر زور دیا گیا کہ وہ بھی اپنے اپنے صوبوں کے نمایاں آدمیوں کے وفد وزیر ہند اور وائسرائے ہند کی خدمت میں بھیجیں۔ یہ وفد لیگ کانگریس اسکیم کے حق میں محضر پیش کریں اور اس کے نفاذ پر زور دیں۔

علی برادران کی نظر بندی پر احتجاج

اس اجلاس کی آخری تجویز یہ تھی: "یہ مشترکہ کانفرنس آنریبل سرونسنٹ کے علی برادران پر اشارۃً لگائے ہوئے الزام غیر وفاداریٔ حکومت کو ان وجوہ سے قبول کرنے سے معذور ہے جو اس کے سامنے ہیں اور خلوص کے ساتھ حکومت ہند پر زور دیتی ہے کہ وہ ان اصحاب کو رہا کردے کانفرنس کو اس بات کا یقین ہے کہ اس کے اس عمل سے تاج برطانیہ اور مسلمانوں میں رشتۂ وفاداری زیادہ مضبوط ہوگا اور ملک میں سکون و طمانیت بحال

کرنے میں امداد دے گا"

اسیرانِ قوم کا افسانۂ اسیری

یہ سب کچھ تو ہو رہا تھا۔ اور مسلمانوں کے لائق ترین رہنما مسٹر جناح پورے جوش اور قوت سے سیاسیاتِ ہند پر چھا جانے کے بعد قومی عمارت کی تعمیر میں منہمک تھے۔ مگر مسلمانوں کی آنکھیں اسلام کے فداکار فرزند محمد علی کو بھی جناح کے ہمراہ کام کرتا ہوا دیکھنا چاہتی تھیں اور ان کی نگاہیں بار بار مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے اٹھ کر چھندواڑہ کی طرف جاتی تھیں جہاں حکومت نے محمد علی کو نظر بند کر رکھا تھا۔

محمد علی کا "نامعلوم جرم"

یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ انڈین ڈیفنس ایکٹ کا پھندہ ڈال کر محمد علی کو مسلمانوں سے چھین لیا گیا تھا اور ان کی زبان وقلم پر قانونی ممانعت کے قفل ڈال دیئے گئے تھے۔ نظر بند ہو جانے کے بعد محمد علی نے یو، پی کے گورنر سر جیمس مسٹن کو ایک خط لکھا کہ کم سے کم مجھے میرا جرم تو بتایا جائے۔ یہ خط اس امید پر لکھا گیا تھا کہ سر جیمس مسٹن جو محمد علی کے پرانے دوست تھے، شائد پرانے تعلقات کا خیال کرتے ہوئے جرم کی نوعیت پر کچھ روشنی ڈالیں۔ مگر جواب آیا کہ اس معاملے میں گورنر صاحب کچھ زیادہ گفت وشنید نہیں کر سکتے۔ محمد علی کے نظر بند ہوتے ہی احتجاجوں کا ایک طوفان برپا ہو گیا تھا۔ قانون ساز جماعتوں میں حکومت سے بار بار سوالات پوچھے گئے۔ مگر حکومت نے کوئی یقینی جواب نہ دیا۔

آنریبل رضا علی نے پوچھا تو حکومت نے کہا "قانون تحفظ ہند کی دفعہ ۳ کی رو سے نظر بندی کا حکم دیا گیا ہے" ۱۹۱۵ء میں صوبۂ دہلی کی انتظامی رپورٹ میں علی برادران کے متعلق یہ درج تھا "اس ماہ میں محمد علی شوکت علی کو نظر بند کرنا ضروری معلوم ہوا کیونکہ گورنمنٹ کے خلاف ان کی سخت وتلخ کارروائیاں مسلمانوں کی ایک جماعت پر برا اثر ڈال رہی تھیں"۔ مسٹر مظہر الحق نے کونسل میں محمد علی کی نظر بندی کی وجہ دریافت کی تو انھیں بھی ایسا ہی گول مول جواب دیکر ٹال دیا گیا۔

امپیریل کونسل میں محمد علی جناح صاحب نے ۲۶ ستمبر کو محمد علی کے متعلق جو سوال پوچھا اس کے جواب میں حکومت کی طرف سے یہ کہا گیا کہ "چونکہ انھوں نے حکومت کے خلاف کھلم کھلا کارروائیاں کی ہیں۔ اس لیئے ان کو نظر بند کر دیا گیا" اور ان کو نظر بند کرنے کی معقولیت یہ کہکر ثابت کی گئی کہ "مسٹر محمد علی کو ملک معظم کے دشمنوں سے ہمدردی ہے"۔ ہر چند گورنمنٹ نے اس بات کی تصریح کرنے کی تکلیف گوارا نہ کی کہ "دشمنوں" سے اس کی کیا مراد ہے لیکن اتنا ہر شخص آسانی سے سمجھ سکتا تھا کہ دشمنوں سے گورنمنٹ کی مراد ترک ہیں

ترکوں سے ہمدردی جرم؟

اس جواب سے جو جناح صاحب نے بڑی قابلیت سے حکومت کو سوالات کے نرغے میں گھیر کر اس سے اگلوایا تھا مسلمانان ہند کے سامنے ایک اہم مسئلہ آگیا۔ آیا اپنے ان ہم مذہب برادران سے ہمدردی رکھنا یا اس ہمدردی کو پھیلانا جرم ہے؟ اگر جرم ہے تو ایسا سنگین جرم ہے جس کی پاداش میں ایک قوم کے لائق ترین فرزندوں کو اس قوم کے نازک ترین سیاسی دور میں سرگرمئ عمل سے محروم کر کے نظر بند کر دینا ضروری ہو جاتا ہے؟ سارے ہندوستان کے مسلمانوں نے سینکڑوں جلسوں اور احتجاجوں کے ذریعے سے اس سوال کا یہ جواب دیا کہ خواہ حکومت ہمارے اس جواب سے خوش ہو یا ناخوش، خواہ ہمارا یہ جواب اس کے حسب مراد ہو یا نہ ہو مگر ہم یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ جو اپنے ہم مذہبوں سے ہمدردی رکھتا ہے اُسے کسی قانون کے ذریعے سے مجرم قرار نہیں دیا جا سکتا۔ وہ کونسا سچا اور معقول مسلمان تھا جسے اس وقت ترکوں سے ہمدردی نہیں تھی؟ اگر یہ ہمدردی عملی عدم وفاداری کی شکل میں ظاہر ہوتی تو ایک بات بھی تھی۔ لیکن ایسی حالت میں جبکہ محمد علی بار بار مسلمانوں کو پُر امن رہنے کی تلقین کر رہے تھے ان کو نظر بند کرنا کھلی بے انصافی نہیں تو اور کیا ہے؟

دوسرے گھائل مولانا ابو الکلام آزاد

حکومت کے اس وار کے شکار صرف محمد علی شوکت علی ہی نہیں تھے مسلمانوں

کے دوسرے محبوب رہنماؤں جیسے مولانا ظفر علی، مولانا ابوالکلام، حسرت موہانی اور مولینا محمود الحسن کو بھی نظر بند کر لیا تھا۔ مولانا ابوالکلام نے جو بنگال میں قیام رکھتے تھے اپنی زندگی اسلام کی تبلیغ کے لئے وقف کر دی تھی۔ ان کا اصل کام مذہبی تعلیم و تلقین تھا۔ مگر سی، آئی، ڈی نے یہ فیصلہ کیا کہ کلکتہ میں مولانا کا قیام "خطرے" سے خالی نہیں ہے، انھیں بنگال سے نکل جانے کا حکم ہو گیا۔ آزاد کے دلدادگان اس پر مشتعل ہو گئے۔ مولانا اپنے مذہبی شعور اور ہمہ دانی کی وجہ سے بے انتہا مقبول تھے۔ ۸۰ ہزار مسلمانان بنگال کے دستخطوں سے ایک محضر نامہ گورنمنٹ بنگال کے پاس پہنچا۔ اس میں حکومت سے حکم اخراج واپس لینے کی درخواست کی گئی تھی۔ حکومت بنگال فوراً احکامات واپس لینے کے لئے تیار ہو گئی مگر اس کے یہ قدم اٹھانے سے پہلے بہار کی حکومت نے مداخلت کی اور مولانا پر ملک معظم کے دشمنوں سے باغیانہ خط و کتابت کرنے کا الزام لگا کر انہیں نظر بند کر لیا۔ مولانا نے اپنی پوزیشن صاف کی اور الزامات کی تردید کرتے ہوئے گورنمنٹ کو چیلنج کیا کہ وہ ان پر مقدمہ چلا کر الزام کو عدالت میں ثابت کرے۔ مگر حکومت نے کوئی جواب نہ دیا۔

مولانا محمود الحسن کا معاملہ آپ زندگی بھر گوشہ نشیں رہے۔ انہوں نے اپنے لئے کبھی کوئی مذہبی یا سیاسی پلیٹ فارم تیار نہیں کیا۔ دفعۃً سی، آئی، ڈی کے نزدیک ہندوستان میں ان کی موجودگی امن عامہ کیلئے ضرر رساں ہو گئی انھیں گرفتار کر کے مالٹا میں قید کر دیا گیا۔ نہ ان پر کوئی الزام عائد کیا گیا نہ گورنمنٹ نے اپنے طرز عمل کو حق بجانب ثابت کرنے کے لئے کوئی عملی قدم اٹھایا

حسرت موہانی صاحب کا جرم حسرت صاحب استقلال فرائض میں انہماک رکھنے اور اپنی بے باکی اور ایمانداری کی وجہ سے مسلمانوں میں قابل فخر ہستی سمجھے جاتے تھے۔ اور خداداد قابلیت عالی ہمتی اور قومی خدمت کی وجہ سے لازوال عزت اور احترام کے مالک تھے۔ انہوں نے ہندو مسلم اتحاد کا خواب اس وقت دیکھا تھا جب ملک میں بہت کم لوگ یہ زاویۂ نظر رکھتے تھے۔ وہ مختلف

اقوام کے اتحاد کے پُر جوش آرزومند تھے۔ ان کی نقل و حرکت میں رکاوٹیں پیدا کی گئیں۔ انھوں نے ان رکاوٹوں کی پابندی کرنے سے یہ کہکر انکار کردیا کہ جس قانون کے ماتحت یہ پابندیاں عائد کی جارہی ہیں وہ غیر منصفانہ ہے۔ اس جرم میں انہیں نظر بند کردیا گیا

مسلمانوں کا دعوےٰ

ایک حسرت ہی نہیں بلکہ سب مسلمان یہ دعوے کرتے تھے کہ جس قانون کے ذریعے سے ہمارے ان معزز رہنماؤں کو نظر بند کیا گیا ہے وہ غیر منصفانہ اور غیر قانونی ہے۔ ہندوستان کے انگریز افسران حکومت مدت سے اس فکر میں تھے کہ ان کو کوئی ایسی طاقت حاصل ہوجائے جس سے عدالت میں جائے بغیر وہ اپنے شکار کا گلا دبوچ لیا کریں۔ جنگ شروع ہونے سے ان کی یہ ضرورت پوری ہوگئی۔ دشمنان حکومت سے ملک کو بچانے کے بہانے سے ایک مسودۂ قانون بہ عجلت تمام کونسل میں پیش کردیا گیا۔ قانون بننے کے بعد یہ مسودۂ قانون عمال حکومت کے ہاتھوں میں ظلم کا ایک خوفناک ہتھیار بن گیا۔ انہوں نے اس قانون کے بخشے ہوئے اختیار سے ناجائز فائدہ اٹھایا ہے اور بیقصور رعایا کو اس کی جائز آزادی سے محروم کرنا شروع کردیا ہے۔ صرف مسلمانوں ہی کی نہیں ہندوستان کی ہر جماعت اور ہر طبقے کی یہی رائے تھی کہ لیڈروں کو نظر بند کرکے حکومت نے ایک سیاسی غلطی کی ہے۔ ملک کے ہر گوشے سے صدائے احتجاج بلند ہورہی تھی۔

علی برادران کو مشروط رہائی کی پیشکش

احتجاج کی ان آوازوں کا یہ اثر ہوا کہ ماہ ستمبر ۱۹۱۶ء میں حکومت کیطرف سے ایک ذمہ دار افسر پولیس چھندواڑہ جاکر محمد علی شوکت علی سے ملا اور اس نے ان کے سامنے حکومت ہند کی یہ پیشکش رکھی کہ اگر تحریری عہد کیا جائے کہ جنگ کے زمانے میں دونوں بھائی کوئی ایسی حرکت نہ کریں گے جس سے بالواسطہ یا بلا واسطہ گورنمنٹ کے دشمنوں کو کسی قسم کی اخلاقی یا عملی یا مالی امداد پہنچے اور نہ کوئی ایسی بات کریں گے جس سے ملک کے امن میں خلل واقع ہو تو انھیں رہا کیا جاسکتا ہے۔ علی برادران اس قسم کے

معاہدے پر دستخط کرنے کے لئے تیار نہوئے۔ انھوں نے جواب دیا" ہم یہ سب کچھ صرف اس صورت میں کرنے کے لئے تیار ہیں جب ہمارا مذہبی مفاد حکومت کے مفاد سے نہ ٹکرائے ورنہ ہم کوئی ذمہ داری نہیں لیتے اور نہ کسی قسم کی پابندی قبول کرنے کے لئے تیار ہیں"۔ اس سے حکومت مطمئن نہوئی اور اس نے علی برادران کو رہا کرنے سے انکار کردیا

نظر بند اسلام کے سر پر صدارت لیگ کا تاج

الہ آباد میں کانگریس اور لیگ کا جو مشترکہ جلسہ ہوا تھا اس کا ذکر اسی باب میں پہلے کسی جگہ آچکا ہے اور اس میں علی برادران کی رہائی کے لئے جو تجویز منظور کی گئی ہے وہ بھی پوری درج کی جا چکی ہے۔ اس سے ایک دن قبل اسی مقام پر لیگ کی کونسل نے بھی اپنا ایک اہم اور ضروری جلسہ کیا تھا اور اس میں یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ لیگ کا سالانہ اجلاس ۱۹۱۷ء کلکتہ میں منعقد کیا جائے اور اس اجلاس کی صدارت کا اعزاز نظر بند اسلام مسٹر محمد علی کو بخشا جائے۔ اس کے دوسرے دن ۶ ر اکتوبر کو اسی اجلاس کی دوسری نشست ہوئی۔ اس میں حکومت ہند کے اس تکلیف دہ جواب پر بحث کی گئی جو محمد علی کی رہائی کے بارے میں امپریئل کونسل میں سوال کرنے پر مسٹر جناح کو ۲۶ ر ستمبر ۱۹۱۷ء کو ملا تھا اس کا ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں۔ لیگ کی کونسل نے یہ تسلیم کرنے سے انکار کیا کہ محمد علی شوکت علی کی ہندوستان کے باہر بسنے والے اپنے ہم مذہب ترکوں سے ہمدردی، ملک معظم کی عدم وفاداری کے معنے رکھتی ہے۔ جو اطلاعات اس بارے میں مسلم لیگ کی کونسل کو ملی تھیں ان کی بنا پر کونسل یہ کہنے پر مجبور تھی کہ ہم یہ یقین نہیں کر سکتے کہ محمد علی شوکت علی نے کسی ایسی مجرمانہ حرکت کا ارتکاب کیا ہے جو امن عامہ کے لئے خطرہ ہو سکتی ہے اور اس نے اپنے اس احساس کا اظہار کیا کہ جو الزام ان پر لگایا جاتا ہے وہ اس سے بالکل بے لوث ہیں۔ کونسل نے حکومت پر زور دیا اور درخواست کی کہ محمد علی شوکت علی کو فوراً رہا کر دیا جائے اور اس کے ساتھ ہی حکومت کو یہ بھی سمجھایا کہ (چونکہ محمد علی شوکت کا مسلمانان ہند پر بڑا اثر ہے) وہ ہندوستان کی سیاسی فضا میں امن و سکون پیدا کر سکیں گے

رائٹ آنریبل مسٹر مانٹیگو وزیر ہند کی متوقع تشریف آوری ہندوستان کے موقع پر حکومت اور باشندگان ہند امن وسکون چاہتے بھی ہیں۔ مگر لیگ کی اس پُرزور درخواست پر بھی حکومت ٹس سے مس نہ ہوئی۔

وزیر ہند ہندوستان میں

نومبر میں وزیر ہند مسٹر مانٹیگو ہندوستان آئے وہ یہاں قیام کر کے ہندوستان کی سیاسی فضا اور اس کے مسائل کے بارے میں صحیح اطلاعات حاصل کرنی چاہتے تھے۔ تاکہ سب جماعتوں کے خیالات معلوم کرنے کے بعد پارلیمنٹ کے سامنے پیش کرنے کے لئے اصلاحات کا خاکہ تیار کر سکیں اس غرض کو سامنے رکھکر وزیر ہند اور وائسرائے ہند نے ہندوستان کا دورہ شروع کر دیا اور سب سے ملاقاتیں کرنے لگے۔

وزیر ہند محمد علی سے ملاقات کے خواہشمند

ملک کے تمام سیاسی لیڈروں نے وزیر ہند سے ملاقاتیں کیں۔ مولانا محمد علی نے بھی یہ خواہش ظاہر کی کہ مجھے مسٹر مانٹیگو سے ملاقات کرنے کی اجازت دی جائے تاکہ بحیثیت صدر منتخب مسلم لیگ میں مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی کر سکوں۔ ادھر مسٹر مانٹیگو نے بھی محمد علی کا بڑا چرچا سنا تھا اور وہ ان سے ملاقات کرنے کے خواہشمند تھے۔ مگر حکومتِ ہند نے محمد علی کو وزیر ہند سے ملنے کی اجازت نہ دی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ حکومت محمد علی کے زورِ بیان سے بہت خائف تھی مگر معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اسے محمد علی کی زبان اور اُن کے قلم ہی سے اپنی موثر مخالفت کا خوف نہیں تھا بلکہ وہ ان کے ذکر سے بھی گریز کرنا چاہتی تھی ۱۴ر نومبر کو تمام مسلمانان ہند کا جو نمائندہ اجتماع لکھنؤ میں نواب محمد اسحٰق خاں سکرٹری ایم، اے، او کالج علیگڈھ کی صدارت میں ہوا (اور جس کا تذکرہ آگے آئیگا) اسکے وفد کے میمورنڈم میں علی برادران کی رہائی کا مطالبہ بھی تھا۔ حکومت نے وفد سے کہا کہ اگر یہ مطالبہ ایڈریس سے خارج کر دیا جائے تو اسے وزیر ہند سے ملنے کی اجازت دیدی جائیگی۔ وفد ایسا کرنے پر رضامند نہ ہوا تو حکومت نے اسے وزیر ہند سے ملاقات ہی نہ کرنے دی۔

باب ۱۴

سنہ ۱۶ء کے ہندو مسلم فسادات

سنہ ۱۷ء کے آخر میں بقرعید پر پٹنہ، گیا، آرہ اور جونپور کے اضلاع میں شدید ہندو مسلم فسادات ہوئے جن کا ہندو مسلم اتحاد کی فضا پر بہت ناخوشگوار اثر پڑا۔ ستمبر کے مہینے میں آرہ اور اضلاع گیا و پٹنہ (صوبہ بہار) کے قلیل تعداد مسلمانوں پر کثیر تعداد ہندوؤں کے ہاتھوں شدید مظالم ہوئے۔ ان کے مکانات لوٹے گئے، مساجد اور قرآن شریف کی بےحرمتی کی گئی، مسلمانوں کے محلوں کو نذر آتش اور ان کے جان و مال کو ہر ممکن وحشیانہ طریق سے تباہ و برباد کیا گیا۔ یہ سب کچھ تحریک انسداد ذبیحہ گاؤ کی مقبولیت کا نتیجہ تھا۔ علاقے کی پولیس کے بعض آدمی بھی ہندوؤں کی پشت پر تھے۔ پولیس افسروں نے حالات پر قابو پانے میں بہت کمزوری دکھائی اور فسادیوں کے خلاف کارروائی کرنے میں بھی تساہل سے کام لیا۔ جونپور کے ضلع میں چاؤ راری میں محرم کے موقع پر فساد ہو چکا تھا۔ بہرائچ میں پولیس نے مسلمانوں پر گولی چلائی تھی۔ مسلمانوں کو ان فسادات پر شدید رنج ہوا اور غصہ بھی آیا۔ مگر انھوں نے قوم کو مشتعل نہ ہونے دیا۔ فسادات کا سب سے زیادہ افسوسناک پہلو یہ تھا کہ ہندو لیڈر خاموش رہے۔ انھوں نے اپنے ان ہم مذہبوں کے خلاف اظہار نفرت و حقارت کرنے سے پہلو بچایا جنھوں نے نہتے مردوں اور عورتوں اور بچوں پر زیادتیاں کی تھیں۔

مسلمانوں کا نمایندہ جلسہ لکھنؤ

مسلمانوں کے لیے اپنے گذشتہ رویئے پر نظر ثانی کرنا لازمی ہو گیا۔ صدر لیگ کے دستخطوں سے

ایک گشتی مراسلہ جاری ہوا۔ اس میں ہر جگہ کے نمایاں مسلمانوں کو ایک اجتماع میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی جو ۱۴ر نومبر ۱۹۱۷ء کو بوقت گیارہ بجے دن قیصر باغ لکھنؤ میں ہونا تھا۔ ہندوستان کے مختلف حصوں سے ہر خیال کے مسلمان شرکت کیلئے آئے اجتماع کے سامنے بحث کے لئے سب سے بڑے مسائل لیگ کانگریس کی مشترکہ اسکیم اصلاحات اور ہندو مسلم فسادات تھے۔ تقریباً دو سو بارسوخ اور ذی اثر نمایاں مسلمان موجود تھے۔ نواب محمد اسحاق خاں سکرٹری ایم، اے، او کالج نے صدارت کی سب سے پہلے مسٹر محمد یعقوب چیرمین مراد آباد میونسپل بورڈ نے لیگ کانگریس اسکیم قبول کی جانے کی تجویز رکھی۔ اسکیم کی دفعات پر خوب بحث ہوئی۔ کچھ لوگ تجویز کے مخالف بھی تھے ان کے سرگروہ مسٹر عبداللہ وکیل علیگڑھ تھے مسلسل سات گھنٹے تک بحث جاری رہی۔ آخر بھاری اکثریت سے لیگ کانگریس اسکیم قبول کرلی گئی۔ فیصلہ کیا گیا کہ آل انڈیا مسلم ڈیپوٹیشن وزیر ہند سے ملے اور ان کی خدمت میں ایک ایڈریس پیش کرے۔ اس ایڈریس میں یہ مطالبات رکھے گئے (۱) محمد علی شوکت علی کی رہائی (۲) وزیر ہند کی کونسل کے انڈر سکرٹریوں کی کل آسامیوں میں سے نصف مسلمانوں کو دی جائیں۔ اگر یہ اسامی ایک ہی ہو تو ہندو مسلمانوں کو باری باری دی جائے (۳) شاہی کونسل اور صوبجاتی انتظامی کونسل کی ان ممبریوں میں سے جو ہندوستانیوں کے لیئے ہیں آدھی ممبریاں مسلمانوں کو دی جائیں (۴) سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کو مناسب حصہ دیا جائے (۵) مقامی حکومتی اداروں میں مسلمانوں کے لئے جداگانہ نیابت (۶) سرکاری یونیورسٹیوں میں کونسلوں کے تناسب کے مطابق نمائندگی (۷) جن صوبوں میں اردو زبان اور فارسی رسم الخط ہیں وہاں انھیں بحالہٖ قائم رکھا جائے (۸) محرم اور بقرعید وغیرہ کے موقعوں پر مسلمانوں کے مذہبی مراسم کی ادائیگی کو کسی قوم یا سرکار کی طرف سے روکا نہ جائے۔ اور اس معاملے میں ان کی امداد کی جائے اور انھیں آسانیاں مہیا کی جائیں (۹) مسلمانوں کے مقامات مقدسہ کی حفاظت کا مناسب بندوبست کیا جائے۔

آرہ کے ہندو دیوں کی مذمت

آنریبل سید رضا علی نے جو بذات خود فسادات آرہ کی جائے وقوعہ کو دیکھ آئے تھے فسادات آرہ پر ایک طویل تجویز پیش کی اور حکومت سے یوروپینوں اور مسلمانوں کا ایک مشترکہ کمیشن مقرر کئے جانے کے علاوہ یہ بھی مطالبہ کیا کہ بہار اور صوبہ متحدہ میں بقرعید کے موقعہ پر مسلمانوں کے لئے مذہبی فریضے ادا کرنے کے لئے مناسب حفاظت کا بندوبست کیا جائے۔ ذمہ دار ہندوؤں کی خاموشی پر اظہار افسوس کیا گیا اور اسے ہندو مسلم اتحاد کے لئے نقصان رساں بتایا گیا، حکومت پر زور دیا گیا کہ وہ بہار اور صوبہ متحدہ کے مشرقی اضلاع کے مسلمانوں کو ہتھیار رکھنے کی اجازت دے تاکہ وہ نازک مواقع پر اپنی حفاظت کر سکیں۔ آرہ، گیا پٹنہ اور جونپور کے مظلوموں کے لئے کونسل آل انڈیا مسلم لیگ سے ایک فنڈ کھولنے کی درخواست کی گئی ٹرسٹ مسجد کانپور کا پچیس ہزار روپیہ مسٹر مظہر الحق کے پاس امانت تھا وہ مظلوموں کے امدادی فنڈ میں منتقل کر دیا گیا۔ بہرائچ کے افسران حکومت کی سخت گیری کی مذمت کی گئی۔ آل انڈیا مسلم لیگ نے دوسرے دن اپنے ۱۵ اکتوبر ۱۹۱۷ء کے غیر معمولی اجلاس میں ان مطالبات کی تصدیق کر دی اور مسلمانوں کے نمائندہ اجتماع لکھنؤ کی کارروائی پر اظہار اطمینان کیا۔ نمایندہ اجتماع کے مطالبات لیگ کانگریس اسکیم کے حدود سے باہر نہیں تھے۔

مسلم لیگ کے غیر معمولی اجلاس لکھنؤ میں محمد علی کی رہائی کی قرارداد

اس اجلاس میں ایک بار پھر مولانا محمد علی کی رہائی کے لئے یہ قرارداد منظور کی گئی۔

"آل انڈیا مسلم لیگ کا یہ جلسہ اس بات پر اظہار افسوس کرتا ہے کہ گو مسلمان قوم نے متفقہ طور پر محمد علی کو لیگ کے آئندہ سالانہ اجلاس کلکتہ دسمبر ۱۹۱۷ء کا صدر منتخب کر کے اپنے جذبات کا اظہار کر دیا ہے مگر وہ اور ان کے بھائی شوکت علی ابھی تک رہا نہیں کئے گئے ہیں۔ لیگ اس بارے میں اس سے زیادہ نہیں کہہ سکتی کہ حکومت کو توجہ کرنی چاہیئے

کہ اس کا یہ روّیہ قوم پر بالعموم بہت ہی بُرا اثر ڈال رہا ہے۔ یہ بتانا لیگ اپنا فرض سمجھتی ہے کہ اگر ہز ایکسیلینسی وائسرائے نے وزیر ہند کے ورود ہند کو کامیاب بنانے کے لئے خاص اپیل نہ کی ہوتی تو جو جذبات اس وقت مسلمانوں پر طاری ہیں ان کی وجہ سے مسلمان یقیناً اس موقع پر وزیر ہند کے سامنے وفد کی پیشی میں حصہ نہ لیتے۔ نیز لیگ اپنا یہ محکم یقین ریکارڈ پر منتقل کرتی ہے کہ جو خیالات مسٹر محمد علی نے طمانیت نامے کا تحریری جواب دیتے ہوئے ظاہر کیا ہے وہ مسلمانان ہند کے طرز عمل کی پوری طرح آئینہ داری کرتا ہے۔ ان کا جرم (اگر وہ جرم کہا جا سکتا ہے تو) صرف یہ ہے کہ انھوں نے کھری حقیقت زبان سے ادا کر کے حکومت اور اپنی قوم دونوں کی خدمت انجام دی ہے جسے خدمت خلق کہہ سکتے ہیں۔ مزید برآں لیگ کی یہ پختہ رائے ہے کہ محمد علی کا زاویۂ نگاہ اور ہندوستان کے مسلمانوں کی عالمگیر اخوت اسلامی کی بنا پر ترکوں سے غیر جارحانہ ہمدردی دونوں کم سے کم مقدار میں بھی ملک معظم کی عدم وفاداری نہیں ہیں۔ آخر میں لیگ حکومت پر یہ ظاہر کر دینا چاہتی ہے کہ محمد علی پر بغیر ثبوت دینے کی کوشش کئے سرکاری طور پر جو الزامات اور جرم چسپاں کئے گئے ہیں ان پر لیگ بالکل بھی یقین نہیں کرتی۔ اور جب تک پبلک کو ان اطلاعات کی نوعیت اور ذریعہ کا پورا پورا علم نہ ہوگا جن کی بنا پر حکومت نے یہ پالیسی اختیار کی ہے اس وقت تک وہ حکومت کے اس طرز عمل کو غیر منصفانہ ہی سمجھتی رہے گی۔ مزید برآں مسلمانان ہند کی عام خواہشات پر لبیک کہتے ہوئے لیگ ہندوستان اور انگلستان میں اس معاملے پر آئینی ایجی ٹیشن شروع کرنے کا فیصلہ کرتی ہے۔ تاکہ اس کے ذریعہ سے ان دونوں بھائیوں کو رہا کرایا جا سکے۔"

لیگ کا کانگریس ڈیپوٹیشن کی یادداشت میں تبدیلی پر اصرار

مسلم لیگ کے غیر معمولی اجلاس کی آخری تجویز

سب سے زیادہ اہم تھی جس سے پتہ چلتا تھا کہ ہندو مسلم فسادات سے لیگ نے کس قدر زیادہ اثر لیا ہے۔ "آل انڈیا مسلم لیگ کا یہ جلسہ (۱) مسٹر بنی اللہ (۲) آنریبل سید رضا علی

(۳) مسٹر سید ظہور احمد (۴) مسٹر محمد یعقوب (۵) آنریبل سید وزیر حسن کی ایک کمیٹی اس کام کے لیئے مقرر کرتا ہے کہ یہ اُس یادداشت پر نظر ثانی کر کے، جو کانگریس اور لیگ کے مشترکہ ڈیپوٹیشن کی طرف سے وزیر ہند اور وائسرائے کی خدمت میں پیش ہونے کے لئے تیار کی گئی ہے اور سکرٹری آل انڈیا مسلم لیگ کے سکرٹری کے پاس اپنی رپورٹ بھیجے کہ کن کن امور میں میمورنڈم گذشتہ دسمبر کی مشترکہ اسکیم کی اسپرٹ سے مختلف ہے۔ اگر رپورٹ میں کچھ تبدیلیاں تجویز کی جائیں، تو جب تک وہ تبدیلیاں نہ کر دی جائیں ڈیپوٹیشن کے ان ممبروں سے، جو آل انڈیا مسلم لیگ کے ممبر بھی ہیں، یہ درخواست کی جاتی ہے کہ وہ خود کو میمورنڈم سے غیر وابستہ رکھیں"۔

یادداشت میں تبدیلیوں پہ ہندوؤں کی آمادگی

کمیٹی نے اپنی رپورٹ سکرٹری کے پاس بھیجدی جو ڈیپوٹیشن کے مسلمان اراکین کو بھیجدی گئی۔ ہندو ممبروں سے درخواست کی گئی کہ وہ یادداشت پر نظر ثانی کریں جو منظور کر لی گئی۔ نظر ثانی کے بعد کمیٹی کی رپورٹ یادداشت میں شامل کر لی گئی اور مشترکہ وفد کے تمام ممبران مطمئن ہو گئے۔ ۲۶ نومبر ۱۹۱۷ء کو لیگ کانگریس وفد نے وزیر ہند اور وائسرائے ہند سے ملاقات کی۔ میمورنڈم میں ہندوستان کی تحریکِ مطالبۂ حکومت خود اختیاری اور اس کے مقاصد کا تفصیل سے ذکر کرنے کے بعد حکومت برطانیہ کے ۲۰ اگست کے اعلان کا شکریہ ادا کیا گیا اور یہ توقع ظاہر کی گئی کہ اس کے مطابق قدم اُٹھایا جائیگا تو اور بھی زیادہ تسلی بخش نتائج نکلیں گے۔

مسلمانوں کا وفد نامنظور

مسلمانوں کا وفد بھی نواب اسحاق خاں کی سرکردگی میں وزیر ہند سے ملنا چاہتا تھا مگر جیسا کہ پہلے ظاہر کیا جا چکا ہے، اس کا سب سے پہلا مطالبہ محمد علی شوکت علی کی رہائی تھا۔ حکومت ہند نے اہل وفد پر زور دیا کہ اس مطالبہ کو فہرست مطالبات سے خارج کر دیا جائے مگر ممبران وفد اس پر راضی نہ ہوئے اور حکومت نے وفد کو وزیر ہند سے ملنے کی اجازت نہ دی

لیگ کا دسواں سالانہ اجلاس کلکتہ ۱۹۱۷ء

اس اجلاس کے صدر منتخب نظر بند اسلام مولانا محمد علی تھے۔ انہیں لیگ کی صدارت کا بلند ترین قومی منصب دیکر مسلمانوں نے اپنے اس جذبۂ احترام و محبت کا اظہار کیا تھا جو موصوف کی طرف سے ان کے دلوں میں تھا۔ مگر حکومت نے انہیں رہا نہ کیا۔ اجلاس کی خالی کرسی پر صدر کی تصویر رکھدی گئی۔ خطبۂ صدارت کی جگہ محمد علی کی ضعیف العمر والدہ نے ایک درد انگیز بیان پڑھکر سنایا جس میں ترکوں کی تباہی پر ہمدردی کے آنسو بہانے کے بعد مسلمانوں کو ہدایت کی گئی تھی کہ وہ اماکن مقدسہ کی حفاظت اور ہندوستان کے لئے حکومت خود اختیاری کے مطالبے پر مضبوطی سے جمے رہیں۔ دوران اجلاس میں حاضرین پر ناقابل بیان رنج والم طاری تھا۔ صدر انجمن کی خالی کرسی زبان حال سے مسلمانوں کے محسوسات کی تشریح کر رہی تھی۔ نمائندہ جماعتوں کی تاریخ میں یہ پہلا دلخراش اور تکلیف دہ موقع تھا کہ لیگ کی کرسئ صدارت خالی تھی۔ حکومت نے لیگ کے صدر منتخب ہی کو نہیں مسلمانان ہند کے حقوق کے ایک زبردست حامی کو ایک ایسے نازک موقع پر جبکہ مسلمانوں کو ان کی ضرورت تھی، رہا کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ مسلمانوں کے محسوسات کی توہین ہی نہیں ہندوستان میں برطانوی وقار کے دامن پر بھی ایک گہرا دھبہ تھا۔ سیاسی اصلاحات کے سلسلہ میں اسوقت نہایت اہم سوالات زیر بحث تھے۔ قوم کی تاریخ کے اس نازک ترین دور میں محمد علی جیسے قابلِ اعتماد جری اور دانشمند رہنما کی مسلمانوں کو سخت ضرورت تھی، تاکہ وہ ان کے دانشمندانہ مشوروں اور ان کی صداقت آمیز اعانت سے فائدے اٹھائے، ان کا مسلمانوں میں موجود نہ ہونا ان کے قومی مفاد کے لئے باعث نقصان اور ایک ناقابل تلافی قومی مصیبت تھا۔ حکومت کا اپنی ضد پر اڑا رہنا اس وجہ سے اور بھی زیادہ تلخ معلوم ہوتا تھا کہ علی برادران بغیر کوئی جرم کئے محکمۂ تحقیقات جرائم کی غلط بیانیوں کا نشانہ ہوئے تھے مسلمانوں کے مسلسل اصرار کے باوجود حکومت کا ان کو رہا نہ کرنا کھلا ہوا جبر و تشدد تھا

جس سے امن پسند مسلمانوں تک کے دلوں میں بیچینی کی آگ بھڑکنے لگی تھی۔ قوم ان کی بے غرضانہ خدمات کے صلے میں ان کے سر پر عزت و عظمت کا درخشاں تاج رکھنے کیلئے مضطرب تھی مگر حکومت نے انہیں نظر بندی کے زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا، ملک کے تمام سیاسی لیڈر حکومت کی اس پالیسی کی مخالفت کر رہے تھے۔ ہر طبقہ اور ہر جماعت کے ہندوستانی محمد علی کی نظر بندی کو حکومت کی ایک سیاسی غلطی قرار دے رہے تھے۔ براعظم ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے صدائے احتجاج بلند ہو چکی تھی۔ مگر حکومت اپنی جگہ اٹل تھی۔ کاتب حالات اس ناانصافی کے اوراق پر بیچینی کے عنوان سے آئندہ شروع ہونے والی تحریک ترک موالات کا پروگرام تحریر کر رہا تھا۔

صدر مجلس استقبالیہ کا موثر اور پرزور خطبہ صدارت

اجلاس کلکتہ کے صدر مجلس استقبالیہ عبد الطیف احمد ذکریا صاحب تھے۔ صدارت کے اعلیٰ عہدے کے بعد جو دوسرا اعزازی عہدہ قوم کسی شخص کو دے سکتی ہے وہ استقبالیہ کمیٹی کی صدارت ہے۔ ایسی صورت میں جبکہ یہ معلوم تھا کہ صدر منتخب مولانا محمد علی اپنا خطبہ نہ پڑھ سکیں گے، ذکریا صاحب کو صدر مجلس استقبالیہ بنانے کا یہ مطلب تھا کہ مسلمانان بنگال نے انہیں نہ صرف مسلمانان ہند کے معزز و مقتدر سیاسی لیڈروں کے خیر مقدم کا قابل فخر کام سونپا تھا، بلکہ انھیں ذکریا صاحب کی سیاسی فراست اور قابلیت سے یہ بھی توقع تھی کہ وہ اپنے خطبۂ استقبالیہ میں اہم مسائل حاضرہ پر رہبرانہ شان سے روشنی ڈالیں گے۔

ذکریا صاحب نے اس توقع کو اپنے پرزور، موثر اور بلیغ خطبہ صدارت سے پورا کر دیا۔ اس وقت مسلمانوں کے سامنے اہم ترین مسائل وقت علی برادران اور دیگر نظر بند مسلم لیڈروں کا معاملہ، لیگ کانگریس اسکیم اور اس کی بنیاد پر ملنے والی متوقع سیاسی اصلاحات، اور فسادات آرہ تھے۔ ان معاملات کا تعلق صرف ہندوستان تھا۔ بیرون ہند کی اسلامی دنیا کی یہ حالت تھی کہ جرمنی اور اس کے ساتھی روز بروز پسپا

ہوتے جاتے تھے اور برطانیہ کی فتح یقینی ہوگئی تھی۔ ترک شکست کھا چکے تھے اور اب مسلمانوں کا یہ مطالبہ تھا کہ برطانیہ اپنے سابقہ وعدے کے مطابق مقامات مقدسہ کو خلافت اسلامی سے جدا کرکے خلافت کو پارہ پارہ نہ کرے۔

علی برادران اور دیگر نظر بندوں کا معاملہ

ذکریا صاحب نے اپنے خطبۂ صدارت میں ان سب مسائل کو لے لیا۔ نظر بند مسلم لیڈروں کا تذکرہ کرتے ہوئے انھوں نے کہا "مجھے ان حکام کی غلط روی اور خود فراموشی پر ماتم کرنا چاہئے جو اپنی اسی جبر وتشدد کی پالیسی پر قائم ہیں باوجودیکہ ملک کے تمام سیاسی لیڈر صاف طور پر اس پالیسی کی مخالفت کر رہے ہیں..... مجھے اندیشہ ہے کہ برطانوی حکومت کا اقتدار اس صدمے کو جو اس کے عمال کی نادانی اور تعصب سے پہنچیگا برداشت نہ کرسکے گا۔" انہوں نے تمام نظر بند مسلم لیڈروں کے معاملے پر ایک غائر نظر ڈالی اور بتایا کہ انھیں آزادی سے محروم رکھنے میں حکومت غیر حق بجانب ہے۔

لیگ کانگریس اسکیم کی خوبیاں

بعض طبقوں میں لیگ کانگریس اسکیم پر اعتراضات کئے جاتے تھے۔ ایک طبقہ کی یہ رائے تھی کہ مسلمانوں کو سیاسی خاموشی کی پالیسی اختیار کرنی چاہئے یا ان کی طرف سے ایسے آئینی تغیرات کی مخالفت ہونی چاہئے جن سے بیوروکریسی (دفتری حکومت) کی قوت کا استیصال ہو۔ بنگال میں یہہ چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں کہ لیگ کانگریس کی منظوری سے جس میں قانون ساز جماعتوں میں مسلمانوں کی نیابت تعداد سے کم رکھی گئی ہے مسلمان ہندوؤں کے رحم وکرم پر رہ جائیں گے۔ ذکریا صاحب نے ان اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے کہا "سیاسی خاموشی کی پالیسی ہمارے قومی مفاد کے لئے تباہ کن ہے۔ ہمیں وقت کے ساتھ ساتھ نقل وحرکت کرنی چاہئے ورنہ ہم عضو معطل بن جائیں گے۔ اگر ہم اصلاحات کے معاملے میں خاموش رہتے تو بھی جلد یا بدیر اصلاحات ملتیں۔ یہ فرض کرنا ایک سیاسی غلطی ہے کہ انگریزوں کا ہندوستان میں کسی ایک قوم یا گروہ کا جانب دار ہوکر حکومت کرنے کا خیال ہے۔ مسلم لیگ سیاسی خواب خرگوش کی

ایک زندہ مخالفت ہے۔ اس کے ممبران نے تجربہ کے مدرسہ میں نہایت تلخ اسباق پڑھنے کے بعد یہ طے کر لیا ہے کہ مسلمانوں کی بہبودی کا فیصلہ خود مسلمانوں کے ہاتھوں ہونا چاہئے اور یہ تو نہایت ہی احمقانہ بات ہے کہ مسلمان ترقی پسند قوتوں کی مخالفت کریں۔ جہانتک بنگال میں مسلمانوں کی اکثریت کو اقلیت میں بدلنے کا سوال ہے، اس قسم کے اندیشے بے بنیاد ہیں۔ پنجاب میں مسلمانوں کی کامل اکثریت ہوگی۔ باقی سب صوبوں میں (بنگال کے سوا) مسلمانوں کی نیابت تناسب آبادی سے بہت زیادہ رکھی ہے۔ صرف بنگال میں ہم نے کامل غور و خوض کے بعد آبادی سے کم نیابت قبول کی ہے۔ ہندو لیڈروں اور کانگریس کی طرف سے جداگانہ نیابت کی برابر مخالفت ہوتی رہی ہے۔ منٹو مارلے اسکیم میں جداگانہ نیابت موجود ہے مگر جو نیابت حکومت نے تسلیم کی ہے وہ ناموزوں اور غیر موثر ہے۔ اس لئے مسلم لیڈروں نے باہمی سمجھوتے کی بنا پر حقوق و فرائض طے کرنے چاہے تاکہ جداگانہ نیابت کے غیر فیصل شدہ رہنے میں جو خطرہ ہے وہ دور ہو جائے۔ اور انہوں نے مقصد زیر نظر کے لئے کچھ قربانی کر دی مگر سوال تو یہ ہے کہ آیا ہم نے فی الحقیقت کوئی قربانی کی ہے؟ بنگال میں مسلمانوں کے ۴۰ فیصدی ممبر ہوں گے اور باقی ۶۰ فیصدی میں ہندوؤں کے علاوہ دیگر اقوام اور خاص مفادات (جیسے یونیورسٹی، زمیندار اور تجارت پیشہ طبقہ) کے نمائندے بھی ہونگے۔ ایسی حالت میں ہندو کو ۴۰ فیصدی سے زیادہ نیابت مل سکیگی؟ یہ کہنا کہ کانگریس نے لیگ پر قبضہ کر لیا ہے صحیح نہیں ہے بلکہ لیگ نے کانگریس پر قبضہ کر لیا ہے۔" اس کے بعد انہوں نے فسادات آرہ کے بلوائیوں کیخلاف اظہار نفرت کیا۔ اور تحفظ مقامات مقدسہ کے مسئلہ پر کہا: "اسوقت تمام مسلمین

مقامات مقدسہ

کے دلوں میں جو چیز کھٹک رہی ہے وہ اماکن مقدسہ اسلامی کا خیال ہے اماکن مقدسہ اسلامی دائرہ جنگ کے اندر آچکے ہیں ان کی قسمت کا فیصلہ متخاصمین کے تلواروں پر منحصر کیا گیا ہے حکومت نے تحفظ و تحریم مقامات مقدسہ کے متعلق جو وعدے کئے ہیں، اُن پر عمل نا ہوگا۔ حکومت جلد اپنی پالیسی کا صاف صاف اعلان کرے ذمہ دار مدبرین انگلستان نے جو خیالات ظاہر کئے ہیں وہ مسلمانوں کے لئے سخت تشویش انگیز ہیں۔

باب ۱۵

مانٹیگو چیمسفورڈ ریفارمز

جنگ عظیم جاری تھی۔ مگر جرمنی اور اس کے ساتھیوں کی طاقت روز بروز گھٹتی جا رہی تھی۔ ذرائع اور رسد کی کمی سے اس کی فوجیں بھوکی مرنے لگی تھیں۔ ۱۹۱۷ء کے آغاز میں مغربی محاذ پر اتحادیوں کو بڑی زبردست فتح حاصل ہوئی جس سے انکی کامیابی کے امکانات اور بھی زیادہ ہو گئے۔ ہندوستانیوں کی امداد ابتداہی سے انگریزوں کے ساتھ تھی۔

اس قدیم سرزمین کے ایک ملین سے زیادہ فرزند خون سے رنگے ہوئے میدانہائے جنگ میں توپوں کی غذا بننے کے لئے پہنچے ہوئے تھے۔ انہیں یقین دلا یا گیا تھا کہ برطانیہ ملکوں اور قوموں کو غلام بنانے کے لئے نہیں بلکہ حق و انصاف اور چھوٹی قوموں کی آزادی کو بچانے کے لئے آگ اور خون کے اس کھیل میں شامل ہوا ہے۔ ہر جماعت اور طبقہ اس کی مدد کر رہا تھا والئی ریاست سے لیکر کسان تک سبھی اس کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ اور خود اختیار حکومت کے حصول کی توقع پر ہندوستان ہر قسم کی قربانی دے رہا تھا جنگی قرضے بھرتی، اور اشتراک عمل میں ہندوستانیوں نے بہت تندہی سے کام کیا تھا۔ شاہی جنگی کانفرنس میں ہندوستانی ڈیلیگیٹوں کی موجودگی اور شاہی جنگی کابینہ میں ہندوستانیوں کو جگہ ملنے سے اس امدادی سرگرمی میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔

جہاں تک ہندوستانی مسلمانوں کا تعلق ہے وہ ہندوستان کے علاوہ ترکوں کی بھی گہرا رشتہ رکھتے تھے۔ ترکوں کی تباہی سے ان کے دل بیچین تھے۔ خلافت اور سلطنت عثمانیہ کے

مستقبل کی طرف سے جو خدشے آغاز جنگ میں تھے، وہ ایک ایک کر کے سامنے آتے جا رہے تھے۔ خلافت کے متعلق مسلمانوں کے جذبات سطحی یا زبانی نہیں تھے۔ ان کی بنیاد مذہب پر تھی۔ ترکوں کا قومی وجود خطرے میں پڑنے سے خلافت اور مقامات مقدسہ کا سوال ان کے لیے سب سے زیادہ اہم بن گیا تھا۔ مگر برطانوی رعایا کی حیثیت سے وہ انگریزوں کے ساتھ تھے۔ آغاز جنگ میں وائسرائے ہند نے ایک اعلان کر کے انہیں یقین دلا دیا تھا کہ جنگ کا نتیجہ خواہ کچھ بھی ہو مسلمانوں کے مقدس مقامات ترکی سلطنت سے جدا نہ کیے جائیں گے۔ ۱۵ر جنوری ۱۹۱۸ء کو انگلستان کے وزیر اعظم مسٹر لائڈ جارج نے ایک تقریر میں برطانیہ کے جنگی اغراض کا ذکر کرتے ہوئے کہا "اور نہ ہم اس لئے لڑ رہے ہیں کہ..... ٹرکی کو اس کے دارالسلطنت یا ایشیائے کوچک یا وتھریس کی زرخیز و مشہور سرزمینوں سے جہاں ترک نسل کے باشندے بہت کثیر تعداد میں آباد ہیں، محروم کریں۔ ہم سلطنت ترکی سے ترکوں کے زاد بوم میں کوئی تعرض نہیں کرتے"۔ مسلمانوں کو اس اعلان سے بڑی تسکین ہوئی۔ برٹش گورنمنٹ کی رعایا ہونے کی حیثیت میں ان پر جو فرض عائد ہوتا تھا اس میں اور ترکوں کی ہمدردی میں ایک قسم کی جو کشاکش ہو رہی تھی، وزیر اعظم انگلستان جیسے ذمہ دار آدمی کے اس اعلان نے اسے ہلکا کر دیا۔

مسلمان ملکی ترقی کی طرف متوجہ ہو گئے۔ انہوں نے اپنے سیاسی حقوق کے تحفظ کے ساتھ ساتھ زاویۂ نگاہ کو زیادہ وسیع کر کے ہندوستان کی دوسری قوموں کے دوش بدوش ملک کی تقدیر بنانے کا کام شروع کر دیا جس طرح عہد گذشتہ میں مسلمانوں نے کم تعداد ہوتے ہوئے بھی برِ اعظم ہندوستان کے ہر شعبۂ زندگی پر اثر ڈالا تھا، اسی طرح اب بھی وہ ملک کی سیاسی تاریخ میں بعض نہایت ہی درخشاں اور قابل یاد ابواب کا اضافہ کر رہے تھے۔ جداگانہ نمائندگی کو مسلمان صرف اس لئے قائم رکھنا چاہتے تھے کہ مجموعی حیثیت سے وہ سچ مچ تعلیم اور دولت کے معاملے میں ہندوؤں سے بہت پیچھے تھے۔ ان کو تحفظ کی ضرورت تھی۔ کانگریس بھی مسلمانوں کی اس پوزیشن کو تسلیم کرتی تھی۔ ہندو

مسلمان دونوں چاہتے تھے کہ اصلاحات کی اسکیم میں اور مسودۂ قانون میں لکھنؤ پیکٹ کو منظور لے لیا جائے۔ ہندو مسلمان اور ہندوستان کی دوسری تمام چھوٹی بڑی قومیں ہندوستان کا نصیبا کھلنے کی توقعات میں مگن تھیں۔ محدود اور حالات سے بھنچا ہوا زاویۂ نگاہ رکھنے کی بجائے ہندوستان اب زیادہ کشادہ اور دراز تر نکتۂ نگاہ کے عادی ہوتے جا رہے تھے۔ ایک بار بار ابھرنے والا سوال ہندوستانیوں کے دماغوں میں خواہ مخواہ پیدا ہوتا چلا جا رہا تھا جن اصولوں کے تحفظ کے لئے سلطنت برطانیہ جنگ کے میدانوں پر بے شمار انسانوں کا خون چھڑک رہی ہے کیا ہندوستانی کے معاملے میں بھی ان پر عمل کیا جائے گا؟ کیا وہی برطانیہ جو یورپ کی چھوٹی قوموں کی خود مختیاری کو ایک طاقتور اور خونخوار ہمسایہ سے محفوظ رکھنے کے لئے میدان میں اترا ہوا تھا، ہندوستان کو خود اختیار نہیں بنائے گا؟

مانٹیگو چیمسفورڈ رپورٹ حالات کا اندازہ لگاتے ہوئے برطانوی وزیر اعظم نے ۲۰ اگست ۱۹۱۷ء کو ایک اعلان کیا تھا جس میں ملک معظم کی حکومت کی اس پالیسی کا اظہار کیا گیا تھا کہ وہ ہندوستان کو بتدریج خود اختیار حکومت دینا چاہتی ہے۔ اس کے بعد وزیر ہند ہندوستان آئے تاکہ ذاتی طور پر مسئلہ کو سمجھیں اور اس کے بارے میں تحقیق و تفتیش کریں اور ملک کے ہر خیال کے لوگوں سے تبادلۂ خیالات بھی ہو۔ اس تحقیق و تفتیش کے نتیجے کے طور پر جون ۱۹۱۸ء میں مانٹیگو چیمسفورڈ رپورٹ شائع ہوئی۔ اس کی سفارشوں کی بنیاد تین باتوں پر رکھی گئی تھی۔ (۱) جہاں تک ممکن ہو مقامی حکومتی اداروں پر عوام کے نمائندوں کا قابو ہو اور ان کو زیادہ سے زیادہ آزادی دی جائے۔ (۲) خود اختیار حکومت کے ترقی پذیر نفاذ کے لئے جن میدانوں میں ابتدائی قدم اٹھائے جانے چاہئیں وہ صوبے ہیں۔ کسی قدر خود اختیاری تو فوراً ہی دے دینی چاہئے جونہی حالات اجازت دیں جلد سے جلد مکمل خود اختیاری دے دی جائے۔ (۳) گورنمنٹ آف انڈیا کے لئے پوری طرح پارلیمنٹ کے سامنے ذمہ دار رہنا ہی ضروری ہے اور اس ذمہ داری کے علاوہ اس کا اختیار بھی مطلق ہونا چاہئے۔ البتہ جو تبدیلیاں اب ہونے والی ہیں ان کے تجربے کا آئندہ لحاظ

رکھا جائے۔ اس اثنا میں انڈین لیجسلیٹو کونسل کو وسیع کر دیا جائے۔ اسے زیادہ نمائندہ حیثیت دی جائے اور حکومت پر اپنا اثر ڈالنے کے مواقع میں اضافہ کر دیا جائے۔

اپنی ادبی خوبیوں کے اعتبار سے یہ رپورٹ انگریزی زبان کا شاہکار تھی جس میں مرتبین نے بڑے سلیقے سے اپنی سیاست دانی کا کمال دکھایا تھا مگر یہ لیگ کانگریس اسکیم سے بالکل مختلف تھی۔ لیگ کانگریس اسکیم میں یہ تجویز تھی کہ حکومت کے انتظامی شعبوں کو جماعت قانون ساز کے ماتحت رکھا جائے جس کے ممبروں کو اہل ہند خود چنیں۔ لیکن رپورٹ میں یہ تجویز کیا گیا کہ تبدیل کی جا سکنے والی وزارت کی ذمہ دار حکومت قائم کی جائے ہندوستان ذمہ دار حکومت کا بوجھ سنبھالنے کا اہل نہیں۔ اس لئے اسے ذمہ دار حکومت کی طرف لیجانے کے لئے پہلے صوبوں میں ذمہ دار حکومت قائم کی جائے۔ البتہ یہ ظاہر کر دیا گیا کہ رپورٹ کی اسکیم آخری فیصلہ نہیں ہے اور نہ تجویزوں کی جزئیات میں یہ رپورٹ مکمل کہی جا سکتی ہے رپورٹ پر نکتہ چینی کی دعوت دی گئی تھی۔ یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ لوکل گورنمنٹوں سے لیکر انگلستان کی پارلیمنٹ تک سب نکتہ چینیوں کے منتظر رہیں گے۔ جہاں تک رپورٹ کی سفارشات کے بنیادی اصولوں کا تعلق ہے ان میں انہی قدیم اعلانات کو دہرا دیا گیا تھا جو برطانوی مدبرین ہندوستان کے معاملے میں برسوں سے کرتے چلے آئے تھے اور جن کا خلاصہ یہ تھا کہ برطانوی حکومت اور برطانوی سیاست دانوں کا منتہائے نظر ہندوستان کو برطانوی سلطنت کا ایک خود اختیار حصہ بنانا ہے۔

کانگریس کے اعتدال پسند رپورٹ پر فریفتہ

رپورٹ شائع ہوتے ہی ہندوستان میں اختلاف رائے پیدا ہو گیا۔ کانگریس کی اعتدال پسند پارٹی کی طرف سے کھلم کھلا رپورٹ کی تعریفیں ہونے لگیں۔ ایک دوسرا طبقہ رپورٹ کی سفارشات سے مطمئن تو نہ تھا مگر اس کی رائے میں ترمیم کا امکان تھا اور ملک کیلئے مسٹر مانٹیگو وزیر ہند اور لارڈ چیمسفورڈ وائسرائے ہند کا شکر گذار ہونا ضروری تھا جنہوں نے رپورٹ میں اگست ۱۹۱۷ء کے اعلان کی تصدیق کر کے یہ ثابت کیا تھا کہ برطانیہ ہندوستان

کو خود اختیار حکومت دینی چاہتا ہے۔ انتہا پسند رپورٹ کے سخت مخالف تھے۔ ان کی رائے میں سفارشات بالکل ناکافی تھیں اور اگست ۱۹۱۷ء کے اعلان سے جو امیدیں ہندوستانیوں نے باندھی تھیں اس رپورٹ نے ان سب کا خون کر دیا تھا۔ کانگریس میں زبردست اختلافات نمودار ہو گئے اعتدال پسندوں میں جو رپورٹ کو قبول کر لینے کے حق میں تھے بڑے بڑے آزمودہ کار سیاستداں تھے۔ مگر ملک کا عام رجحان رپورٹ کی سفارشات کے خلاف تھا مسلم لیگ کانگریس اسکیم کی حامی اور رپورٹ کی مخالف تھی۔

کانگریس کے اجلاس میں رپورٹ نامنظور

۲۹ اگست ۱۹۱۸ء کو کانگریس کا اجلاس بمبئی میں ہوا۔ اس کے صدر مسٹر حسن امام بیرسٹرایٹ لا (پٹنہ) تھے۔ اجلاس سے چند روز پہلے تک کانگریس کی دونوں پارٹیوں میں سمجھوتہ کرانے کے لئے زور لگایا گیا کیونکہ یہ اندیشہ تھا کہ اجلاس میں دونوں کی ٹکر ہوگی۔ مگر کامیابی نہ ہوئی۔ چار دن تک رپورٹ پر گرما گرم بحث ہوتی رہی۔ کانگریس نے لیگ کانگریس اسکیم کو دوبارہ منظور کیا اور یہ اعلان کر دیا کہ کوئی ایسی چیز جس سے ہندوستان کو برطانوی امپائر کے اندر رہتے ہوئے مکمل حکومت خود اختیاری سے کم ملے ہندوستانیوں کو مطمئن نہیں کر سکتی۔

مسلم لیگ کا خاص اجلاس بمبئی ۱۹۱۸ء

۳۱ اگست ۱۹۱۸ء کو بمبئی کے مقام پر مسلم لیگ کا ایک خاص اجلاس منعقد کیا گیا جو دو روز تک جاری رہا۔ اس کے صدر دی آنریبل راجہ سر محمد علی محمد خان بہادر کے۔سی۔آئی۔ای آف محمود آباد تھے جو اس دور میں لیگ کے مستقل صدر تھے اور جن کی دانشمندی، نیز مستقل مزاجی وطن دوستی اور حقوق اسلامی کی وکالت پر تمام ہندوستان کے مسلمانوں کو پورا پورا اعتماد تھا۔ مجلس استقبالیہ کے صدر دی آنریبل سر فضل بھائی کریم بھائی۔ کے۔ بی۔ سی۔ بی۔ ای تھے جو اس وقت ملکی و ملی سیاست میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔

اس اجلاس کی اہمیت ہندوستان کے مسلمانوں کی تاریخ میں ہمیشہ مسلّم رہیگی

ملک ایک نئے دور میں داخل ہو رہا تھا۔ مسلمان وہ فیصلے کرنے کے لئے جمع ہوئے تھے جن کے متعلق بلا مبالغہ یہ کہا جا سکتا تھا کہ ان سے وہ اثرات پیدا ہوں گے جو زمانے کی لہروں میں ایک عرصہ تک تھرتھری پیدا کرتے رہیں گے اور جن سے آئندہ نسلیں متاثر ہوں گی مسلمانوں کے سامنے مانٹیگو چیمسفورڈ رپورٹ پر فیصلہ دینے کا سوال تھا۔

مہاراجہ بہادر آف محمود آباد کا پُر مغز خطبۂ صدارت

مسلمانان ہند کو صدر اجلاس خاص سے صحیح رہنمائی کی جو توقع تھی اسے انہوں نے تمام وکمال پورا کر دیا۔ انہوں نے اپنے خطبۂ صدارت میں جنگ کے اثرات، اور ہندوستان کی سیاسی تمناؤں کا پُر زور اور موثر الفاظ میں تفصیل کے ساتھ تذکرہ کیا اور اس کے بعد ان نکات پر بحث کی جن پر رپورٹ کے مصنفین نے لیگ کانگریس اسکیم کی مخالفت کی تھی۔ آپ نے بتایا کہ کس طرح لیگ کانگریس اسکیم آئینی اعتبار سے آئندہ دستور اساسی کی بنیاد بننے کی صلاحیت رکھتی تھی مگر رپورٹ کے مرتبین نے اسے ٹھکرا کر ہندوستانیوں کو مایوس کیا ہے۔ آپ نے بڑی قابلیت سے رپورٹ پر شدید نکتہ چینی کی اور اس کے ایک ایک پہلو کو روشنی میں لاکر اسکے مرتبین کی دل خوش کن سیاسی ابلہ فریبی کا پردہ چاک کیا۔ خطبۂ صدارت مانٹیگو چیمسفورڈ رپورٹ پر ایک مکمل تبصرہ اور اس کے عیوب کا ایک مکمل دفتر تھا۔ سب سے پہلے آپ نے لیگ کانگریس اسکیم اور رپورٹ کا موازنہ کیا۔ لیگ کانگریس اسکیم کا نظریہ تھا کہ ہندوستانیوں کو حکومت میں پالیسی، مالیات اور شعبۂ انتظامی پر اختیار ہونا چاہئے۔ مانٹیگو چیمسفورڈ رپورٹ میں اسکیم پر نکتہ چینی کرتے ہوئے کہہ دیا گیا کہ شعبۂ انتظامی کو جماعت قانون ساز کے ماتحت کرنے سے آئینی جمود ہو گا حالانکہ اسے دور کرنے کے لئے ایک طرف تو تاج کو ویٹو کا اختیار دیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ شعبۂ انتظامی کو توڑا بھی نہیں جا سکتا تھا جبکہ قانون ساز جماعت کو توڑا جا سکتا تھا۔ یوں بھی ڈیڈلاک کا کوئی اندیشہ نہ تھا۔ لیگ کانگریس اسکیم میں انتظامی کونسلوں میں صرف ہندوستانی ممبر منتخب کئے جانے سے مراد یہ تھی کہ حکومت کے شعبۂ انتظامی میں ذمہ داری کا عنصر داخل کیا جائے

ایسے منتخب شدہ ممبران کونسلوں کی مدت ختم ہونے پر جو انہیں بھیجتیں ممبری سے سبکدوش ہوجاتے اس لحاظ سے وہ عوام کے سامنے ذمہ دار بھی ہوتے۔ رپورٹ میں یہ اعتراض کیا گیا کہ سیاسی اور مذہبی اختلافات کو دیکھتے ہوئے یہ خوف ہے کہ یہ سلسلہ چل نہ سکے گا۔ اسی طرح لیگ کانگریس اسکیم نے مالی اختیارات عوام کے نمائندہ ممبران کونسل ہی کے ہاتھوں میں رکھے جانے پر زور دیا تھا رپورٹ نے اس کو محو کردیا۔

رپورٹ اور لیگ کانگریس اسکیم

"اگر لیگ کانگریس اسکیم پر یہ اعتراض کیا جاتا کہ نمائندگان عوام کے ہاتھوں میں اتنے زیادہ اختیارات حکومت دے دینے سے ہندوستان کے ڈیفنس (تحفظ) کا معاملہ خطرہ میں پڑجاتا ہے تو یہ بات کم سے کم معقول ضرور ہوتی۔ اہل ہند کے لئے یہ کہنے کا موقع نکل سکتا کہ ایسی حالت میں اسے بہتر بناتے ہوئے نئے دستور حکومت ہند کی بنیاد بنایا جاسکتا ہے مگر رپورٹ کے مرتبین نے تو اسے تمام وکمال ہی رد کردیا۔ اس سے ہندوستانیوں پر یہ اثر ہوا کہ جو کچھ رپورٹ کی صورت میں پیش کیا گیا ہے وہ پہلے ہی سے طے شدہ تھا اور وزیر ہند کا دورہ اور تحقیقات اور تبادلۂ خیالات محض دکھاوے کی باتیں تھیں

رپورٹ کے دیگر نقائص

کونسل آف اسٹیٹ اور اسمبلی کا تعلق ماتحت اور افسر جماعتوں کا سا رکھ دیا گیا۔ رپورٹ میں یہ درج تھا کہ جو مسودۂ قانون اسمبلی نامنظور کردے وہ کونسل میں منظور کرایا جاسکتا ہے۔۔ رپورٹ میں کونسل کے لئے بل پیش کرنے کا حق محفوظ کردیا گیا۔ اسمبلی میں تو بس اس کی اطلاع کی جانی تھی۔ ان سب باتوں سے یہ پتہ چلتا تھا کہ نمائندگان عوام کی آواز کو حکومت ہند میں بے اثر رکھنا مقصود ہے۔ کہا گیا کہ "امن وامان اور اچھی حکومت کی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے سلسلے میں گورنمنٹ آف انڈیا جن باتوں کو ضرور سمجھے گی ان میں (سوائے انگلستان کی پارلیمنٹ کے سامنے ذمہ دار ہونے کے) اسے اختیار مطلق حاصل رہیگا۔ مگر امن وامان اور اچھی حکومت کے ذمہ داری کی حدیں متعین نہیں کی گئیں جس سے یہ امکان پیدا ہوسکتا

تھا کہ اس ذمہ داری کی تعریف میں حکومت کے شعبۂ انتظامی کا ہر چھوٹا بڑا او ہم بھی آجائیگا۔
صوبجاتی حکومتوں میں نمائندگی (یعنی انتخاب سے آنے والے ممبروں کی رائے دہندگان کے سامنے جوابدہی) کا جو عنصر داخل کر دیا گیا وہ مرکزی حکومت میں بالکل نہیں تھا۔ وہ صرف وزیر ہند اور پارلیمنٹ کے سامنے جواب دہ رکھی گئی۔ صوبوں میں بھی ذمہ داری ایک عجیب وغریب طریقے سے داخل کی گئی۔ ان میں دوعملی قائم کر دی گئی۔ حکومت کے محکموں کو دو حصوں میں بانٹا گیا۔ ایک حصہ امور محفوظ کے لئے دوسرا امور منتقلہ کے لئے۔ امور منتقلہ ان وزیروں کے ہاتھوں میں رکھے گئے جن کا کونسل کے ممبروں میں سے لیا جانا تجویز ہوا اور امور محفوظ کو قانون ساز جماعتوں کی دستبرد سے بالکل اونچا رکھا گیا جس کے معنی یہ تھے کہ ایک حکومت ہندوستانی ہوگی دوسری سرکاری ہوگی اور ہندوستانی حکومت سرکاری حکومت سے دبی رہے گی۔ صوبوں کی حکومتوں میں گرانڈ کمیٹیوں کے قیام سے دو ایوانی حکومت قائم کر دی گئی حالانکہ خود رپورٹ میں اس پر ایک طویل بحث کی گئی تھی کہ سرمایہ داروں اور زمینداروں کا ایوان بالا جمہوری نظام حکومت پر برا اثر ڈالیگا۔ انتخابی اداروں کے معاملے کو رپورٹ نے درمیان ہی میں غیر فیصل شدہ حالت میں چھوڑ دیا اور یہ تجویز کی کہ ان کی بناوٹ اور صلاحیت کے یقین کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی جائے جس سے یہ امکان پیدا ہو گیا کہ اب وہ افراد اور جماعتیں جنہیں اعلان اگست ۱۹۱۷ء سے کوئی واسطہ نہیں ہوگا وہ ہندوستانیوں کو وسیع ترحق رائے دہی دینے کے خلاف جدوجہد شروع کر دیں گی۔ اور ہندوستانیوں کے نسلی اور مذہبی اختلافات کو ابھار کر دکھائیں گی

ذمہ دار کون ہے

انھوں نے کہا کہ اس حالت کے لئے ہم بھی کچھ کم ذمہ دار نہیں ہیں۔ دوسرے ملکوں میں مذہب کے بعد سیاست دماغوں پر حاوی رہتی ہے مگر ہندوستان میں ایک اوسط درجے کے باشندے کے لئے سیاسی محض لغویت ہے جو ہندوستان کے نظام حکومت کا اثر ہے۔ غریبی اور جہالت نے بھی ہندوستانیوں کو بے دست و پا بنا رکھا ہے۔ یہ حالت حکومت کی کوشش اور وسیع حق رائے دہی کی

صورت میں سیاسی طاقت ملنے ہی سے دور ہوسکتی ہے۔

مسلمانوں کی جداگانہ نمائندگی

"ہمارا اور ہندوؤں کا ایک بنیادی سمجھوتہ ہو چکا ہے مگر مانٹیگو چیمسفورڈ رپورٹ اس سمجھوتہ کی اہمیت کو سمجھنے میں ناکام رہی ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ہمیں علم نہیں کہ اعداد کی بنا کیا تھی۔ مجھے حیرت ہے کہ جو بنیاد میں نے بتائی ہے اس سے زیادہ صحیح بنا اور کیا ہو سکتی ہے۔ کیا باہمی رضامندی اس قسم کے سمجھوتوں کے لئے سب سے زیادہ قابل اطمینان بنیاد نہیں ہوا کرتی؟ ہندو مسلم سمجھوتے کے بارے میں رپورٹ نے جو زاویۂ نگاہ ظاہر کیا ہے اس کی ہندو مسلمان سب نے یکساں مذمت کی ہے۔ اس رپورٹ کی بنیاد پر جو کوئی مسودۂ قانون ترتیب پانے والا ہو اس میں مسلمان (اور ہندو بھی) ہندو مسلم سمجھوتے کو قائم رکھے بغیر نہ مانیں گے۔

محمد علی کی یاد

"ایک ایسے اہم اور نازک موقعہ پر بھی مسلمان قوم اپنے بعض زیادہ سے زیادہ معتمد رہبروں کی رہنمائی اور انکی اصلاح سے محروم رہی۔ انہوں نے ان آئینی مسائل کا گہرا مطالعہ بھی کر رکھا تھا جن پر ہمیں اس وقت فیصلہ دینا ہے۔ میں خاص طور پر مسٹر محمد علی کا ذکر کرتا ہوں جو مسلمانوں کی ترقی پسند جماعت میں بہت نمایاں حیثیت رکھتے ہیں اور جو اپنے بھائی سمیت کسی مصدقہ وجہ کے بغیر ابھی تک نظر بند ہیں۔ ہندوستان کی اصلاحات کی رپورٹ پر غور کرنے اور فیصلہ دینے کے کام میں مسلمان محمد علی کے بغیر سب سے زیادہ بیش قیمت امداد اور رہبری سے محروم ہیں۔ اور اس طرح مسلمانوں کے ساتھ جو ظلم کیا گیا ہے وہ اسے شدت سے محسوس کر رہے ہیں"۔

اجلاس خاص بمبئی کی اہم اور اثردار تجاویز

لکھنؤ کے اجلاس میں جو اسکیم منظور کی گئی تھی اس کے اصول کی ازسرِنو تصدیق کی گئی۔ اور رپورٹ کی اس پیشہ دوانی کے خلاف زبردست احتجاج

کیا گیا کہ ہندوستانی خود اختیاری حکومت کے اہل نہیں ہیں۔ اس پر زور دیا گیا کہ صوبوں اور مرکز دونوں میں ذمہ دار حکومت ایک ساتھ قائم ہونی چاہئے۔ رپورٹ کا اس حیثیت سے خیر مقدم کیا گیا کہ یہ ہندوستان کے حکومتی اداروں کو زیادہ وسیع کرنے کی ایک پُرخلوص کوشش ہے اور اس بات کا بھی اعتراف کیا گیا کہ بعض اطراف میں اس کی سفارشات موجودہ حالات کو ترقی کی طرف لیجاتی ہیں۔ مگر بحیثیت مجموعی سفارشات کو غیر اطمینان بخش قرار دیا گیا اور اس بات پر اظہار افسوس کیا گیا کہ رپورٹ میں ہندوستان کے مسلمانوں کی مخصوص حیثیت کا کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا اور ان کے ساتھ ہمدردی کا برتاؤ نہیں کیا گیا

لیگ کی طرف سے رپورٹ میں ترمیم

لیگ نے رپورٹ میں مندرجہ ذیل ترمیمیں پیش کیں۔ (۱) لیجسلیٹو اسمبلی اور کونسلوں میں مسلمانوں کے ممبروں کی تعداد اتنی ہی رکھی جائے جتنی لیگ کانگریس اسکیم میں ہے (۲) محکموں کو بتدریج ہندوستانیوں کے ہاتھوں میں دیتے ہوئے پارلیمنٹ اور وزیر ہند کا وہ قابو کم کیا جائے جو اسے حکومت ہند پر ہے۔ محفوظ امور کے سلسلے میں وزیر ہند اور پارلیمنٹ کے اختیارات کی جگہ حکومت ہند کے اختیارات اس وقت تک نہ قائم کئے جائیں جبتک وہ پارلیمنٹ کے سامنے جوابدہ ہے (۳) انڈیا کونسل کو توڑ دیا جائے۔ پریوی کونسل بھی منسوخ ہو جائے وزیر ہند کے ماتحت دو مددگار ہوں جن میں سے ایک ہمیشہ ہندوستانی ہو۔ انڈیا آفس کے اخراجات انگلستان کے خزانے پر ڈالے جائیں (۴) وائسرائے کی اگزیکٹو کونسل میں آدھے ہندوستانی ممبر ہوں اور مسلمانوں کے حقوق کا بھی اس سلسلے میں خیال رکھا جائے (۵) انڈر سکرٹری اسمبلی کے انتخاب سے آئے ہوئے ممبروں میں سے بنائے جائیں (۶) اسمبلی میں کل ۱۵۰ ممبر ہوں۔ ان میں سے ۱۲۳ ممبر انتخاب سے آئیں۔ صدر اور نائب صدر اسمبلی کو اسمبلی خود چنے۔ مرکز میں بھی امور محفوظ اور امور منتقلہ کا وہی سسٹم جاری کیا جائے جو صوبوں میں جاری کرنے کی تجویز ہے۔ فوج، بحری بیڑہ حکومت ہند کے دیگر حکومتوں سے خارجہ تعلقات (بجز نوآبادیات و مقبوضات) سب امور منتقلہ ہوں۔ کونسل آف اسٹیٹ

اسی شرط پر باقی رکھی جاسکتی ہے کہ امور محفوظ کے سوا دیگر امور پر والسرائے کو خاص اختیارات استعمال کرنے کا حق نہ ہو۔ (۵) کونسل آف اسٹیٹ میں آدھے ممبر انتخاب سے آئیں۔ اور ان میں سے آدھے ممبر مسلمان ہوں جنہیں مسلمان حلقہائے انتخاب چنکر بھیجیں (۶) اگر والسرائے اسمبلی کو توڑ دے تو پھر تین مہینہ کے اندر اندر نئی اسمبلی طلب کرے (۷) آرڈنینس (ہنگامی قانون) منظور کرنے کا اختیار تنہا والسرائے کو نہیں بلکہ والسرائے باجلاس کونسل کو ہو۔

صوبوں میں:۔ (۸) صرف قانون انصاف و عدالت اور پولیس امور محفوظ میں شامل ہوں۔ اور انتظامی اور عدالتی محکموں کو ایک دوسرے سے بالکل جدا کر دیا جائے۔ (۹) وزیروں کی تنخواہ اور ان کا مرتبہ انتظامی کونسل کے ممبروں کے مساوی ہو (۱۰) چھ سال میں صوبوں کو مکمل خود اختیار حکومت دیدی جائے (۱۱) بے قلمدان وزارت کے وزیر مقرر نہ کئے جائیں (۱۲) گورنر اپنے سینئر افسروں میں سے صلاح مشورے کے لئے انتظامی کونسل کے ممبر نہ بنائے (۱۳) گورنر کو اپنی کونسل کے کسی حصہ کو جداگانہ طور پر طلب کرنے کا اختیار نہ ہو (۱۴) انڈر سکرٹری کونسل کے ممبروں ہی میں سے ہوں (۱۵) کونسل کے ممبران کا ⅘ حصہ منتخبہ ہو۔ صرف ⅕ حصہ نامزد کیا جائے۔ کونسل اپنا صدر اور نائب صدر خود چُننے گی (۱۶) منتقلہ امور کو بے انتظامی کی وجہ سے امور محفوظ کی فہرست میں صرف پارلیمنٹ کی منظوری کے بعد منتقل کیا جائیگا۔ کونسل اپنے ووٹ سے ۵ برس تک کے لئے وزیروں کی تنخواہ منظور کریگی (۱۷) اجمیر، مارواڑ اور دہلی کو ایک انتظامی صوبہ رکھا جائے اور لوکل گورنمنٹ اس کے باشندوں کو دی جائے۔

سرکاری نوکریوں میں:۔ (۱۸) ہندوستان میں ۵۰ فیصدی سرکاری نوکریاں ہندوستانیوں کو دی جائیں اور اس پر ہر سال ½ ۱ فیصدی کا اضافہ کیا جائے۔ سرکاری نوکروں کو چاہے وہ انگلستان میں نوکر رکھے گئے ہوں یا ہندوستان میں یکساں معیار کے مطابق تنخواہ دی جائے (۱۹) مالی معاملات میں ہندوستانی جماعت قانون ساز

کو بھی خود اختیار مقبوضات برطانیہ جیسے اختیارات دیئے جائیں۔
مولانا محمد علی کی رہائی کا بھی مطالبہ کیا گیا اور مجوزہ دستوری اسکیم سے قائم ہونے والے حکومتی اداروں میں مسلمانوں کے حقوق محفوظ کئے جانے پر زور دیا گیا۔ اسی غرض کے لئے لیگ کی کونسل کو عملی قدم اٹھانے کا بھی اختیار دیا گیا اور لیگ کا ایک وفد انگلستان بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا۔

رولٹ کمیٹی

ہوم رول وغیرہ کے سلسلے میں ہندوستانیوں نے جو ایجی ٹیشن کیا تھا اسے باغیانہ کارروائیوں اور سازشوں سے تعبیر کرتے ہوئے ۱۹۱۷ء میں حکومت ہند نے ایک کمیٹی مقرر کی تھی جس کے سپرد یہ کام کیا تھا کہ ان "سازشوں" کے بارے میں تحقیق و تفتیش حالات کرکے ان شکایات کو دریافت کرے جنکی بنا پر یہ "باغیانہ کارروائیاں" ہوئی تھیں اس تحقیقاتی کمیٹی کے ممبر مسٹر کمار سوامی مسٹر پرویس چندر اور مسٹر شاستری تھے۔ اور صدر سر سڈنی رولٹ تھے۔ اسی لئے یہ رولٹ کمیٹی مشہور ہوگئی تحقیقات کے بعد کمیٹی نے ۱۹۱۸ء میں اس کے نتائج نکالے۔

حالانکہ مسلمان ترکوں اور خلافت کو خطرے میں دیکھنے کے باوجود بھی نہایت، پُرامن رہے تھے اور انھوں نے آئینی احتجاجوں اور درخواستوں ہی پر قناعت کی تھی مگر کمیٹی کی رپورٹ میں مسلمانوں کو شک وشبہ کا نشانہ بناتے ہوئے ان کو سازشی اور باغی ٹھہرایا گیا تھا اور کمیٹی اس نتیجے پر پہنچی تھی کہ مسلمان قوم میں انگریزوں کی حکومت کے خلاف ایک منظم سازش کام کر رہی ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کے بعض نمایاں اور ذی عزت رہبروں کے خلاف یہ الزام عائد کیا گیا تھا کہ انھوں نے برطانیہ کے خلاف سازش کی

مسلم لیگ کا احتجاج

اجلاس خاص بمبئی۔ کی ایک پرزور تجویز کے ذریعہ سے رولٹ کمیٹی کے ان نتائج کی شدید مذمت کی گئی اور مسلمانوں کے باغی اور سازشی ٹھہرائے جانے پر شدید احتجاج کیا گیا اجلاس کی یہ رائے تھی کہ تحقیقات کا جو طریقہ اختیار کیا گیا وہی غلط ہے۔ اس لئے نتائج کسی طرح درست

ہو ہی نہیں سکتے۔ جہانتک مسلم رہبروں پر عائد کئے ہوئے الزامات کا تعلق تھا اجلاس خاص نے کمیٹی کو یہ چیلنج دیا کہ وہ ان تمام چیزوں کو کھلی عدالت میں لائے جن کی بنا پر اس نے یہ نتیجہ نکالا ہے۔

نظر بند بھائیوں کیلئے ایک کمیشن

مسلم لیگ کے اجلاس خاص میں مہاراجہ بہادر آف محمود آباد نے اپنی خطبۂ صدارت کے آخر میں جو صدارتی تقریر کا اہم ترین حصہ ہوا کرتا ہے محمد علی شوکت علی کی نظر بندی کے خلاف جو پُرزور احتجاج کیا تھا اس سے حکومت متاثر ہوئی اور اس نے ستمبر ۱۹۱۸ء میں ایک سرکاری کمیشن مقرر کیا تاکہ وہ علی برادران کی نظر بندی کے مسئلے پر غور و خوص کرے اور اس کے نتائج ایک رپورٹ کی شکل میں حکومت کے سامنے رکھے۔ کمیشن چھندواڑہ گیا۔ اس نے دونوں بھائیوں کے بیانات لئے۔ اور پھر اپنی سفارشات پیش کیں۔ نظر بندی کو جائز قرار دیتے ہوئے کمیشن نے یہ سفارش کی کہ اب انھیں کافی سزا مل چکی ہے اس لئے دونوں کو رہا کر دیا جائے لیکن حکومت نے اس سفارش کو منظور نہیں کیا۔ نومبر ۱۹۱۸ء میں مسز بسینٹ رہا ہوئیں اور فوراً علی برادران کی رہائی کے لئے کوشش کرنے لگیں وہ وائسرائے سے ملیں مفصل گفتگو کی۔ دلیلیں دیں۔ مگر حکومت ٹس سے مس نہ ہوئی۔ ۱۹۱۸ء کا سال بھی یونہی گذر گیا۔

باب ۱۶

علما میدان سیاست میں

۱۱ر نومبر ۱۹۱۸ء کو جنگ عظیم ختم ہو چکی ہے توپوں کی گرج اور تلواروں کی جھن جھن موقوف ہوئی۔ اب دنیا مستقل اور پائیدار امن کا انتظار کر رہی ہے۔ مگر مسلمانوں پر یہ ان کی تاریخ کا نازک ترین دور ہے، جو تشویش اور اندیشوں سے لبریز ہے۔ مصائب کے وہ کالے کالے بادل جو ایک مدت سے مطلع اسلام کی طرف بڑھ رہے تھے اب اس پر پوری طرح مسلط ہو چکے ہیں۔ ان میں آفتوں کی بجلیاں ہیں جو مسلمانوں کے سروں پر گر پڑنے کے لئے بیتاب نظر آتی ہیں۔ یوروپ کی فاتح حکومتیں ترکی سلطنت کو ختم کر دینے کے درپے ہیں۔ جس کے مستقبل سے خلافت اور اسلامی مقامات مقدسہ کی حرمت و بقا کا سوال وابستہ ہے۔ انگلستان کے وزرا نے کروڑوں مسلمانان ہند کے جذبات کو اب سے پہلے کئی مرتبہ اپنی وعدہ خلافیوں سے پامال کیا ہے۔ مگر اب وہ وفاداری کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھنے سے بیزار ہیں۔ اسلام کی فوجی طاقتوں کی بربادی سے ان کے دلوں پر بڑا گہرا اثر پڑا ہے۔ صلح کانفرنس کے متعلق یہ معلوم ہو چکا ہے کہ مسلمانان ہند کا کوئی نمائندہ نہیں لیا جائیگا۔ ذمہ دار برطانوی وزرا نے حال ہی میں جو تقریریں کی ہیں وہ بھی ان کے لئے طمانیت بخش نہیں ہیں۔ لارڈ رابرٹ سیسل برطانوی پارلیمنٹ میں بیان کر چکا ہے کہ ترک حکومت کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے، یہ اشارہ ہے کہ ترکی سلطنت ختم کر دی جائیگی۔ دسمبر ۱۹۱۸ء میں دہلی میں مسلم لیگ کا گیارہواں سالانہ اجلاس ہونیوالا ہے

اس کے صدر آنریبل مولوی فضل الحق صاحب بی، اے، ایل ایل، بی وکیل ہائیکورٹ کلکتہ وممبر کونسل بنگال اور صدر مجلس استقبالیہ ڈاکٹر مختار احمد انصاری ہیں۔ اس اجلاس کے سامنے حصول حکومت خود اختیاری اور مسلم لیڈروں کو نظر بندی سے چھڑانے کے مسائل بھی ہوگئے مگر اہم ترین مسئلہ وقت تحفظ خلافت ومقامات مقدسہ ہی ہے۔ بیچینی کی آگ دلوں میں بھڑک رہی ہے۔ لوگ رہبران قوم کا فیصلہ سننے کے لئے بیتاب ہیں۔ اس وقت تک مسلم لیگ کی توجہ سیاسی امور ہی کی طرف رہی ہے۔ مگر مسئلہ خلافت ومقامات مقدسہ کی پکار اہل سیاست واہل مذہب دونوں کو مسلمانوں کی تنہا نمائندہ جماعت مسلم لیگ کے پلیٹ فارم کی طرف کھینچ رہی ہے اس مسئلے نے دینی ودنیاوی اغراض کو مشترک کردیا ہے۔ یہ بڑی شدت سے محسوس کیا جارہا ہے کہ علمائے کرام کو حجروں خانقاہوں اور مدرسوں کی چاردیواری سے نکل قوم کی جدوجہد میں کودنا چاہیئے۔

جلسۂ علمائے کرام مسجد فتحپوری دہلی

۳۰ر دسمبر ۱۹۱۸ء کو ۹ بجے صبح مسجد فتحپوری میں ۲۴ نمائندہ علمائے کرام کا ایک جلسہ ہوا جسکی غرض وغایت علما کے اس ارادے کا اعلان کرنا تھی کہ مسئلہ خلافت ومقامات مقدسہ میں وہ مسلم لیگ کے ساتھ آواز بلند کرینگے۔ شرکا میں سے نمایاں نام یہ ہیں۔ مولانا مفتی کفایت اللہ صدر مدرس مدرسۂ امینیہ دہلی۔ مولانا قطب الدین محمد عبدالوالی فرنگی محل (لکھنؤ) مولانا حافظ احمد سعید صاحب دہلوی، مولوی جلیل الدین شاہ پوری، مولوی سید محمد طاہر امام عیدگاہ دہلی، مولوی نور محمد مدرس عربک اسکول دہلی۔ جلسے میں آٹھ تجویزیں منظور ہوئیں۔ گورنمنٹ سے درخواست کی گئی کہ وہ اوائل جنگ کے وعدے کا لحاظ کرتے ہوئے مقامات مقدسہ بغداد، دمشق، نجف اشرف اور کربلا وغیرہ پر سے فوجیں ہٹالے۔ مسئلہ خلافت کے تصفیئے کا حق صرف مسلمانوں کو ہے۔ اس لئے وہ مداخلت سے باز رہے اور سلطنت عثمانیہ اور ایران کی آزادی حسب سابق بحال رہنے دے۔ فسادات کلکتہ وکٹارپور (جن کا ذکر آگے آئیگا) پر رنج اور افسوس ظاہر کیا گیا

نظر بندوں کو آزاد کر دینے کی درخواست کی گئی۔ مولانا مفتی کفایت اللہ اور چند دیگر علما کو یہ خدمت سپرد کی گئی کہ وہ اس جلسے کے نمائندوں کی حیثیت سے مسلم لیگ میں شامل ہو کر تجویزوں کو وہاں پیش کر دیں تاکہ مسلم لیگ ان کی نقلیں حکومت کے سامنے رکھے۔ علمائے کرام، حامیانِ شرعِ متین، وارثانِ ختم رسل، قوم کے آڑے وقت پر خانقاہوں، مدرسوں اور مکتبوں کی عافیت گاہوں میں مسند نشیں رہنے کا شعار چھوڑ کر جدوجہد کی جلتی آگ میں کود پڑنے کے لئے مردانہ وار میدان میں آ گئے۔ دین قیم کی حمایت کے لئے جس میں سیاست اور مذہب دونوں ایک دوسرے سے پیوست ہیں، انھوں نے قربانی کی راہ پر عمل کا قدم ڈال دیا۔ علما کو سیاست میں لانے میں بڑی حد تک حکیم اجمل خاں اور ڈاکٹر انصاری کا ہاتھ تھا۔

مسلم لیگ کا گیارہواں سالانہ اجلاس دہلی ۱۹۱۸ء

اسی دن گیارہ بجے سے لیگ کا سالانہ اجلاس شروع ہوا جو اس جماعت کے گذشتہ تمام اجلاسوں سے زیادہ کامیاب اور اہم ثابت ہوا ہندوستان کے تمام علمائے کرام کو شرکت اجلاس کی دعوت دی گئی تھی، لیگ کی زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ خالص اسلامی اور مذہبی مباحث پر گفتگو کرنے کے لئے ہندوستان کے ہر حصے سے علما کی اس قدر زیادہ تعداد شریک اجلاس ہوئی۔ مسلمانان ہند کا یہ اجتماع ان کی سیاسی اور قومی زندگی کا ایک یادگار لمحہ ہے۔ علما کے علاوہ غیر مسلم حضرات بھی کافی تعداد میں بہ طور مہمان شریک ہوئے جیسے مسز بیسنٹ، سروجنی نائیڈو، مسیز ہارنی مین ارنڈیل، جے رام داس، سی وجیار اگھو آچاریہ، سی پی راما سوامی آئر، پٹیل، کھاپرڈے وغیرہ جب قرآن مجید کی تلاوت ہوئی تو سب حاضرین ادب سے اپنی جگہ پر کھڑے ہو گئے۔

مولوی فضل الحق کا مدلل اور پرزور خطبۂ صدارت

انھوں نے ہندوستان میں انگریزی نظام حکومت پر نکتہ چینی کرتے ہوئے خود اختیار حکومت کا مطالبہ کیا اور کہا "انتظام ہند کے نقائص کا

سبب یہ ہے کہ ایک مطلق العنان جماعت حکام کی نمائندہ ہے جو ہندوستان کے عوام کے سامنے ذمہ دار نہیں ہے۔ اصلاحات کی پیوندکاری محض عارضی فائدہ ہوگی حقیقی علاج یہ ہے کہ ہندوستان کو خود اختیار حکومت دیدی جائے۔ ریفارم اسکیم میں لکھا ہے ہندوستانی اس وقت خود اختیار حکومت کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اگر ہم ڈیڑھ سو برس کی انگریزی حکومت کے بعد بھی تیار نہیں ہیں تو جبتک یہ حکومت اپنی موجودہ شکل میں قائم رہے گی ہم کبھی تیار نہ ہوں گے۔"

مسلمانوں کی پوزیشن کے بارے میں انہوں نے کہا "میں نے کچھ لوگوں کو کہتے سنا ہے کہ خود اختیار حکومت کے مطالبے میں شریک ہو کر مسلمان ایک مہلک غلطی کر رہے ہیں اور ہندو ایجی ٹیٹروں (شورش پسندوں) کے قابو چڑھ گئے ہیں جو عیاری سے ذمہ دار حکومت کے بھیس میں ہندو راج قائم کر رہے ہیں۔ اختیار ہندوؤں کے ہاتھوں میں چلا جائیگا۔ اور وہ مسلمانوں کی پولیٹکل ہستی کو فنا کرنے کے لئے ہر موقع سے کام لیں گے۔ مگر یہ کہنا کہ ہندو مسلمان کا قدرتی دشمن ہے دونوں فرقوں کی توہین ہے۔ تعلیم کی وسیع اشاعت اور اس کے فوائد لوگوں کے خیالات وسیع کر کے ان میں رواداری کی روح پھونکیں گے۔

مقامی حکومتی ادارے اور مسلمان

"سیلف گورننگ (خود اختیار) جماعتوں میں مسلمانوں کی نیابت کے معاملے میں حکام نے مسلمانوں کا لحاظ رکھا ہے؟ جہاں جہاں گورنمنٹ نے نامزدگی کا بہت وسیع اختیار اپنے ہاتھوں میں رکھا وہاں بھی مسلمانوں کی طرف سے لاپرواہی برتی گئی۔ میں گورنمنٹ کے رحم پر یکسا نہ بھروسہ رکھنے کی روش پر اعتماد نہیں رکھتا۔ کوئی چیز کبھی بھیک مانگنے سے نہیں ملی خواہ بھیک مانگنے کے فن کو کتنی ہی خوبی سے برتا جائے۔ موجودہ طریق حکومت کے ماتحت مسلمان سب سے زیادہ تکلیف اٹھا رہے ہیں۔ کیونکہ وہ حکام کی طبیعت کے رنگ کو نہیں سمجھتے جو صرف اپنی مشورہ سے متاثر ہوتے ہیں۔

خلافت اور اماکن مقدسہ

"خلافت کا مسئلہ خود مسلمانوں کو طے کرنا ہے اور مقامات مقدسہ بھی غیر اسلامی اثرات سے پاک رہنے چاہئیں۔ ہم تاج برطانیہ کے وفادار ہیں۔ مگر یہ وفاداری مذہبی احکام کی متابعت کے ماتحت ہے۔ خدائی احکام اور ایک دنیاوی بادشاہ کے قوانین میں تصادم ہونے پر مسلمان اپنی جان دیکر بھی خدائی قوانین کو غالب رکھے گا" آپ نے حکومت پر نظربندوں کی رہائی کے لیئے بھی زور دیا۔

ہندو مسلم اتحاد کیلئے پر زور اپیل

"یہ ایسا وقت نہیں ہے کہ ہم اپنی قوتیں ان نشستوں کی تعداد کے متعلق جھگڑنے میں ضائع کریں جو کسی آئندہ اصلاحی اسکیم میں مختلف فرقوں کو ملنے والی ہیں۔ کونسل کی نشستیں بجائے خود کوئی آخری مقصد نہیں ہوسکتیں۔ اپنی غرض اور حفاظت کے خیال سے بھی مسلمانان ہند کو اختلافات فراموش کر دینے چاہئیں۔ اور مستقبل کی تعمیر کیلئے ہندوؤں کی امداد حاصل کرنی چاہیئے۔ ہم اپنی نصف طاقت ضائع کر دینگے اگر اپنی قوم کے فوائد محفوظ رکھنے کی جدوجہد میں غیر مسلم بھائیوں کو اپنا طرفدار نہ بنائینگے"

علمائے کرام کا لیگ کی طرف سے خیر مقدم

دوسری نشست میں صدر نے علمائے کرام کا خیر مقدم کرتے ہوئے ان کا شکریہ ادا کیا کہ انھوں نے لیگ میں شرکت کی دعوت منظور کر لی۔ علمائے دیوبند کا ایک خط پڑھ کر سنایا گیا جس میں شرکت اجلاس سے معذوری ظاہر کرتے ہوئے مسئلہ خلافت میں مسلم لیگ کی تائید کیگئی تھی، اس کے بعد مولانا عبد الباری صاحب نے خالص مذہبی انداز اور عالمانہ لب ولہجہ میں مسئلہ خلافت پر ایک موزوں اور مدلل تقریر کی جس میں آپ نے یہ ثابت کیا کہ مقامات مقدسہ پر خلیفۃ الاسلام کے سوا مسلمان از روئے مذہب کسی اور کا قبضہ برداشت نہیں کر سکتے نیز اگر خلیفۃ الاسلام مصائب میں گھرا ہوا ہو تو اس کی اعانت مذہب کی رو سے ہر مسلمان پر فرض ہے۔ یہ دلیلیں اور ...

ہندوستان کے چوٹی کے علما میں سے تھے۔ مولانا محمد علی شوکت علی وحسرت موہانی ان کے مرید تھے اور ان پر مولانا کا بڑا اثر تھا۔ مہاتما گاندھی تحریک ترک موالات کے زمانے میں مولانا سے بہت قریبی اثر لینے والا تعلق رکھتے تھے۔ ان کی شرکت اور اس تقریر سے لیگ کے اجلاس کی اہمیت بہت بڑھ گئی۔

اہم مسائل وقت

بیت المقدس اور نجف اشرف وغیرہ مقامات مقدسہ پر انگریزی فوجوں کے قبضے کے خلاف پُر زور احتجاج کیا گیا اس پر زور دیا گیا کہ خلافت کے بارے میں فیصلہ کرنے کا حق صرف مسلمانوں کو ہے۔ انگلستان کی حکومت سے درخواست کی گئی کہ صلح کانفرنس میں مقامات مقدسہ کی حفاظت کا خیال رکھا جائے۔ ہندوستان میں عوام کی نمائندہ حکومت کے قیام پر اصرار کیا گیا۔ نظربندوں کو جنگ ختم ہوجانے کے باوجود رہا نہ کرنے پر احتجاج کیا گیا۔ علی برادران پر تحقیقاتی کمیٹی نے جو الزامات لگائے تھے وہ بہت غیر واضح تھے۔ اس بنا پر نظربندی جاری رہنے پر سختی سے صدائے احتجاج بلند کی گئی۔ پریس ایکٹ (قانون مطابع)، آرمز ایکٹ (قانون اسلحہ)، ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ (قانون تحفظ ہند) کی منسوخی کا مطالبہ کیا گیا۔ رولٹ کمیٹی کی رپورٹ کی مذمت کی گئی۔ گورنمنٹ سے درخواست کی گئی کہ محکمۂ تحقیقات جرائم کے کام کی تحقیقات کے لئے شاہی کونسل کا ایک کمیشن مقرر کیا جائے۔ صلح کانفرنس میں گورنمنٹ نے ہندوستانیوں کا ایک نمائندہ بھیجدیا تھا۔ اس پر لیگ نے اظہار طمانیت کیا مگر اس اصول نامزدگی پر اعتراض کیا جس پر ہندوستان کے سلسلے میں عمل کیا گیا تھا۔ یہ رائے ظاہر کی گئی کہ آل انڈیا مسلم لیگ ہی کو جو ہندوستان کے مسلمانوں کی نمائندہ سیاسی جماعت ہے، یہ حق دیا جائے کہ وہ اس ملک کے مسلمانوں کی نمائندگی کے لئے اپنے ممبر خود منتخب کرے۔ اجلاس نے مسلم لیگ کی کونسل کو اختیار دیا کہ وہ اصلاحات کے سلسلے میں ایک وفد انگلستان بھیجے۔ مولانا حسرت موہانی کو پیشرو ممبر منتخب کیا گیا اور ان سے درخواست کی گئی کہ وہ فوراً انگلستان روانہ ہوجائیں

خلافت اور مقامات مقدسہ وغیرہ کے متعلق جو تجویزیں منظور ہوئیں تھیں ان کی نقل وزیر ہند، وائسرائے اور چیف کمشنر دہلی کو بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا۔ حضرات علماء سے درخواست کی گئی کہ وہ لیگ کے ممبر بن جائیں۔ جامع مسجد دہلی کے بارے میں بھی ایک تجویز منظور ہوئی

جامع مسجد دہلی کا معاملہ

"آل انڈیا مسلم لیگ گورنمنٹ سے التجا کرتی ہے کہ جو قیود مسلمانوں کے لئے جامع مسجد دہلی کے استعمال کے بارے میں از روئے حکم منعقدہ مابعد ۱۸۵۷ء عائد ہیں ان کو مسترد کیا جائے چونکہ وہ حکم حق استعمال مسجد بطور جائے عبادت کے حصول کے منافی ہوتا ہے۔"

حافظ عبدالعزیز وکیل نے کہا "جامع مسجد میں مسلمانوں کو عبادت کی ممانعت نہیں ہے۔" قاضی عبدالغفار نے کہا "دربار کے موقع پر جامع مسجد ۲۴ گھنٹہ بند رہی تھی۔" صدر نے کہا "گو نماز کی ممانعت نہیں ہے۔ لیکن لوگوں کو دقت ضرور ہوتی ہے، اور ان لفظوں میں تجویز منظور ہو جانے میں کچھ حرج نہیں ہے۔"

ایک آواز آئی "بیوقوف لوگوں کو بنانا ہے۔" حافظ عبدالعزیز نے کہا "مناسب ہے کہ جو شکایت ہم کو ہے اس کو پیش کیا جائے۔" صدر نے ان سے کہا "آپ منظور فرمالیں آخر اس میں حرج کیا ہے۔" حافظ عبدالعزیز نے کہا "اچھا آپ ووٹ لے لیں۔" ایک آواز آئی "ووٹ نہیں لیں۔" حافظ عبدالعزیز نے کہا "اطمینان ہو جانا چاہیئے۔" صدر نے کہا "قانوناً جو تجویز کرسی صدارت سے پیش ہوتی ہے اس پر بحث نہیں ہوتی۔ اگر آپ تکرار کرینگے تو مجھ کو مجبوراً ووٹ لینے پڑیں گے۔" اس موقع پر قاضی عبدالغفار نے پھر کہا "معترضین حضرات سے یہ عرض ہے کہ مسلمانان دہلی کو جو شکایات جامع مسجد یا اس کی کمیٹی کے خلاف ہیں ان کو رفع کرنا مقصود ہے اس لئے ہر مسلمان اسوقت جواب دے کہ آیا گورنمنٹ کی مقرر کردہ موجودہ کمیٹی کو وہ پسند کرتا ہے یا وہ اپنے مذہبی عقائد پر خیال کر کے جامع مسجد کو اپنی مقرر کردہ کمیٹی کے ماتحت رکھنا پسند کرتا ہے۔" حافظ عبدالعزیز نے کہا "میں اس کا جواب دونگا۔" آواز آئی "شرم"

صدر نے جھگڑا ختم کرتے ہوئے کہا "نہیں - میں امید کرتا ہوں کہ آپ اس تجویز کو منظور فرمائیں گے" آوازیں آنے لگیں "منظور ہے منظور ہے"

صوبوں کو فوراً خود اختیار حکومت؟

مسٹر سید حسن کی اس تجویز پر کہ ملک کو فوراً صوبجاتی خود اختیاری دیدی جائے اور چھ سال کی جو شرط لیگ اور لکھنؤ کے اجلاس لکھنؤ میں عائد کی گئی تھی اسے منسوخ سمجھا جائے، کافی طویل بحث ہوئی - مولوی ابو القاسم صاحب نے ترمیم پیش کی - مولوی محمد یعقوب مرادآبادی نے ترمیم کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ صوبجاتی خود اختیاری مانگنے سے پہلے ہندوؤں اور مسلمانوں کو باہمی سمجھوتہ کر کے مسلمانوں کے حقوق کا تصفیہ کر لینا چاہیے کیونکہ ۱۹۱۶ء کا سمجھوتہ جو کامل آزاد حکومت کے لحاظ سے نہیں کیا گیا تھا مکمل صوبجاتی خود اختیاری ملنے کی صورت میں مسلمانوں کے لئے ناکافی ہے - نواب ذو القدر جنگ نے کہا کہ یہ مسئلہ مذہبی نہیں ہے کہ اسے مذہبی جوش میں رنگا جائے بلکہ ایک سیاسی مسئلہ ہے - عبد السلام صاحب نے کہا کہ پہلے چھ سال تک ہم برادران وطن کے طرز عمل کو دیکھ لیں - اگر وہ اچھا رہا تو کل ہم خود اختیار حکومت کی تجویز منظور کر سکتے ہیں - جینا صاحب نے خود اختیار حکومت کا تاریخی پس منظر دکھانے کے بعد مسلمانوں کو احتیاط سے کام لینے کا مشورہ دیا اور یہ کہا کہ اگر اس تجویز سے مسلمانوں کو نقصان پہنچا تو اس کے ذمہ دار وہ لوگ ہوں گے جو ملکی مصلحتوں کا لحاظ رکھے بغیر اسے منظور کرانا چاہتے ہیں - ابھی ہم کو تجربہ کی ضرورت ہے۔

مگر مسیح الملک حکیم اجمل خاں، مولانا حسرت موہانی، ڈاکٹر کچلو، عبد الرحمٰن صدیقی اور آنریبل مولوی فضل الحق تجویز کے حامی تھے - مسیح الملک نے ترمیم کے خلاف تقریر کرتے ہوئے کہا "میں نہیں سمجھ سکتا کہ اگر آپ اس وقت سیلف گورنمنٹ لے لیں تو اس میں کیا حرج ہے اور چھ برس کا تجربہ آپ کو کیا فائدہ پہنچائیگا - آپ کانگریس سے اتنے عرصے علیحدہ رہے تو کیا فائدہ اٹھایا؟ آپ کی قوم پستی کی انتہا ہی

کانگریس سے پیچھے اور علیحدہ رہنا سوائے نقصان کے اور کچھ نتیجہ نہ دیگا۔ جو نسبت آپ کے سامنے ہندو مسلمانوں کی بیان کی گئی ہے اس نسبت سے آپ عمر بھر کسی قسم کی ترقی نہیں کر سکتے۔ جب آپ قدم بڑھائیں گے تو آپ کو یہ کہکر روک دیا جائیگا کہ آپ کے ووٹ کم ہیں۔ ہندو اگر کسی جگہ زیادتی کرتے ہیں تو ایسے ہندو قابل ملامت ہیں لیکن تمام ہندوؤں سے نفرت نہیں کرنی چاہیئے۔ ایسے واقعات سے متاثر ہو کر مسلمانوں کی ترقی کو روکنا سراسر ظلم ہے۔"

عبدالرحمٰن صدیقی صاحب نے کہا "اگر ٹھوکر ہی کھانی ہے تو مجھے کالی ٹھوکر پسند ہے۔ بیان کیا گیا ہے کہ سات اور تین کا تناسب ہے۔ اول تو یہ صحیح نہیں ہے۔ اور اگر مان بھی لیں تو ہم سے وعدے کیئے گئے ہیں کہ ۳/۴ مسلمان جس تجویز کی مخالفت کرینگے وہ منظور نہ کیجائے گی"۔ ایک آواز آئی۔ "یہ غلط ہے" مولانا حسرت موہانی نے بھی تجویز کی تائید کی۔ ڈاکٹر کچلو نے کہا "کون شخص مسلمان قوم سے یہ توقع رکھ سکتا ہے کہ وہ آزادی اور حریت کو مسترد کر دیں گے" مسٹر سید حسن نے جوابی تقریر میں کہا "اسلام کے اصول میں بزدلی اور پستی کوئی شے نہیں ہے۔ مسلمانوں کو بزدل ہو کر ہندوستان میں نہیں رہنا۔ ہندوستان میں ہندو زیادہ ہوں۔ وہ زیادہ اہمیت رکھتے ہوں۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ ہم حکومت لینے سے انکار کر دیں۔ اگر ہم بزدل نہیں ہیں تو ہم کو ہندوؤں کا خوف دلوں سے نکالدینا چاہیئے۔ میں کہتا ہوں کہ ہم ہندوستان میں عزت اور آزادی کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو ہمکو چاہیئے کہ ہندو بھائیوں کے ساتھ مل کر رہیں۔ میرے خیال میں یہ نہایت شرم انگیز خیال ہے کہ ہم ہندوؤں سے دب جائیں گے۔ یہ بہت لچر اور پوچ خیال ہے۔ آپ کو اس کی تردید کرنی چاہیئے۔"

ترمیم کے حق میں صرف گیارہ رائیں آئیں۔ تجویز بھاری اکثریت سے منظور ہوئی اس اجلاس میں مہاراجہ صاحب بہادر آف محمود آباد دوبارہ مستقل صدر اور سید وزیر حسن صاحب دوبارہ سیکرٹری مقرر ہوئے۔ مسٹر محمد علی جناح سر ابراہیم رحمتہ اللہ کے استعفیٰ

دیدینے پر لیگ کے وائس پریذیڈنٹ منتخب ہو گئے۔ نئے قواعد ضوابط کے مسودے پر غور کرنے کے لئے علیگڈھ میں ایک اور جلسہ منعقد کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

ہندو مسلم فساد کٹار پور

۱۹۱۸ء میں ہندو مسلم اتحاد کی فضا پیدا ہو چکی تھی۔ مگر بقر عید کے موقعہ پر کٹار پور میں فساد ہو کر ہی رہا۔ ہندؤوں کو گئے کی قربانی پر اعتراض تھا۔ کٹار پور ہر دوار کے قریب ایک مقام ہے۔ وہاں ہندو مسلمانوں کی بہ نسبت بہت زیادہ تعداد میں آباد تھے، وہ اقلیت کے ساتھ وحشیانہ سلوک پر اتر آئے مسلمانوں میں اس سے شدید ناراضگی پھیلی۔ رنج اس بات کا تھا کہ ہندو مسلم اتحاد کی فضا قائم ہو چکنے کے بعد بھی ہندوؤں کا ایک طبقہ برابر مسلمانوں کو دبانے اور تعصب کی تلوار سے ان کے حقوق کا گلا کاٹنے پر کمر بستہ ہے۔ ۳۰ ر دسمبر کو لیگ کے سالانہ اجلاس سے دو گھنٹہ پہلے علما کا جو جلسہ مسجد فتحپوری دہلی میں ہوا تھا اس میں کٹار پور کے ہولناک موقعہ پر ہندوؤں کی طرف سے مسلمانوں پر کئے گئے بیحد ظلم و تشدد پر دلی نفرت اور رنج اور افسوس کا اظہار کیا گیا تھا اور حکومت سے درخواست کی گئی تھی کہ اس واقعہ کی اور اسکے اسباب کی پوری تحقیقات کر کے ظالم و تشدد کی قرار واقعی سزائیں دے تاکہ آئندہ اس قسم کے ہولناک مظالم کی جرأت نہ ہو سکے۔ ڈاکٹر مختار احمد انصاری نے اجلاس مسلم لیگ کے خطبۂ استقبالیہ میں جو بعد کو ضبط ہو گیا فسادات کٹار پور پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا تھا کہ اس قسم کے واقعات "باہمی اتحاد پر تیشہ چلاتے ہیں" اور ہندوؤں سے درخواست کی تھی کہ وہ ایسی مناسب تدابیر اختیار کریں کہ آئندہ اس قسم کے واقعات کا سدباب ہو جائے

لیگ کا اظہار تشویش

سید آل نبی صاحب نے لیگ کے اجلاس میں ایک تجویز منظور کرائی کہ کٹار پور کے ہندو نے وہاں کے بیگناہ مسلمانوں کے ساتھ جو وحشیانہ برتاؤ کیا ہے اسے مسلم لیگ نہایت تشویش سے دیکھتی ہے اور ہندو قوم کے لیڈروں سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ اس قسم کے موثر ذریعے اختیار کریں کہ آئندہ اس قسم کے واقعات پیش نہ آسکیں۔ مولوی محمد یعقوب نے تائید کرتے ہوئے کہا کہ مذہبی

فرائض میں رکاوٹ پیدا کرنے کی ناپاک کوشش کی گئی اور بلا اشتعال اور بلا وجہ ناعاقبت اندیشانہ افعال کئے گئے۔ اگر ہم کو سیلف گورنمنٹ حاصل کرنی ہے تو ہم کو جاننا چاہئے کہ یہ باتیں اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتیں جب تک ایک دوسرے کی طرف سے مذہبی مداخلت اور طاقتور قوم کی طرف سے کمزور قوم پر ظلم ہوتا رہیگا جیسا کہ کٹارپور میں ہوا ہے

فساد کلکتہ ۱۹۱۸ء کا دوسرا فساد کلکتہ کا تھا اس میں مسلمان حکومت کے شکار بنے ۲۷ جولائی ۱۹۱۸ء کو "انڈین ڈیلی نیوز" میں ایک مضمون نکلا جس کے ایک فقرے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کا اس طرح ذکر کیا گیا تھا جس سے روضۂ مبارک کی توہین ہوتی تھی۔ بنگال کی مسلم لیگ نے اس مضمون کی مذمت میں ایک تجویز منظور کی اور سکرٹری لیگ نے اخبار مذکور کے ایڈیٹر کو لکھا کہ وہ معذرت شائع کرے۔ مگر نہ تو بنگال گورنمنٹ نے لیگ کے اعتراض پر کوئی توجہ کی اور نہ ایڈیٹر نے پرواہ کی، اس پر مسلمانان کلکتہ نے علمائے اسلام کا ایک نمائندہ جلسہ منعقد کرنے کا فیصلہ کیا۔ جلسے کی تاریخیں ۸، ۹، اور ۱۰ دسمبر تھیں۔ ۴ دسمبر کو حکومت نے ایک اعلان نکال کر جلسے کے انعقاد کی ممانعت کر دی۔ مسلمانوں میں جوش پھیل گیا اور انہوں نے گورنمنٹ کے حکم کی خلاف ورزی کا تہیہ کر لیا۔ ۷ دسمبر کو ذمہ دار حکام نے مولوی فضل الحق سے کہا کہ جلسہ نہ کیا جائے بلکہ مسلمانوں کا ایک وفد گورنر بنگال سے ملاقات کر لے۔ جلسہ نہیں ہوا۔ مگر حکام کی طرف سے ملاقات کو دوسرے دن پر ٹال دیا گیا۔ مسلمان گورنمنٹ ہاؤس کے آگے جمع ہو گئے۔ وہ گورنر اور وفد کی ملاقات کا نتیجہ معلوم کرنا چاہتے تھے۔ پولیس نے ان پر گولی چلائی۔ فساد شروع ہو گیا۔ پولیس نے مسلمانوں پر بڑی زیادتیاں کیں۔ آنریبل مولوی ابوالقاسم نے لیگ میں ایک زبردست تجویز پیش کی۔ مولوی یعقوب اور ڈاکٹر کچلو نے تفصیل سے واقعات بتائے اور حکومت کے رویئے پر زبردست احتجاج کیا گیا۔

باب ۱۷

ہنگامہ خیز سنہ ۱۹۱۹ء

سنہ ۱۹۱۹ء کے آغاز ہی سے ہنگامہ پرور واقعات کا سلسلہ شروع ہوگیا جنہوں نے ہندوستان اور مسلمان دونوں میں ہیجینی پھیلادی۔ اس دور میں ہندو مسلمان میدان سیاست میں بالکل متحد تھے۔ اس لئے ہندوستان اور عالم اسلام کے واقعات کو ایک دوسرے سے جدا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ انہیں تاریخوں کے لحاظ سے سلسلہ وار بیان کردینا چاہیئے۔ ہندوستان اور مسلم لیگ دونوں کی تاریخ سلجھ کر سمجھ میں آجائیگی۔

مسلمانوں کے سامنے اہم ترین مسائل خلافت کا مستقبل اور ہندوستان کے لئے خود اختیار حکومت کا حصول تھے۔ مسلم لیگ ان کی نمائندہ سیاسی جماعت تھی جس نے اپنے اجلاس دہلی سنہ ۱۹۱۸ء میں مسلمانان ہند کے جذبات و احساسات کی آزادی اور بے خوفی سے ترجمانی کردی تھی۔ جو تجویزیں اس اجلاس میں منظور ہوئی تھیں ان کی نقلیں بحری تاروں کی شکل میں وزیر اعظم انگلستان اور وزیر ہند کو بھیجدی گئی تھیں

وزیر ہند کا اہم اعلان

فروری سنہ ۱۹۱۹ء میں وزیر ہند نے ان تجویزوں کے جواب میں ایک اعلان شائع کرایا کہ خلافت کے مسئلے کا تصفیہ بے شک صرف مسلمان ہی کرسکتے ہیں مگر میں یہ ماننے سے انکار کرتا ہوں کہ برطانیہ نے ان وعدوں کی خلاف ورزی کی ہے جو مقامات مقدسہ کے بارے میں مسلمانان ہند

سے کئے گئے تھے۔ ملک معظم کی حکومت صلح کانفرنس میں پیش ہونے والے مسائل کے بارے میں اہل ہند واہل اسلام کے جذبات سے کماحقہٗ واقف ہے۔ اس بات کا اطمینان رکھنا چاہئے کہ ان کا لحاظ کیا جائیگا۔ اعلان کیا گیا تھا کہ مقامات مقدسہ برطانوی بحری وبرّی افواج کے حملوں یا چھیڑ چھاڑ سے بچے رہیں گے اور ہندوستان سے ان مقامات کو جانے والے حاجیوں اور زائرین سے کوئی تعرض نہ کیا جائیگا۔ اس وعدے کا لفظی ومعنوی طور پر اس وقت بھی لحاظ کیا گیا جبکہ برطانوی فوجیں ان علاقوں پر قابض تھیں جن میں مقامات مقدسہ واقع ہیں۔ اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ جتنے عرصے تک ان علاقوں پر انگریزی قبضہ رہے اس وقت تک ان مقامات کے تقدس کا نہایت سختی سے احترام کیا جائے۔ لیگ کونسل نے اس بیان پر یہہ اعتراض کیا کہ وعدے پورے ہونے کا جو مفہوم بتایا گیا ہے وہ درست نہیں ہے۔ ایک عرضداشت وزیر اعظم کو بھیجی گئی۔ مگر اس کا کوئی جواب نہ آیا۔ صلح کانفرنس جس میں مسلمانان ہند کا کوئی نمائندہ نہیں تھا نومبر ۱۹۱۸ء سے کام کر رہی تھی۔ انگلستان کے بعض حلقے اسے یہ مشورہ دینے لگے کہ قسطنطنیہ کو چھین کر بین الاقوامی نگرانی کے ماتحت کر دیا جائے اس سے مسلمانوں میں بےچینی پھیل گئی۔ قسطنطنیہ ایک اہم اسلامی شہر اور ترکی کا دارالخلافہ تھا۔ اس میں قدم قدم پر مذہبی یادگاریں اور آثار تھے۔ اس کی آبادی بھی زیادہ تر ترک تھی۔ ترکوں سے قسطنطنیہ چھین لینے کے یہ معنی تھے کہ ان کی حکومت ختم کی جا رہی ہے۔ انگلستان میں رہنے والے مسلمانوں نے وزیر خارجہ برطانیہ مسٹر بالفور کو ایک مراسلہ بھیجا۔ اس پر سر آغا خاں، سید امیر علی، عبد اللہ یوسف علی خواجہ کمال الدین اور مشیر حسین قدوائی وغیرہ کے دستخط تھے۔ مگر اس بےچینی کے باوجود مسلمان پُرامن تھے۔

رولٹ بل ۱۹ جنوری کو رولٹ کمیٹی نے اپنی رپورٹ پیش کی۔ ۶ فروری کو اس رپورٹ کی بنا پر دو سرکاری مسودے لیجسلیٹو کونسل میں پیش ہوئے

ان میں سے دوسرا ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کی میعاد ختم ہونے کے بعد عارضی استعمال کے لئے تھا۔ اس سے ان علاقوں میں جہاں باغیانہ افعال اور جرائم سرزد ہونے کا شبہ ہو، ہائیکورٹ کے تین ججوں کی ایک عدالت بنانے اور اس عدالت کو مقدمات سازش کی سماعت کا حق دیا گیا تھا۔ اس کے فیصلوں کی اپیل ناممکن تھی۔ مشکوک اور مشتبہ اشخاص سے بھی ضمانت طلب کی جا سکتی تھی۔ انھیں کسی خاص جگہ پر مقیم رہنے اور کسی خاص کام سے باز رہنے کی ہدایت ہو سکتی تھی۔ ایک جج اور ایک غیر سرکاری آدمی کی ایک کمیٹی بھی بنائی جا سکتی تھی۔ اس کا کام ان حالات اور ثبوتوں پر غور کرنا تھا جن کی بنا پر کسی شخص کے خلاف اس قسم کے احکامات جاری کئے جا سکتے تھے۔ صوبائی حکومتیں ان لوگوں کو نظر بند کر سکتی تھیں جن کی سرگرمیوں کے بارے میں انہیں یہ یقین ہو کہ امن عامہ کے لئے خطرناک ہیں۔ جو لوگ پہلے سے نظر بند تھے انہیں اس بل کی رو سے مزید عرصے تک نظر بند رکھا جا سکتا تھا۔ پہلے بل میں یہ تھا کہ وہ شخص قابل تعزیر ہے جو تقسیم یا شائع کرنے کے خیال سے کوئی باغیانہ مسودہ اپنے پاس رکھے۔ اگر کوئی ملزم سرکاری گواہ بننا چاہے تو اس کے لئے معافی کا انعام رکھا گیا تھا۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹوں کو کسی خاص جرم کے بارے میں، جس کی سماعت لوکل گورنمنٹ کی منظوری کے بغیر نہ ہو سکتی تھی، ابتدائی تحقیقات کے لئے پولیس کو حکم دینے کا اختیار مل گیا تھا۔ حکومت کے خلاف بغاوت کے جرم میں سزا یافتہ لوگوں سے مدت سزا ختم ہونے کے بعد بھی نیک چلنی کی ضمانت طلب کی جا سکتی تھی۔

گاندھی جی میدان میں

ابھی رولٹ بلوں کے مسودے پیش ہی ہوئے تھے کہ ملک میں ہلچل مچ گئی۔ کیا یہی ان قربانیوں کا پھل ہے جو ہندوستانی جنگ عظیم میں کر چکے ہیں؟ کیا فلینڈرز کے میدان پر خون کا دریا بہا کر جرمن فوج کو اس میں غرق کرنے کا صلہ یہی ہے؟ ۲۴ فروری کو گاندھی جی نے اعلان کیا کہ اگر یہ بل منظور کئے گئے تو وہ عدم تعاون کی تحریک شروع کر دیں گے۔ اس وقت

گاندھی جی اپنی بےغرض خدمات اور اونچے نصب العین کے لئے ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں میں یکساں مقبول اور عزیز تھے۔ انھیں ایک روحانی رہبر سمجھا جاتا تھا اور ہندوستانیوں کے دلوں میں بلا تمیز مذہب و ملّت ان کے لئے احترام تھا۔ جنوبی افریقہ میں ہندوستانیوں کے حقوق حاصل کرنے میں انہوں نے حکومت برطانیہ پر عدم تشدد سے جو فتح حاصل کی تھی اس نے انہیں سب کی نظروں میں ایک اونچا انسان بنا دیا تھا۔ اس وقت وہ احمد آباد میں رہتے تھے اور مختلف قسم کے معاشرتی اصلاح کے کام کیا کرتے تھے۔ اب انہوں نے رولٹ بلوں کے خلاف وہی عدم تعاون یا ستیہ گرہ کا ہتھیار استعمال کرنے کا فیصلہ کیا جس سے وہ افریقہ میں ایک معرکہ سر کر چکے تھے کیونکہ ان کی رائے میں ایسا کرنا ان کا فرض تھا۔ اس اعلان سے حکومت اور اعتدال پسند طبقے چونکتے تو ضرور ہوئے مگر حکومت نے اسکے خلاف کوئی قدم اٹھانے کی ضرورت نہ سمجھی کیونکہ اعلان میں کوئی ایسی بات نہ تھی جس سے حکومت خائف ہو سکے۔

صلح کانفرنس میں ترکوں کی قسمت کا فیصلہ

صلح کانفرنس میں سلطنت ترکی کے مقبوضات آرمینیا وغیرہ کے متعلق یہ سوچا جانے لگا کہ کسی اتحادی سلطنت کی سیادت میں انھیں خود اختیار حکومت دیدی جائے۔ مسلمانوں نے ان علاقوں میں حکومت خود اختیاری کے قیام کا تو خیر مقدم کیا لیکن انھوں نے ان علاقوں کے قطعی طور پر ترکی سلطنت سے جدا کر دیئے جانے کے خلاف احتجاج کیا صلح کانفرنس میں یہ بھی زیر غور تھا کہ فلسطین میں یہودیوں کی حکومت قائم کر دی جائے۔ انگلستان میں رہنے والے مسلمانوں سر آغا خاں اور سید امیر علی وغیرہ نے ۳ مارچ کو وزیر خارجہ برطانیہ کو ایک یادداشت بھیجی اور اس میں یہ ظاہر کیا کہ اگر مجلس صلح نے اس صوبے میں حکومت خود اختیاری قائم کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے تو حکومت خواہ کسی قسم کی بھی رکھی جائے مسلمانان عالم اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اسے مسلمان فرمانروا کے

ماتحت رکھا جائے۔ صرف بیت المقدس ہی مذہب اسلام اور اسلامی روایات سے گہرا تعلق نہیں رکھتا بلکہ ۱۳ سو سال سے یہ ساری سرزمین مذہب اسلام کی یادگاروں سے معمور ہے۔ اسے یہودی سلطنت بنا کر کسی یہودی حکمراں کے ماتحت کر دینے سے مسلمانوں کے جذبات کو سخت صدمہ پہنچیگا۔ وہاں یہودی مجموعی آبادی کا صرف ساتواں حصہ ہیں۔ آرمینیا کے واسطے نئی حکومت ترتیب دیتے وقت مسلمانوں کی اس کثیر آبادی کا لحاظ رکھا جائے جو بہت سے اضلاع میں اکثریت رکھتی ہے اور ان کو ایذا رسانی سے بچایا جائے۔ مگر ان الفاظ سے مسلمانوں کے اس غم و غصہ کا مکمل اظہار ممکن نہیں جو اس وقت مسلمانوں کے دلوں میں موجود تھا۔ حکومت برطانیہ کی ریشہ دوانیوں سے انکے سینوں میں بیچینی کی آگ بھڑک اٹھی تھی۔

صدر و سکرٹری مسلم لیگ کے استعفے

اب مسلمان اعتدال پسندی کو چھوڑ کر انتہا پسندی کی طرف جا رہے تھے۔ ۲۸ فروری کو لیگ کے مستقل صدر مہاراجہ محمود آباد اور اعزازی سکرٹری سید وزیر حسن نے اپنے اپنے استعفے کارکنان لیگ کے پاس بھیجدیئے۔ یہ استعفے لیگ کونسل کے اس جلسے میں پیش کئے گئے جو ۹ مارچ کو منعقد ہوا۔ لیکن اس جلسے میں ان استعفوں پر غور کرنے کے مسئلہ کو اس وجہ سے ملتوی کر دیا گیا کہ ایک مرتبہ پھر اس کی کوشش کی جائیگی کہ یہ دونوں حضرات اپنے استعفے واپس لے لیں۔ ۳ مارچ کو لیگ کونسل کا دوسرا جلسہ ہوا۔ یہ بات ظاہر ہو چکی تھی کہ مذکورہ بالا استعفوں میں سے کوئی استعفا واپس نہیں لیا جائیگا۔ مسلم لیگ کا ایک ملتوی شدہ عام جلسہ سالانہ اجلاس دہلی کی ایک تجویز کے بموجب ۱۹ اور ۲۰ اپریل کو علیگڈھ میں ہونے والا تھا۔ استعفوں کی منظوری کے مسئلے کو اس عام جلسے میں پیش کرنا مناسب سمجھا گیا۔ اور اس دوران میں کام چلانے کے لئے کونسل نے حاجی محمد موسے خاں رئیس علیگڈھ جوائنٹ سکرٹری سے عارضی طور پر آنریری سکرٹری کی جگہ کام کرنے کی درخواست

کی۔ لیکن جو جلسہ علیگڑھ میں ہونے والا تھا وہ کورم کے پورا نہ ہونے کی وجہ سے منعقد ہی نہ ہوا اس پر لیگ کونسل نے آنریبل مسٹر ابوالقاسم فضل الحق پلیڈر کلکتہ کو صدر، سید ظہور احمد بی اے ایل، ایل بی الہ آباد کو آنریری سکرٹری اور خلیق الزماں بی، اے، ایل، ایل بی (لکھنو) کو آنریری جوائنٹ سکرٹری بناکر عہدوں کو اس وقت تک کے لئے پُر کر دیا جب سالانہ اجلاس لیگ ۱۹۱۹ء قواعد ضوابط میں ترمیم ہونے کے بعد تازہ انتخابات کرے۔

لیگ کے قواعد ضوابط میں ترمیم کا سوال ۱۹۱۷ء سے درپیش تھا۔ مارچ ۱۹۱۸ء میں اس کمیٹی نے اپنی رپورٹ پیش کردی تھی جو ۱۹۱۷ء کے اجلاس میں اس کام کے لئے مقرر کیگئی تھی۔ کونسل نے اس رپورٹ کو منظور کرلیا تھا اور امید تھی کہ سالانہ اجلاس ۱۹۱۸ء میں ترمیم شدہ قواعد ضوابط منظور کرلئے جائینگے۔ مگر اجلاس کا تمام وقت دیگر اہم مسائل کی نذر ہوگیا۔ اور یہ طے ہوا کہ ایک اور ملتوی شدہ جلسے میں، جو علیگڑھ میں ۱۹ر اور ۲۰ اپریل ۱۹۱۹ء کو ہو قواعد ضوابط پر غور کیا جائے۔ یہ وہی جلسہ تھا جس کا اوپر ذکر ہوا ہے اور جو کورم پورا نہ ہونے کی وجہ سے منعقد نہ ہوسکا۔ مارچ کے تیسرے ہفتہ میں رولٹ بل منظور ہوکر رولٹ ایکٹ بن گیا گو ہندوستانی ممبران کونسل مخالفت کرتے رہ گئے۔ گاندھی جی نے تحریک شروع کردی۔ اعلان کیا گیا کہ ۳۰ر مارچ کو سارے ہندوستان میں ہڑتال ہوگی پھر یہ تاریخ ۶ر اپریل تک کے لئے ملتوی ہوگئی۔ مگر التوا کا اعلان صحیح طریق پر نہ ہونے کی وجہ سے دہلی میں ۳۰ر تاریخ ہی کو ہڑتال ہوئی۔ کچھ لوگ ریلوے اسٹیشن پر دکان داروں کو دکانیں بند کرنے کی ترغیب دینے گئے۔ ذمہ دار افسروں نے ان میں سے دو تین آدمیوں کو گرفتار کرلیا۔ مجمع نے گرفتار شدہ آدمیوں کی رہائی کا مطالبہ کیا ان کی ضمانت کا بھی انتظام ہوگیا مگر افسران نے گرفتار شدگان کو نہ چھوڑا تو مجمع اسٹیشن کے اندر گھس گیا۔ آدمی تقریباً آٹھ سو تھے۔ فوج اور پولیس کے سپاہی تقریباً تین سو تھے۔ ذمہ دار افسروں نے مجمع پر گولی چلوادی۔ اس سے بہت سے آدمی ہلاک اور زخمی ہوئے۔ ۶ر اپریل کو تمام ہندوستان میں زبردست ہڑتال ہوئی، جلوس نکلے اور حکومت کے خلاف شاندار اور موثر مظاہرے

کئے گئے۔ ان تمام کارروائیوں میں ہندو مسلمان ایک دوسرے کے شریک حال تھے اس غیر معمولی اتحاد نے پُرجوش اور دلچسپ نظاروں میں جان ڈال دی۔ شاندار مشترکہ سیاسی پلیٹ فارم کی اوٹ سے ہندوستان کے قومی عروج کا آفتاب طلوع ہوتا دکھائی دینے لگا تھا۔ جوش اتحاد میں سب جماعتیں اپنے اپنے اختلافات بھول گئیں۔ ہندوؤں نے مسلمانوں کے ہاتھوں سے شربت کے گلاس پیئے اور مسلمانوں نے ہندوؤں کے ہاتھوں سے۔ جلوسوں میں نعرے لگتے تھے "ہندو مسلم بھائی بھائی"۔ مسلمانوں نے رواداری اور ہندو دوستی کا ثبوت دیتے ہوئے پیشانیوں پر قشقے لگائے اور ہندو لیڈروں کو اپنی مسجدوں میں منبروں پر کھڑے ہو کر تقریریں کرنے کی اجازت دی

دہلی میں جو گولی چلی تھی وہ ہلاکت کی اس آندھی کا صرف ایک جھونکا تھا جو عنقریب پنجاب میں چلنے والی تھی۔ صوبے کے لفٹننٹ گورنر نے ایک تقریر میں کہا کہ جو لوگ رولٹ ایکٹ کی مخالفت کریںگے ان کے خلاف سخت کارروائی کی جائیگی امرتسر والوں نے کانگریس اور مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس اپنے ہاں مدعو کر رکھے تھے۔ ڈاکٹر کچلو اور ڈاکٹر ستیہ پال تیاریاں کر رہے تھے۔ حکومت پنجاب لیگ اور کانگریس کے اجلاس پنجاب میں منعقد کرنے کے سخت خلاف تھی۔ ۳ر اور ۵ر اپریل ۱۹۱۹ء کو ڈاکٹر کچلو، ڈاکٹر ستیہ پال اور حافظ محمد بشیر کی زبان بندی کے احکام جاری ہو گئے۔ ۱۰ر اپریل کی صبح کو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے ان تینوں کو اپنے مکان پر بلوایا اور کسی نامعلوم مقام پر بھیج دیا، جونہی یہ خبر عام ہوئی سارے شہر میں مکمل ہڑتال ہو گئی لوگ ہزاروں کی تعداد میں ایک جگہ اکٹھے ہو گئے اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے بنگلے کا رخ کیا۔ وہ حاکم ضلع سے دونوں لیڈروں کی رہائی کی درخواست کرنی چاہتے تھے جب مجمع ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے بنگلے کی طرف بڑھ رہا تھا اس کے راستے میں فوجی دستوں کو حائل کر دیا گیا جنہوں نے مجمع کو زبردستی آگے بڑھنے سے روک کر پیچھے کی طرف دھکیلا۔ اس وقت مجمع نے فوج پر اینٹیں اور پتھر برسائے۔ فوج نے گولیاں برسانی شروع کر دیں۔ کئی آدمی ہلاک اور کئی زخمی ہو گئے

ہجوم نے زخمیوں اور مردوں کا جلوس بنایا اور شہر کی طرف چلا۔ اس نے نیشنل بینک کو آگ لگائی اور اس کے انگریز منیجر کو قتل کر دیا۔ پانچ دیگر انگریز بھی قتل ہوئے۔ ریلوے کے گڈز شیڈ کو نذر آتش کر دیا گیا۔ دہلی میں گولی چلنے اور پنجاب کی شورش کی خبر پا کر گاندھی جی دہلی کی طرف روانہ ہوئے۔ مگر راستے میں انہیں روک کر نوٹس دیا گیا کہ وہ پنجاب اور دہلی میں داخل نہیں ہو سکتے۔ گاندھی جی نے اس حکم کی خلاف ورزی کی لفٹنٹ گورنر پنجاب کے حکم سے گرفتار کر کے انہیں بمبئی کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ لاہور میں گاندھی جی کی گرفتاری کی خبر سے بےچینی پھیل گئی۔ لوگ ہزاروں کی تعداد میں جمع ہو گئے فوج نے مجمع کو ٹھنڈی سڑک پر روک لیا اور اس پر گولی چلائی۔ ۱۲ اپریل کو لاہور کے ہندوؤں اور مسلمانوں نے اس سانحے پر اظہار افسوس کیلئے شاہی مسجد میں ایک جلسہ کیا وہاں کسی نے سی آئی ڈی کے کسی آدمی کے کپڑے جلا دیئے۔ جب مجمع مسجد سے باہر نکلا تو اس پر گولیاں برسائی گئیں۔ مسجد بند کر دی گئی بڑے بڑے لیڈروں کو گرفتار کر کے سخت ترین سزائیں دی گئیں۔ مارشل لا نافذ کر دیا گیا، لوگوں کو بے تکلف بیدوں کی سزا دی جانے لگی۔ ذمہ دار افسر کرنیل جانسن نے حکم دیدیا کہ اگر کوئی شخص دوکان کھولنے میں مزاحم ہو تو اسے گولی سے مار دیا جائے۔ سناتن دھرم کالج کے دروازے پر جو نوٹس چسپاں کیا گیا تھا اسے کسی شخص نے پھاڑ ڈالا تھا۔ اس پر کالج اور اس کی عمارت میں رہنے والوں کو جن کی تعداد پانچسو تھی گرفتار کر کے تین میل تک گرمی میں لایا گیا اور دو روز تک روکا گیا۔ دو سے زیادہ اشخاص کو مل کر نہ چلنے کا حکم دیا گیا کرنیل نے شہر پر چار ایروپلین بھی اُڑائے، دو ہوائی جہازوں کو خاص طور پر نیچے نیچے اُڑنے کا حکم دیا گیا تاکہ اشارہ پاتے ہی وہ لاہور پر بم باری شروع کر دیں۔ قصور میں ۱۰ اپریل کی شام کو ایک احتجاجی جلسہ ہوا۔ اس میں رولٹ ایکٹ پر تقریریں کی گئیں گاندھی جی کی گرفتاری پر ہڑتال بھی کی گئی جو ۱۲ تاریخ تک جاری رہی ایک مجمع سیاہ جھنڈیاں لئے ہوئے اسٹیشن کی جانب بڑھا۔ اس نے ریلوے اسٹیشن، مال گاڑیوں،

اور پسنجر ٹرینوں پر حملہ کیا اور جو نقد روپیہ وہاں پر موجود تھا لوٹ لیا۔ ایک گاڑی روکی جس میں دو گورہ فوجی سپاہی تھے۔ ان گوروں نے مجمع پر ایک دو فائر کئے۔ مجمع نے ان پر حملہ کر کے انھیں جان سے مار ڈالا۔ ایک چھوٹا سا آئل شیڈ جلا دیا گیا۔ سگنل گرا دیئے تار کاٹ ڈالے ایک برانچ پوسٹ آفس کو لوٹ لیا۔ بڑے ڈاکخانہ کو نذر آتش کر دیا۔ منصف کی کچہری کو بھی جلا ڈالا۔ یہ سرکاری بیانات ہیں۔ پبلک کا بیان یہ ہے کہ پہلے سختی کر کے ہجوم کو مشتعل کیا گیا تھا۔

جلیانوالہ کا سانحہ

گوجرانوالہ میں ۱۴ اپریل کو ہڑتال ہوئی۔ اس سے ایک دن پہلے ایک جلسہ بھی ہو چکا تھا۔ گاندھی جی کی گرفتاری پر کلکتہ اور بمبئی میں بھی گولی چلی۔ ملک کے دوسرے حصتوں اور دیہاتوں سے بھی یہی خبریں سننے میں آئیں کہ گاڑیوں پر پتھر برسائے گئے" ریلوے اسٹیشنوں کو نذر آتش کیا گیا اور تار کاٹ دیئے گئے۔ چند انگریز اور ہندوستانی افسر بھی مشتعل عوام کے ہاتھوں مارے گئے مگر امرتسر میں صورت حال بہت خراب ہو چکی تھی۔ ۱۳ اپریل کو جلیانوالہ باغ میں ایک جلسہ منعقد کیا گیا جلسہ میں بیس ہزار مرد عورتیں اور بچے تھے۔ شہر فوج کے حوالے ہو چکا تھا، کمان جنرل ڈائر نامی ایک ظالم اور شقی انسان کے ہاتھ میں تھی۔ وہ جلسہ گاہ میں سو ہندوستانی اور پچاس انگریز سپاہیوں سمیت داخل ہوا اور مجمع کو منتشر ہونے کا حکم دیکر دو تین منٹ بعد ہی گولی چلانے کا حکم دیدیا۔ بیس ہزار کا مجمع دو تین منٹ میں منتشر نہیں ہو سکتا تھا۔ پانچ سو آدمی ہلاک اور دو ہزار زخمی ہوئے۔ رات بھر زخمی لوگ بغیر کسی طبی امداد یا دانہ پانی کے وہیں پڑے تڑپتے رہے۔

جلیانوالہ کے علاوہ بھی امرتسر میں جنرل ڈائر نے بڑے مظالم توڑے پانی اور بجلی کا سلسلہ بند کر دیا گیا۔ لوگوں کو بر سر عام کوڑوں اور بید زنی کی سزا دی جاتی تھی۔ دو سے زیادہ آدمی ایک ساتھ راستوں پر نہیں چل سکتے تھے۔ دیسی آدمیوں کے لئے سائیکل چلانا ممنوع تھا۔ جن لوگوں نے دکانیں بند کر دی تھیں ان سے زبردستی دکانیں کھلوائی جاتی تھیں

ورنہ انھیں سخت سے سخت سزائیں دیجاتی تھیں۔ اجناس کی قیمتیں فوجی افسر مقرر کرتے تھے
ایک مشنری عورت ڈاکٹر مس شرڈ وایک تنگ گلی میں سے سائیکل پر سوار جا رہی تھی۔ اس
پر چند لوگوں نے حملہ کیا۔ اس کی سزا یہ مقرر ہوئی کہ ہر وہ شخص جو اسی گلی سے گذرے پیٹ
کے بل رینگے۔ تمام وکیلوں اور بیرسٹروں اور معززین کو اسپیشل پولیس بناکر یہ حکم دیا کہ
سارے دن شہر میں گشت کیا کریں اور دن میں تین مرتبہ جنرل صاحب کو رپورٹ دیا کریں
سر مائیکل اوڈوائر لفٹنٹ گورنر پنجاب کو یہ سب کچھ بہت پسند آیا اور جنرل ڈائر کے نام
ان کا تار آیا کہ "تمہاری کارروائی درست ہے۔ لفٹنٹ گورنر پسند کرتے ہیں"۔

۱۴ اپریل کو گوجرانوالہ میں فساد شروع ہوگیا۔ اور اس کے قرب وجوار کی چودہ
آبادیوں میں بھی شورش پھیل گئی۔ سرکاری بیان کے مطابق اسٹیشن جلائے گئے،
تار کاٹ ڈالے گئے، سرکاری عمارات کو نقصان پہنچایا گیا، یوروپینوں پر حملہ کئے گئے
اور رام نگر میں تو ملک معظم کا ایک فرضی بُت بناکر اُسے نذر آتش کیا گیا ۱۶ تاریخ کو وہاں
مارشل لا نافذ ہوگیا اور ہوائی جہازوں سے بم برسے۔ حکومت نے کئی مرتبہ گولی بھی چلائی
پہلے سے بھی علی الاعلان بید کی سزائیں دی جاتی تھیں۔ پولیس جو فہرست پیش کرتی
تھی اسی کے مطابق شہریوں کو گرفتار کرلیا جاتا تھا جن لوگوں کو گرفتار کیا جاتا تھا انھیں بیڑیوں
اور ہتھکڑیوں سمیت دو میل تک بازاروں میں پھرایا جاتا تھا۔ ہندوستانی ایک جگہ سے دوسری
جگہ نہ جاسکتے تھے۔ انہیں حکم تھا کہ جہاں کہیں کسی انگریز کو دیکھیں فوراً سلام کریں۔ سوار ہوں
تو پیادہ ہوجائیں۔ چھتریاں لئے ہوئے ہوں تو انھیں جھکالیں۔ اس حکم کی خلاف ورزی
کرنے والوں کو زدوکوب اور ان پر جرمانہ کیا جاتا تھا۔ ۱۶ اپریل کو قصور میں بھی مارشل لا
جاری ہوگیا اور لوگوں کو وحشیانہ سزائیں دی جانے لگیں۔

تحریک بند

حکومت نے گاندھی جی کو گرفتار کرکے بمبئی پہنچایا وہاں پہنچکر انھوں
نے لوگوں کو پُرامن رہنے کی تلقین کی اور احمد آباد روانہ ہوگئے کیونکہ
وہاں حالات بہت نازک تھے۔ پنجاب کے حالات کی خبر پاکر انھیں بہت صدمہ ہوا

۲۰ جولائی کو ایک اعلان میں انھوں نے تسلیم کر لیا کہ یہ میری ایک بہت ہی بڑی غلطی تھی انہوں نے قیام امن کے لئے اپنی خدمات پیش کیں۔ تحریک بند کر دی۔ مگر تحریک کی واپسی کے بعد بھی مارشل لا واپس نہیں لیا گیا۔ تیسری جنگ افغانستان شروع ہو چکی تھی اس لئے اس کی مدت میں توسیع کر دی گئی۔ ۲۰ اور ۲۱ اپریل کو کانگریس کمیٹی کی ایک میٹنگ ہوئی اور میسرز پٹیل اور کیلکار کا ایک وفد انگلستان بھیجا گیا۔ پنڈت مالویہ نے لارڈ سنہا کو جو اب نائب وزیر ہند تھے ایک بحری تار بھیجا کہ وہ مارشل لا منسوخ کرائیں، ۲۰ اپریل کے اجلاس کانگریس میں حادثات پنجاب کی تحقیقات کا مطالبہ کیا گیا۔ کانگریس نے ایک کمیٹی مقرر کی تاکہ ہندوستان اور انگلستان میں قانونی کارروائی کرنے کے علاوہ اس کے اخراجات کے لئے روپیہ بھی جمع کرے۔ اس دور میں مسلمان کثیر تعداد میں کانگریس میں شامل تھے وہ سیاسیات میں بہت آگے بڑھے ہوئے تھے اور ان کی شرکت سے کانگریس میں جان پڑ گئی تھی۔

مسلمان اور حادثات پنجاب

مسلمانوں کی توجہ زیادہ تر مسئلہ خلافت و مقامات مقدسہ کی طرف لگی ہوئی تھی کیونکہ اس وقت خلافت اور ترکوں کے مستقبل اور مقامات مقدسۂ اسلامی کے تحفظ پر ملت اسلامیہ کے مستقبل کا انحصار تھا۔ مگر وہ ہندوستان کی خدمت سے غافل نہیں تھے۔ ۱۹۱۸ء کے خطبۂ صدارت مسلم لیگ میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ کس قدر پر زور طریق سے صدر منتخب مسٹر فضل الحق نے برطانوی حکومت کا تار و پود بکھیر کر رکھ دیا تھا اور مسلمانوں کو اس کی دلیرانہ مخالفت کی تلقین کی تھی۔ حادثات پنجاب میں بھی مسلمانوں اور ہندوؤں نے دوش بدوش برطانوی مشینوں کی گولیاں کھائیں اور ایک دوسرے سے شانہ ملا کر حکومت کی سنگینوں سے زخم لئے۔ جہاں تک حادثات پنجاب کی تحقیقات کا تعلق ہے مسلمان بھی اتنی ہی زور دار آواز سے تحقیقات اور تلافی مظالم کا مطالبہ کر رہے تھے جتنی قوت سے کانگریس صدا بلند کر رہی تھی۔ اس صدا میں بھی بہت کچھ زور مسلمانوں ہی کا تھا۔

باب ۱۸

مسئلہ خلافت و مقامات مقدسہ

صلح کانفرنس میں ترکی کے حصے بخرے

نومبر ۱۹۱۸ء میں جنگ عظیم کے خاتمے پر امریکہ کے صدر مسٹر ولسن کے چودہ نکات کی بنیاد پر اتحادیوں اور جرمنی و ترکی وغیرہ میں ایک عارضی صلح ہوئی تھی۔ ان نکات میں سے بارھواں نکتہ یہ تھا "موجود سلطنت عثمانیہ کے ترکی حصے اسی کے پاس رہیں گے۔ لیکن ان دوسری قوموں کو جو اب ترکوں کے ماتحت ہیں غیر مشتبہ حفاظت جان اور خود اختیاری نشوونما کے بے ضرر امکانات کی طمانیت دی جائیگی"۔ مگر مئی ۱۹۱۹ء میں پیرس کی صلح کانفرنس نے یہ فیصلہ کر دیا کہ ترکی سلطنت کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے یورپین حکومتوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ انگلستان عراق لے لے۔ اور اسے فلسطین اور عرب کی حکمبرداری بھی سونپ دی جائے۔ فرانس شام پر قابض ہو اٹلی عدلیہ اور اس کی ملحقہ سرزمین پر قبضہ کر لے۔ یونان کو سمرنا اور اس کے ساتھ کی ساحلی زمین ملے۔ ترکی سلطنت کو اناطولیہ ہی میں محدود کر دیا جائے۔ سینوف اسکی بندرگاہ ہو۔ قسطنطنیہ کو ایک آزاد بین الاقوامی شہر بنا دیا جائے۔ اور قسطنطنیہ اور آرمینیا کی حکمبرداری امریکہ کو حاصل ہو۔

مسلمانان ہند میں جو پہلے ہی غیر مطمئن اور مایوس تھے صلح کانفرنس کے ان ارادوں کی خبر سے شدید بےچینی پھیل گئی۔ یہ تو ان وعدوں کی صریح خلاف ورزی ہے جو ہم سے کئے گئے تھے (خاکم بدہن) کیا اسلام دنیا سے مٹ رہا ہے؟ خوف و ہراس کی ایک لہر اس سرے سے اُس سرے تک سب کے دلوں کو اندیشوں اور مایوسیوں میں غرق کر گئی۔ مکۂ مکرمہ اور مدینۂ منورہ

شریف مکہ کے ہاتھوں میں جا چکے ہیں جو ایک بے حمیت اور بندۂ غرض انسان ہے اور انگریزوں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنا ہوا ہے۔ کیا اب سلطنت عثمانیہ اور خلافت کو نیست و نابود کیا جائیگا؟

مسلمانوں میں اتھاہ بے چینی

جنگ سے واپس آئے ہوئے سپاہی، وہ باشندے جنہوں نے اتحادیوں کی فتح کے لئے اپنے مال و متاع کی قربانی کی تھی، وہ والیان ریاست جنہوں نے برطانیہ کو فاتح دیکھنے کے لئے اپنے سب وسائل انگریزوں کے لئے وقف کر دیئے تھے، سب خوف زدہ اور متحیر تھے۔ کھلا ہوا نقص عہد تھا کہ انگریز ترکی حکومت سے اس کے زرخیز اور شاداب علاقے نہ چھیننے کا وعدہ کر کے بھی یہ علاقے چھین رہے تھے۔ مسلمانوں میں صرف پیچیدگی اور پریشانی ہی کا احساس نہ تھا بلکہ وہ خود کو ایک عظیم مصیبت میں گھرا ہوا پاتے تھے۔ یہ خیال سوہان روح تھا کہ ہم ہی ترکوں کے خلاف لڑے۔ ہم ہی نے ان کے علاقے فتح کر کر کے انگریزوں کو دیئے اور اب ہم ہی سے کئے ہوئے وعدوں کو پس پشت ڈال کر برطانیہ ان علاقوں کو اپنے اور اپنے حلیفوں کے درمیان تقسیم کر رہا ہے۔ سوال علاقوں کا نہیں تھا۔ سوال تو ترکوں اور خلافت کی بربادی کا تھا۔ سوال یہ تھا کہ آیا ازمنۂ تاریک کے مذہبی عناد کو تازہ نہیں کیا جا رہا ہے؟ آیا مذہبی جنون اور کینہ پروری کا مظاہرہ نہیں ہو رہا ہے؟ کیا جنگ اسی جذبہ سے لڑی گئی ہے؟ کیا مسلمانوں کو بیوقوف بناتے ہوئے یورپ نے یہ سیاسی چال نہیں چلی؟ کیا برطانیہ کو آٹھ کروڑ مسلمانان ہند کے جذبات وحسیات کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں؟ کیا پریذیڈنٹ ولسن کے اصول حق خود اختیاری کی تعبیر یہی ہے جس کی بنا پر جنگ بند کی گئی تھی؟ کئی صدیوں سے اس سلطنت کا سرگروہ خلیفۂ اسلام اور سلطان ترکی فلسطین، شام، عراق، عرب اور ترکی کے تمام مقدس مقامات کا نگراں تھا۔ کیا مسلمانان ہند اس کا یہی حشر دیکھنے کے لئے برطانیہ کی امداد کے لئے آگ اور خون کی ہولی کھیلنے کے لئے جنگ کے اکھاڑے میں اترے تھے؟ ہندوستان کی تمام اسلامی آبادی بلاتمیز فرقہ وعقیدہ اپنے دل میں ان سوالات سے خلش محسوس کر رہی تھی۔ ہندوستان کے ہر گوشے میں غیظ وغضب کی آگ بھڑک اٹھی۔ پشاور سے لیکر راس کماری تک مسلمان جوش سے بھر گئے

زنان خانوں میں مسلمان عورتیں ٹرکی کے حشر پر آنسو بہا رہی تھیں۔ تجارت پیشہ لوگ جو بالعموم پبلک معاملات سے کوئی لگاؤ نہیں رکھتے اپنا کاروبار چھوڑ کر بیچینی کے ساتھ سیاست کیطرف آرہے تھے۔ علمارِ اسلام جو اس وقت تک سیاست سے بے تعلق رہے تھے حجروں سے باہر نکل آئے تھے اور صدائے احتجاج بلند کر رہے تھے۔ اسلام کی تباہی کا خوف ان کے دلوں پر چھایا ہوا تھا۔ ترک ایک عرصہ دراز سے اسلام کی پشت پناہ ہوئے تھے مسلمان ان کی تباہی برداشت کرنے کو تیار نہیں تھے۔ ان کے سینوں میں غصہ و احتجاج کا طوفان عظیم اٹھ کھڑا ہوا۔

سمرنا میں یونانیوں کے مظالم

عارضی شرائط صلح کی رُو سے وقفۂ جنگ کے دوران میں یونان کو سمرنا میں اپنی فوجیں اتارنے کی اجازت مل گئی۔ ترکوں سے ہتھیار چھینے جا چکے تھے۔ وہ سمرنا میں یونانی فوجوں کے داخلے پر مزاحمت کرنے کے قابل نہ تھے ترکی سپاہ بارگوں میں مقیم رہی۔ مگر پہلے سے فیصلہ کر لیا گیا تھا کہ کسی نہ کسی بہانے سے خونریزی اور مظالم کیئے جائینگے۔ یونانیوں کے کارندے پہلے ہی سے اشتعال انگیزی کا سامان کرتے پھرتے تھے۔ یونانی ریڈ کراس سوسائٹی کے زیر اہتمام مقدونیہ کے بدمعاشوں کے گروہ جہازوں میں سوار کر کے لائے گئے تھے۔ انھوں نے اپنی اشتعال انگیز حرکتوں سے ترکوں کے ہاتھوں سے تحمل و برداشت کی عنان چھڑا دی۔ ترک سپاہ نے چند گولیاں چلا دیں۔ پھر کیا تھا۔ مسلح یونانی نہتے ترکوں پر چڑھ دوڑے اور ترک سپاہیوں کو ہلاک اور زخمی کرنا شروع کر دیا۔ ترک عورتوں کی نقابیں اتاری گئیں انہیں بے عزت کیا گیا اور یونانیوں نے دیوانہ وار چلا چلا کر ترکوں سے کہا "بلاؤ اپنے خدا اور رسول کو" ترکوں کے سروں سے فیض (ترکی ٹوپی) اتار کر انہیں پانوؤں کے نیچے روندا گیا۔ جن ترکوں نے مدافعت کی انہیں سمندر میں پھینک دیا گیا یا سنگینیں ان کے سینوں کے پار کر دی گئیں۔ یونانی کمانڈر نے اعلان کیا کہ سمرنا زیر محاصرہ ہے گویا مسلح فوج کی نگرانی میں قتل و غارت کو جائز قرار دیدیا۔ ترکوں کو قید خانوں میں بھر دیا گیا ان کے گھروں کو آگ لگا دی گئی۔ عثمانی بینک کو لوٹا گیا۔ انگریزوں اور فرانسیسیوں تک کو بھی نہیں بخشا گیا

خلیفۃ المسلمین نے ان دل دکھانے والے مظالم پر ایک یوروپین نامہ نگار کو ایک درد انگیز بیان دیتے ہوئے کہا "گورنمنٹ کے قصور کا کفارہ اسطرح کیوں ہو کہ یونانی سپاہ اور یونانی باشندے جن کے مظالم طشت از بام ہیں، ایشیائے کوچک کے ہزارہا معصوم بچوں اور امن پسند باشندوں پر ظلم کریں اور انھیں لوٹیں یا ان کی عورتوں کی عصمت دری کریں اور ان کے شہروں کو جلائیں"

کوئی مسلمان ایسا نہ تھا جس کی آنکھوں میں یہ بیان پڑھکر یا سنکر آنسو نہ بھر آئے ہوں۔

وزیر ہند مسٹر مانٹیگو صلح کانفرنس کی تجویزوں کی مخالفت میں مسلمانان ہند کی

تاریخ مسٹر مانٹیگو کی اس کوشش کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی جو انہوں نے مسئلہ خلافت و مقامات مقدسہ کے بارے میں مسلمانوں کے جذبات کو حکومت برطانیہ پر ظاہر کرنے کے سلسلے میں کی۔ انہوں نے نہایت دوراندیشانہ اور منصفانہ طریق پر مسلمانان ہند کی بے چینی کا اندازہ لگایا صلح کانفرنس کی عارضی صلح کی تجویزوں کی مخالفت میں انہوں نے برطانوی دارالعوام میں ایک پُر زور اور مدلل تقریر کی اور اس صورت حال کی پیچیدگیوں کا ذکر کیا جو ٹرکی کو ختم کر دینے کی تجویزوں سے پیدا ہوگئی تھی۔ انہوں نے بتایا کہ مسلمانوں میں صرف پیچیدگی و پریشانی ہی کا احساس نہیں ہے بلکہ وہ خود کو ایک بڑی مصیبت میں گھرا ہوا پاتے ہیں۔ ان کے روحانی سردار کو جس کے روحانی اعزاز کیلئے سلطنت کا قیام بھی ضروری ہے انگلستان کی رضامندی اور مدد سے مقام خلافت سے نکالدیا جانا انکی سب سے بڑی توہین ہے جسکی ضرب ان جذبات پر پڑتی ہے جو اسلام کیلئے زندگی کا حکم رکھتے ہیں۔

مسلمانوں کا احتجاج

ہندوستان اور بیرون ہندوستان کے مسلمانوں نے ہر ممکن طریق سے صلح کانفرنس کے ارادوں کے خلاف احتجاج کیا۔ ہندوستان کے جو مسلمان انگلستان میں مقیم تھے انہوں نے ۱۴ ؍ جون کو وزیر اعظم برطانیہ کو ایک طویل یادداشت بھیجی جسمیں وزیر اعظم کے یکم جنوری ۱۹۱۸ء کے وعدے کا حوالہ دیکر یہ ثابت کیا کہ اگر صلح کانفرنس کی تجویزوں پر عملدرآمد کیا گیا تو یہ وعدہ خلافی اور نقض عہد ہوگا۔ یادداشت میں یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ

ترکی کے ٹکڑے ٹکڑے نہ کئے جائیں، حکمبرداری قائم کر کے سلطان ٹرکی کی دنیاوی طاقت کو گھٹایا نہ جائے اور حق خوداختیاری مسلمان قوموں پر بھی عائد کیا جائے اور شمالی حکومت کے غیر ترکی صوبجات پر خلیفہ کی سیادت برقرار رکھی جائے۔ آنریبل سیٹھ یعقوب حسن نے بھی جو آل انڈیا مسلم لیگ کے وفد لندن کے سکرٹری تھے، وزیراعظم کو ایک طویل یادداشت بھیجی جس میں انھوں نے مسلمانوں کے جذبات اور ہیجان کی ترجمانی کرتے ہوئے مسئلہ ترکی کا اہمیت بتائی اور یہ درخواست کہ ترکی کو پارہ پارہ نہ کیا جائے اور خلیفۃ المسلمین کی طاقت میں کمی نہ کی جائے، ورنہ مسلمانوں اور برطانیہ میں بگاڑ پیدا ہوگا۔ ولایت میں جن لوگوں نے اس سلسلے میں انتھک کام کیا ان میں سر آغاخاں کا نام بہت نمایاں ہے۔

مسلمانانِ ہند کے غم و غصے کی چند مخصوص وجوہات — خاتمۂ جنگ پر فلسطین فتح کرنے والے

جنرل ایلینبائی کے سینے پر وزیراعظم انگلستان نے تمغہ آویزاں کیا تو اسے "آخری فاتح جنگ صلیب و ہلال" کہا۔ حالانکہ اس جنرل کی فوج میں تین چوتھائی سے زیادہ ہندوستانی مسلمان تھے۔ کیا انہوں نے شام میں انگریزوں کے ساتھ مل کر اپنا خون اسی لئے بہایا تھا کہ جنرل ایلینبائی آخری فاتح جنگ صلیب و ہلال بن سکے؟ اس سوال نے مسلمانوں کی رگوں میں غیرت اور جوش کے شعلے پیدا کئے۔ مسلمانان ہند کا یہ مطالبہ تھا کہ صلح کانفرنس میں کسی مسلمان کو ضرور لیا جائے کیونکہ وہاں اسلام کی قسمت کا فیصلہ ہوگا۔ مگر حکومت برطانیہ نے اس مطالبے پر قطعاً توجہ نہ دی مسٹر مانٹیگو اور مہاراجہ بیکانیر نے مسلمانان ہند کی خواہشوں کو جہاں تک ممکن تھا اچھی طرح پیش کیا لیکن مسلمان نمائندے کے نہ ہونے سے مسلمانان ہند کی خواہشات کو کھلم کھلا پائمال کیا گیا ہندوستان سے مسلمانوں کا وفد گیا۔ وزیراعظم نے اس سے ملنے سے انکار کر دیا۔ وفد نے ان کی خدمت میں یادداشت بھیجی۔ اس کا کوئی معقول جواب نہ ملا۔ مسلمان یہ نہیں چاہتے تھے کہ ترکوں کو جنہوں نے اتحادیوں کے خلاف تلوار اٹھائی تھی، ہار جانے کے بعد بھی مراعات دی جائیں یا فاتح اتحادی ممنوح کو اپنے فاتحانہ حقوق دیدے۔ وہ صرف یہ کہتے تھے کہ جن اصولوں پر فریقین کے درمیان

صلح ہوئی ہے ان کو یوروپ کی آئندہ شیرازہ بندی میں جہانتک ترکوں کا تعلق ہے، نظرانداز نہ کیا جائے۔ جرمنی کے جو حصے اس سے جدا کئے گئے تھے ان کو حکومت خوداختیاری کا حق مل گیا تھا۔ لیکن ترکوں سے ان کا دارالحکومت قسطنطنیہ تک چھینا جارہا تھا۔ اوران کے وہ صوبے بھی جن میں خالص اسلامی اور زیادہ تر ترکی آبادی تھی ان سے جدا کئے جارہے تھے۔ ان تمام کارروائیوں میں برطانیہ کا ہاتھ کام کررہا تھا۔ صلح ہوئی تو ولسن ہی کی اصولوں کی بنیاد پر تھی مگر صلح کانفرنس میں اسکی بات نہ چلنے دی گئی۔ وہ اپنا دامن جھاڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ برطانوی اور فرانسیسی مدبرین کانفرنس کے لیڈر بن گئے انہوں نے ولسن کے اصولوں کو نظرانداز کرکے ترکی کے حصے بخرے کرڈالے۔ مسلمانوں نے عرضداشتوں اور وفد کے ذریعہ سے برطانیہ کے وزیراعظم کو اس کا سابقہ وعدہ یاد دلایا مگر کوئی جواب نہ ملا۔ صلح کانفرنس کی سپریم کونسل ترکی کی پامالی کے معاملے میں آگے ہی قدم بڑھاتی رہی۔ حکومت برطانیہ اس کی ہمدرد بنی رہی وہی کانفرنس کی کرتا دھرتا تھی۔ مئی میں جب پیرس میں صلح کانفرنس کا اجلاس ہورہا تھا مسٹر لینڈن نامہ نگار ڈیلی ٹیلیگراف نے پیرس سے لکھا کہ "مسلمانوں کے بارے میں دیگر بڑی سلطنتوں کی بہ نسبت زیادہ عملی تجربہ رکھنے کی بنا پر برطانیہ عظمیٰ عثمانیہ خاندان کے دنیاوی و مذہبی اقتدار کا خاتمہ کردینے پر رضامند ہے۔ فرانسیسی کہتے ہیں کہ خلیفہ کے مقبوضات کو پوری طرح پارہ پارہ کردینا ایک سیاسی غلطی ہے اور برطانوی وزیر ہند کا زاویۂ نگاہ بھی ہے مگر یہ خوف بے بنیاد ہے کہ ہندوستان، افغانستان اور شمال مشرقی افریقہ میں اس سے بےچینی پھیلے گی۔"

ترکی نمائندوں کی یادداشت اور اسکا جواب صلح کانفرنس کی طرف سے

۱۷ رجون ۱۹۱۹ء کو ہز ہائنس داماد فرید پاشا صدر نیابت عثمان نے پیرس میں صلح کانفرنس کی دس اراکین کی کونسل کے سامنے ایک عرضداشت پیش کی۔ اس میں اتحادی مدبرین کو ترکی کے مسئلے پر متوجہ کرتے ہوئے اس امر کی ضرورت جتائی گئی

تھی کہ سلطنت عثمانیہ کو اسی حالت پر قائم رکھا جائے جو جنگ سے پہلے تھی اور ترکوں کی اقتصادی وذہنی نشو ونما کا بندوبست کر کے ترکی حکومت کو لیگ اقوام کا ایک کارآمد رکن بنالیا جائے ۱۵ر جون کو اتحادیوں نے اس یادداشت کا جواب دیا۔ یہ جواب حد درجہ مایوس کن تھا کونسل نے یہ تسلیم کرنے سے صاف انکار کر دیا کہ ترک حکومت کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور صاف صاف کہدیا کہ وہ ترکی سلطنت کو برقرار رکھنے کی ذمہ داری نہیں لے سکتی مسلمانوں میں مزید جوش اور ہیجان پیدا ہوا مسلمانان انگلستان نے وزیر اعظم کو اپنی چوتھی یادداشت بھیجی جس میں تفصیل کے ساتھ ان الزامات کا جواب دیا گیا تھا جو کونسل نے اپنی جوابی دستاویز میں ترکوں پر عائد کئے تھے۔

مسلم لیگ کی جدوجہد

ہندوستان میں لیگ کی قیادت میں مسلمانوں نے جابجا جلسے کر کے صلح کانفرنس کی تجاویز کی مذمت کی اور حکومت ہند پر علانیہ اور باقاعدہ طور سے اپنے خیالات ظاہر کئے۔ ترکوں کے واسطے روپیہ جمع کرنے کی غرض سے ایک فنڈ کھلا ہوا تھا۔ اس میں ہر طرف سے روپیہ برسنے لگا۔ دلی جوش اور اضطراب کے ساتھ ہندوستان کے ہر ہر چپے پر جلسے کر کے مسلمانوں نے ترکی سلطنت کے مستقبل کے بارے میں اپنے خیالات اور خواہشات کا اظہار کیا۔ فنڈ کے روپے سے اس تحریک کو مدد دی گئی جو انگلستان میں اس سلسلے میں جاری تھی۔ جگہ جگہ مسلم لیگیں قائم کرنے کی تحریک شروع ہوگئی۔ ہر جلسے کی کارروائی وائسرائے ہند کی خدمت میں بھیجی جاتی تھی تاکہ اسے وزیر اعظم تک پہنچا دیا جائے اور اگر ممکن ہوتا تھا تو وزیر اعظم کو براہ راست بحری تار بھیجا جاتا تھا۔ سیٹھ یعقوب حسن مسلم لیگ کے وفد کے سکرٹری کی حیثیت سے لندن میں تحریک کو چلا رہے تھے۔ انہیں جلسوں کی کارروائیوں اور تجاویز کی اطلاع دی جاتی تھی مسلم لیگ کے صدر دفتر سے ہر ہفتے گشتی مراسلات جاری ہوتے تھے جن میں ممبروں کو عملی جدوجہد کی تدبیریں بتائی جاتی تھیں۔

خلافت کمیٹی کا قیام

۵ر جولائی ۱۹۱۹ء میں بمبئی میں آل انڈیا خلافت کمیٹی قائم ہوئی

اس کے قیام کا منشا مسلمانوں کے تمام طبقوں کی جو خلیفۃ المسلمین اور انکی سلطنت کی بقا اور خصوصاً جزیرۃ العرب کی مقدس سرزمین کی حفاظت کے لئے بیچین تھے، رہنمائی کرنا تھا۔ ترکوں کے ساتھ جو بے انصافیاں ہو رہی تھیں ان پر احتجاج کرنا، تمام ہندوستان میں شاخیں قائم کر کے مسلمان کو اس مسئلے کی اہمیت اور تازہ واردات سے باخبر رکھنا، جابجا جلسے کر کے ان احتجاج کی تجویزیں منظور کرا کے برطانیہ کے ارباب اختیار کو بھیجنا، مسئلہ خلافت ومقامات مقدسہ کے بارے میں مسلمانان ہند کے جذبات کی ترجمانی کرنا وغیرہ امور اس کے مقاصد میں داخل تھے۔ خلافت کمیٹی کا قیام وقت کی ایک اہم ضرورت تھی۔ اس لئے یہ لوگوں میں بہت جلد ہر دلعزیز ہوگئی اور بہت جلد اس نے مسلمانوں کی اولین رہنما جماعت کی حیثیت حاصل کر لی۔

مسلم لیگ کونسل کا ایک فوری اور اہم جلسہ

ابھی تک صلح کانفرنس کے ارادوں اور تجاویز کا حال بالا بالا ہی معلوم ہوا تھا۔ اگست میں رائٹر ایجنسی نے ٹرکی کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے یوروپین حکومتوں کو بانٹ دینے والی اُن تجاویزوں کو مصدقہ طور پر شائع کردیا جن پر صلح کانفرنس کی سپریم کونسل غور کر رہی تھی۔ ۱۳ اگست کو انگلستان سے جو بجری تار موصول ہوئے انھوں نے اسلامی دنیا کے دلوں کو ہلا دیا۔ ان سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ برطانیہ مسلمانوں کے اس قدر شدید احتجاج کے باوجود قسطنطنیہ سے ترکوں کو نکالنے اور وہاں ایک بین الاقوامی حکومت قائم کرنے کے حق میں ہے اور تقریباً کل صوبہ تھریس یونان کو دیدینے پر آمادہ ہے۔ اس سے مسلمانوں نے فوری عمل کی رفتار اور بھی تیز کردی۔ اسلامی دنیا کے دل پر ایک کاری ضرب لگی۔ مسلم لیگ کی کونسل نے ایک پرزور عرضداشت بذریعہ تار بھیجی اور ایک فوری جلسہ منعقد کیا۔ اسمیں یہ فیصلہ کیا گیا کہ ایک آل انڈیا مسلم کانفرنس منعقد کیجائے اور اس میں ہر طبقہ وخیال کے مسلمانوں کو بلایا جائے تاکہ سب ملکر موجودہ نازک صورت حالات اور اس کے علاج کے بارے میں غور کرسکیں۔

آل انڈیا مسلم کانفرنس لکھنؤ ۱۹۱۹ء

۲۱ ستمبر کو رفاہ عام لکھنؤ میں مسئلۂ خلافت و سلطنت عثمانیہ پر غور کرنے کے لئے آل انڈیا مسلم کانفرنس ہوئی۔ ہندوستان بھر کے نمائندہ مسلمان جوش و خروش اور غم و غصہ و اضطراب کا ایک بے پایاں سمندر سینوں میں لئے ہوئے اس کانفرنس میں شریک ہوئے جو تجاویز اس میں منظور ہوئیں ان کا لب لباب یہ تھا کہ ترکی سلطنت کو پارہ پارہ نہ کر کے خلیفۃ المسلمین کے دنیاوی اقتدار کو ضرب لگنے سے بچایا جائے کیونکہ دنیا بھر کے مسلمانوں کا مذہبی مفاد خلیفۃ المسلمین کے اقتدار کی بحالی سے وابستہ ہے اور ترکوں کے علاقوں کو خود اختیار حکومتیں دیگر ترکوں کی حکمرداری کے ماتحت کر دیا جائے جس کی نگرانی لیگ اقوام کرے۔ یہ تجویزیں بذریعہ تار وزیر اعظم کو بھیجدی گئیں۔ ان مطالبات کے علاوہ کانفرنس نے عملی کارروائی کرنے کا بھی فیصلہ کیا۔

عملی کارروائی کا فیصلہ

اس سلسلہ میں دو اہم تجویزیں منظور کی گئیں۔ اول یہ کہ ۱۷ اکتوبر کو مسلمانان ہند ملک کے طول و عرض میں یوم دعا منائیں۔ اس روز ترکوں کی سلامتی کے لئے دعائیں کی جائیں جلسے منعقد ہوں اور ان جلسوں میں مسلم کانفرنس کی تجویزوں کو دہرایا جائے اور کارروائی کی نقلیں والسرائے کو بھیجی جائیں تاکہ وہ وزیر ہند کو روانہ کر دیں۔ دوسری تجویز یہ تھی کہ بمبئی کی خلافت کمیٹی کو اس سلسلے میں مسلمانان ہند کی رہنما جماعت تسلیم کیا جائے۔ اس کمیٹی کی شاخیں ملک کے کونے کونے میں کھولی جائیں بمبئی کی خلافت کمیٹی مسلمانان ہند کی ان تمام کوششوں کا مرکز بن جائے جو وہ خلیفۃ المسلمین اور ان کی سلطنت کی سلامتی اور جزیرۃ العرب کے تحفظ کے سلسلے میں کریں۔

والسرائے کی ہمدردی

اسی ماہ میں شاہی کونسل کا افتتاح ہوا۔ وائسرائے ہند نے افتتاحی تقریر کرتے ہوئے کہا کہ مسلمانوں کی خواہشات کی ترجمانی جتنی میرے بس میں تھی میں نے کر دی ہے اور ہندوستان کے مسلمانوں کی آواز

کو سکرٹری آف سٹیٹ اور ان کے توسط سے حکومت برطانیہ تک پہنچا دیا ہے۔ ۲۴ ر نومبر ۱۹۱۹ء کو انہوں نے مدراس میں تقریر کرتے ہوئے کہا: میں ہندوستانی مسلمانوں کی موجودہ پریشانی کو محسوس کرتا ہوں اور اس پریشانی کے متعلق انکے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتا ہوں جو انھیں ٹرکی صلح کے نامعلوم انجام کے نتیجہ کے متعلق محسوس ہو رہی ہے۔ یہ سمجھتے ہوئے کہ انکے احساسات کس قدر طاقتور ہیں برطانیہ کی طرف سے صلح کانفرنس میں شریک ہونے کیلئے خاص مسلم نمائندے بھی بھیجے گئے تھے۔ ان باتوں کا نتیجہ خواہ کچھ بھی نکلے (اسلئے کہ اس کا دار و مدار ان باتوں پر ہے جو ہندوستان یا انگلستان کے علاوہ دوسروں کے مفاد پر بھی اپنا اثر ڈالتی ہیں) ہندوستان کے مسلمانوں کو اس امر کا یقین رکھنا چاہئے کہ اُن کے جذبات کی پوری نمائندگی کر دی گئی ہے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ مسٹر بونرلا نے ہاؤس آف کامنز میں تقریر کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ برٹش گورنمنٹ ٹرکی کے مستقبل کے متعلق ہندوستانی مسلمانوں کی دلچسپی سے واقف ہے اور یہ کہ انکے جذبات کا پورا احترام اور وزن کیا جائیگا۔"

لیکن مسلمانوں کیلئے نہ ان کی تقریر میں کوئی جملہ اطمینان بخش تھا نہ مسٹر بونرلا کی ۳ نومبر کی اسپیچ میں۔ ہندوستان سے لیکر انگلستان تک سارے ذمہ دار عہدہ داروں نے اسلامی خواہشوں کے متعلق ایک جملہ بھی ایسا اپنی زبان سے نہیں نکالا تھا جس سے تسلی نہیں بلکہ بوئے تسلی بھی آتی ہو۔ ہندوستان کے مسلمان اس بات کو اچھی طرح سمجھتے تھے کہ ٹرکی کے متعلق صرف برٹش مفاد ہی نہیں بلکہ دوسری سلطنتوں کے فوائد بھی وابستہ ہیں جن میں فرانس خاص طور پر ممتاز نظر آتا ہے۔ لیکن وہ اس بات کو بھی سمجھتے تھے کہ ان تمام باتوں میں انگلستان کا ہاتھ سب سے زیادہ طاقت رکھتا ہے۔ اسلئے جو کچھ بھی ہو رہا تھا اُسے انگلستان کی پالیسی کا نتیجہ سمجھنے پر مجبور تھے۔

وہ کہتے تھے کہ بیشک ہم کو اطمینان ہو سکتا ہے اگر قومیت کے اصول پر منصفانہ صلح ہو لیکن اس کا طریقہ یہ نہیں ہو سکتا کہ عربوں پر فرانس اور انگلستان "حکمبرداری" کی آڑ میں حکومت کریں اور سمرنا کو یونانیوں کے مظالم کے لئے پیش کر دیا جائے بلکہ عربوں کو حقیقی آزادی ملے۔ اور ان کی حکم برادری ترکوں کے سپرد ہو۔ یہ ترکوں کا علاقہ ہے اس لئے حکم برداری کا جائز حق ان کے سوا اور کسی کو نہیں ہے۔ یہ سارا علاقہ اسلامی ہے۔ اس لئے ایک اسلامی سلطنت جیسی

کہ ترکوں کی ہے) کے سوا کسی غیر اسلامی سلطنت کو اُس کی حکمبرداری کے لئے کسی حالت میں بھی موزوں نہیں سمجھا جا سکتا، یہ ممالک اسلام کے گھوارہ میں اور ان کی گودیں مقدس اور متبرک مقامات سے پُر ہیں۔ اس لئے سوائے ایک اسلامی سلطنت کے اور کوئی سلطنت ایسی سرزمین پر حکم برداری یا اور کسی قسم کی حکومت کے حق کا شائبہ بھی نہیں رکھتی۔ خلافت کے متعلق ہم اس لئے اپیل کر رہے ہیں کہ اسلامی خلافت کا جزوِ اعظم سیاسی طاقت ہے۔ وہ ٹرکی کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے سے برباد ہو جائے گی۔

مقدس مقامات کو خطرے میں ڈال کر، حجاز پر (جس میں مسلمانوں کے پیغمبر کا شہر اور ان کا موجودہ قبلہ ہے) شریف مکہ کے توسط سے حکمرانی کر کے، بیت المقدس کربلا، نجف اشرف، کاظمین شریفین اور بغداد پر قبضہ کر کے اتحادی یہی کر رہے تھے

ہندوستان کی طرف

گذشتہ باب کے آخر میں ہم واقعات پنجاب تک آئے تھے۔ اب اس سے آگے کی کیفیت بیان کی جاتی ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے مسٹر جناح اور سر سنکرن نائر کا نام لینا چاہئے۔ وہ وائسرائے ہند کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر تھے جب مارشل لا کی مدت میں توسیع کی گئی تو انہوں نے کونسل میں احتجاج کیا۔ اس احتجاج کی پرواہ نہ کی جانے پر انہوں نے کونسل کی ممبری سے استعفے دیدیئے۔ سی ایف اینڈریوز جو انگریز ہونے کے باوجود ہندوستان سے گہری ہمدردی رکھنے کی وجہ سے پنجاب آئے تھے، مئی میں امرتسر میں گرفتار کر لئے گئے۔ ڈاکٹر کچلو، مولانا ظفر علی خاں اور دیگر نمایاں لیڈر قید ہو گئے غرض ہر وہ شخص جس نے مظلومین پنجاب کے حق میں آواز اُٹھائی قانون کے شکنجے میں پھانس کر بے دست و پا کر دیا گیا۔

اب ہندوستان کے ہر گوشے سے یہ صدا بلند ہونے لگی کہ واقعات پنجاب کی تحقیقات ہونی چاہیئے۔ مسلمان خلافت اسلامی کے مٹنے کی تشویش کی وجہ سے اس قدر پریشان تھے کہ ان پر دن کا چین اور رات کی نیند حرام ہو گئی تھی مگر انھوں نے

بھی ہندوؤں کے دوش بدوش پنجاب میں قربانیاں دی تھیں اور اب بھی وہ برابر جوش وخروش سے سیاسی معاملات میں حصہ لے رہے تھے۔

"شورش" پنجاب کی تحقیقات کیلئے سرکاری کمیٹی

تمام ہندوستان کے متفقہ مطالبہ سے ستمبر ۱۹۱۹ء میں گورنمنٹ آف انڈیا نے یہ اعلان کیا کہ حادثات پنجاب کی تحقیقات کرنے کے لئے انگریزوں اور ہندوستانیوں کی ایک کمیٹی مقرر کی جاتی ہے جو ماہ نومبر سے دہلی اور پنجاب کے واقعات کے سلسلے میں کام شروع کر دے گی۔ مگر اس کے ساتھ ہی حکومت نے انڈیمنٹی ایکٹ بھی جاری کر دیا۔ اس سے ان تمام آفیسرز کو جن کی افسوسناک غلطیاں عدالت میں سخت جرائم کی صورت اختیار کریں حفاظت کی چادر میں ڈھانک لیا گیا۔ انڈیمنٹی ایکٹ سے ہنٹر کمیٹی بے جان سی ہو گئی گو ہندوستانیوں کو ویسے بھی اس سے کچھ زیادہ امید نہیں تھی کیونکہ اسے آزادانہ تحقیقات کرنیکے بہت کم مواقع حاصل تھے۔ اکتوبر میں گاندھی جی اور مسلم لیڈر پنجاب جا پہنچے جس سے وہاں کے باشندوں کا خوف وہراس کچھ کچھ دور ہوا۔ اس دور میں ہندو مسلمان سب مُسلم رہبروں پر کامل اعتماد رکھتے تھے۔

ہندوستانیوں کی طرف سے غیر سرکاری کمیٹی

ابتدا میں مسلم لیگ اور کانگریس کے ذمہ دار رہبروں کا ارادہ تھا کہ سرکاری کمیٹی سے تعاون کیا جائے۔ دہلی میں کمیٹی کے سامنے شہادتیں گذریں۔ مگر دو باتوں سے ہندوستانی اس سے مایوس ہو گئے۔ ایک تو ہندوستانیوں کا یہ مطالبہ تھا کہ پنجاب اور ہندوستان کے ان لیڈروں کو رہا کر دیا جائے جنہیں صرف قومی لیڈر ہونے کے جرم میں قید کر دیا گیا ہے تاکہ ہنٹر کمیٹی کے سامنے بہترین اور زیادہ سے زیادہ قابل وثوق شہادت پیش ہو سکے۔ دوسرے ہندوستانی رہنماؤں کی مقرر کی ہوئی سب کمیٹی نے اس بات کی اجازت چاہی کہ بعض لیڈروں کو جو مارشل لا کے قیدی تھے

پولیس کی نگرانی میں کمیٹی کے کمرے میں بلوا دیا جائے تاکہ ان سے تحقیقات میں مدد لی جا سکے۔ کمیٹی کا خیال تھا کہ جو شہادت ان کے ذریعے سے حاصل ہوگی وہ لیگ اور کانگریس دونوں کے زاویۂ نگاہ سے زیادہ سے زیادہ قابل اعتماد ہوگی اور جو نتائج اس شہادت کی بنا پر نکالے جائیں گے ان سے مظلومین کے ساتھ زیادہ صحیح طریق پر انصاف ہو سکے گا۔

مگر حکومت کو سب کمیٹی کے یہ مطالبات کچھ مناسب نہ معلوم ہوئے۔ اس نے پہلے مطالبے کو تو بالکل ہی نامنظور کر دیا۔ دوسرے کے متعلق یہ کہا گیا کہ اگر حکومت پنجاب اس امر کی اجازت دینے پر آمادہ ہو تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ مگر حکومت پنجاب مارشل لا کے قیدیوں میں سے کسی ایک کو بھی شہادت کے لئے کمیٹی کے سامنے پیش کرنے کے لئے تیار نہ تھی۔ گورنمنٹ آف انڈیا نے سب کمیٹی کو بتایا کہ حکومت پنجاب کی عدم آمادگی کی وجہ سے دوسرا مطالبہ بھی تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

سب کمیٹی نے حکومت پنجاب کے اس رویّئے کے خلاف گورنمنٹ آف انڈیا اور وزیر ہند کے پاس بطور فریاد اپیل کی۔ مگر ان دونوں میں کسی ایک نے بھی حکومت پنجاب کے معاملے میں مداخلت کرنے پر رضامندی ظاہر نہ کی۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ لیگ اور کانگریس کے رہبر ایک غیر سرکاری کمیٹی بنا کر جداگانہ طور پر تحقیقات کریں۔ یہ ہنٹر کمیٹی کا بائیکاٹ تھا۔ مگر گورنمنٹ نے لیگ اور کانگریس کے لیڈروں کو اسی پر مجبور کر دیا تھا۔

جو غیر سرکاری کمیٹی بنائی گئی اس میں آنریبل مسٹر اے، کے، فضل الحق بنگال (جو سنہ ۱۹۱۸ء کے سالانہ اجلاس مسلم لیگ منعقدہ دہلی کے صدر منتخب تھے)، گاندھی جی، مسٹر سی آر داس بنگال، مسٹر عباس طیب جی، پنڈت موتی لال نہرو اور مسٹر کے سنتانم تھے۔ بعد کو پنڈت موتی لال نہرو کانگریس کے اجلاس امرتسر سنہ ۱۹۱۹ء کے صدر منتخب ہو گئے۔ اس بنا پر انہیں کمیٹی سے علیحدہ ہونا پڑا اور ان کی جگہ مسٹر جیکار ممبر بن گئے

ہنٹر کمیٹی میں کوئی ہندوستانی نمائندہ نہیں لیا گیا

گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۱۹ء

اس بے چینی کی فضا میں ۲۳ دسمبر کو والیان ریاست اور رعایائے ہند کے نام شاہ جارج پنجم کا اعلان اور گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۱۹ء شائع ہوا۔ انگریزوں نے اپنی دانست میں اس سے ہندوستان کو خود اختیار حکومت دیدی مگر ہندوستانیوں کے نزدیک یہ ان کی کم سے کم خواہشوں کو بھی پورا نہیں کر سکا۔

ایکٹ میں گرینڈ کمیٹیوں کو نامنظور کرتے ہوئے کونسل آف اسٹیٹ کے اختیارات کی سفارش کو جوائنٹ کمیٹی نے مسترد کر دیا اور اس کی حیثیت ریوائزنگ چیمبر کی تجویز کی جو نظر ثانی کرنے والی ایک جماعت بن گئی۔ صوبوں میں اس ایکٹ سے گورنروں کو وزراء کی موقوفی کا اختیار ملا جس سے یہ اندیشہ تھا کہ ان پر اخلاقی دباؤ پڑے گا جو ان کی بعض مفید اور ذمہ دارانہ خواہشوں کو اکثر پامال کرتا رہے گا۔

ٹرانسفرڈ سبجکٹس میں جوائنٹ کمیٹی نے صوبوں کو تعلیم، صنعت و حرفت ہی دیئے حالانکہ ہندوستان کے زیادہ ترقی یافتہ صوبے جیسے بنگال، بمبئی اور مدراس جو تعلیمی اور تجارتی میدان میں باقی ہندوستان سے آگے تھے، زیادہ کے حقدار تھے

فرینچائز یعنی حق رائے دہی کے متعلق اس ایکٹ نے اچھا قدم اٹھایا۔ جوائنٹ کمیٹی نے اس میں پست اقوام کے مطالبات کا لحاظ کر کے اصول انتخاب میں نمایاں وسعت دے دی، لیکن ریاستوں کے باشندوں کو اس میں شریک نہ بنایا۔

عورتوں کو حق انتخاب دینے کا معاملہ جوائنٹ کمیٹی نے صوبوں کی حکومتوں کے رجحان پر چھوڑ دیا۔ ہر چند اس طرح یہ حق پامال تو نہیں ہوا مگر فرینچائز کے متعلق عام طور پر یہ تجویز کہ جس شخص کو چھ مہینے سے زیادہ سزا دی جائے وہ پانچ سال تک کونسلوں یا اسمبلی کے انتخاب سے محروم رہے، ایک ناانصافی تھی کیونکہ تخصیص نہ ہونے کی صورت میں وہ اشخاص بھی انتخاب سے محروم رہتے تھے جو دفعہ ۱۲۴ (ضمن ۱ ے) یا اسی قسم کی دوسری دفعات کے ماتحت سزایاب

ہوئے تھے اور ان میں ملک کے بعض قابل ترین اشخاص بھی آجاتے تھے، جو وقتاً فوقتاً انتظامی غلطیوں کا شکار ہوتے رہتے تھے۔ ہندوستان کے اہم معاملات کے تصفیہ کے لئے ایک پارلیمنٹری اسٹینڈنگ کمیٹی کا تقرر ہو گیا۔

لیگ کا اجلاس امرتسر ۱۹۱۹ء

دسمبر کے مہینے میں امرتسر میں مسلم لیگ کا بارہواں سالانہ اجلاس ہوا۔ کانگریس کا سالانہ اجلاس بھی وہیں منعقد کیا گیا۔ لیگ اور کانگریس کے یہ اجلاس ہندوستان کی تاریخ میں اپنی نوعیت کے لحاظ سے ایک مخصوص اہمیت رکھتے ہیں جنہوں نے اس وقت کے امرتسر کے نظارے دیکھے ہیں انکا بیان ہے کہ ہندوستان کی تاریخ ہندو مسلم اتحاد کے اس قدر شاندار نظارہ کی اتنی متاثر کن نظیریں یا مثالیں شاید ہی کبھی پیش کر سکے۔ ۲۵ دسمبر ۱۹۱۹ء کو آل انڈیا مسلم لیگ اور نیشنل کانگریس کے صدر مسیح الملک حکیم اجمل خاں صاحب بہادر اور پنڈت موتی لال نہرو کا مشترکہ جلوس نکالا گیا۔ امرتسر کے ریلوے اسٹیشن پر ہندو مسلمانوں کا اسقدر ہجوم تھا کہ کہیں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ جوق درجوق لوگ اپنے قومی لیڈروں کے استقبال کے لئے اسٹیشن پر امڈے آ رہے تھے۔ کانگریس کے صدر کا اسپیشل پہلے چکا تھا۔ صدر مسلم لیگ کا ہندو مسلمانوں نے پورے قلبی اشتیاق اور جوش کیساتھ استقبال کیا چاروں طرف سے پھولوں کی بارش اس طرح ہو رہی تھی کہ ریلوے اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر پھولوں کا فرش بچھا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ ۳ بجے کے قریب جلوس روانہ ہوا۔ لوگوں نے ایسے جوش سے چیئرز دیئے کہ گنبد آسماں گونج اٹھا۔ قومی نعروں کی پکاریں عجیب دلآویز کیفیت پیدا کر رہی تھیں۔ جلوس میں سب سے آگے ہندوستان کے مختلف حصوں سے آئے ہوئے والنٹیروں کے دستے تھے۔ ان کے بعد صدروں کی موٹر تھی۔ اس کے بعد پنڈت مالوی اور گاندھی جی کی موٹر تھی، پھر مسٹر جناح اور مسز بیسنٹ کی موٹر تھی۔ اس کے بعد حسن امام صاحب کی اور ان کے پیچھے موٹروں اور گاڑیوں کا ایک طویل سلسلہ تھا۔ جونہی صدروں کی موٹر ہال بازار میں داخل ہوئی جوش سے بھرے ہوئے لوگوں نے پھولوں کی بارش شروع کر دی۔ موٹر میں پھولوں کا انبار لگ گیا جوش وخروش

اور اظہار خلوص کے ایسے شاندار نظارے چشم فلک نے کم دیکھے ہوں گے۔

پہلی نشست

۲۹ر دسمبر کو اجلاس مسلم لیگ کی پہلی نشست ہوئی۔ شاندار بنا رے ماتیم ہال میں چاروں طرف آیات قرآنی کے کتبے لگے ہوئے تھے کہیں نصر من اللہ فتح قریب، کہیں اللہ اکبر۔ پلیٹ فارم پر علمائے امت اور ہندوستان کے تمام نمایاں ہندو مسلم لیڈر تھے۔ ابھی باقاعدہ کارروائی شروع نہ ہوئی تھی کہ ایک مژدۂ جانفزا سننے میں آیا۔

علی برادران کی رہائی کا مژدہ

چونکہ صاحب صدر کی تشریف آوری میں ابھی کچھ دیر تھی مولوی ثناء اللہ نائب صدر مجلس استقبالیہ نے ایک صاحب سے مولانا جامی کی وہ پُر کیف غزل شروع کرا دی جس کے مطلع کا پہلا مصرعہ یہ ہے۔ ع
ایں قدر مستم کہ از چشم شراب آید بروں۔ جونہی غزل ختم ہوئی میر مقبول محمود صاحب پلیڈر (امرتسر) نے ڈائس پر آکر بیان کیا کہ ڈاکٹر مختار احمد انصاری کا ایک تار آیا ہے جو آپ حضرات تک پہنچانا ضروری ہے۔ انہوں نے آپ کو خوشخبری دی ہے کہ ہمارے مشہور و محبوب رہبران قوم محمد علی شوکت علی رہا کر دیئے گئے ہیں۔ امید ہے وہ کل صبح امرتسر پہنچ جائیں گے۔

لیڈروں کی آمد

ٹھیک گیارہ بجے مسز پیر تاج الدین اور مسز اینی بیسنٹ پنڈال میں داخل ہوئیں۔ دس منٹ بعد ڈاکٹر کچلو پلیٹ فارم پر آئے ان کی آمد پر تحسین و آفریں کا ایک زبردست غلغلہ بلند ہوا۔ ہال کی فضا گونج اٹھی ان کے بعد گاندھی جی اور پنڈت مالوی پنڈت موتی لال نہرو وغیرہ لیڈران پنڈال میں آئے چیئرز سے ان کا استقبال کیا گیا۔ صاحب صدر کی آمد پر جلسہ گاہ میں اللہ اکبر کے پرزور نعروں سے فضا تھرا اٹھی۔ کارروائی ۱۲ بجے ایک حافظ قرآن کی تلاوت سے شروع ہوئی۔ اس وقت نہ صرف مسلمان بلکہ ہندو حاضرین اجلاس بھی سرو قد کھڑے تھے اور سب پر رقت کی کیفیت طاری تھی۔

حاذق الملک کا حکیمانہ خطبۂ صدارت

ڈاکٹر کچلو اور مولوی ثناء اللہ کے خطبات استقبالیہ کے بعد مسیح الملک نے اپنا خطبہ صدارت پڑھا اہم مسائل وقت خلافت و مقامات مقدسہ، ولدوز اور خونیں واقعات پنجاب اور گورنمنٹ آف

انڈیا بل ۱۹۱۹ء تھے۔ صدر مسلم لیگ نے سب سے پہلے واقعات پنجاب کو لیا۔ انہوں نے کہا۔
"ان سب واقعات کی ذمہ داری گورنمنٹ پر ہے جو رعایا پر اس کی خواہشوں کا لحاظ کئے بغیر حکمرانی کرتی رہی ہے۔ رولٹ ایکٹ کی مخالفت کونسل کے تمام ہندوستانی ممبروں نے کی نیز احتجاج کی صدائیں ہندوستان کے ہر طبقہ کی طرف سے بلند ہوئیں مگر حکومت نے وقار کی دیوی کی دلشکنی کے خیال سے ان تمام آوازوں کی طرف سے کان بند کر لئے۔

"جلیانوالہ باغ کے مجمع پر جنرل ڈائر نے بغیر تنبیہ کے بڑی بہادری اور جرأت سے حملہ کیا۔ انہوں نے تو موقع پر پہنچنے سے پہلے ہی یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ مجھے مجمع پر گولیاں چلانی ہیں انہوں نے شہادت دیتے ہوئے غرور اور فخر کے ساتھ یہ بھی کہا ہے کہ "میں نے گولیاں چلائیں اور اچھی طرح چلائیں"۔ کیونکہ ان کے خیال میں کم مقدار میں گولیاں چلانی بُری ہوتی ہیں۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے زخمیوں کے لئے کوئی انتظام نہیں کیا تھا اور نہ اس کی ضرورت تھی۔ ہاسپٹل کھلے ہوئے تھے اور زخمی وہاں جا سکتے تھے۔ ایسے فوجی افسروں کے لئے کمانڈر انچیف کو کچھ تعلیم گاہیں ایسی کھلوانی چاہئیں۔ جہاں سکھایا جائے کہ زخمی خود شفاخانوں میں نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ ان کی امداد نہ کی جائے۔ انہیں یہ بھی سکھایا جائے کہ دوسروں کی جانیں بھی قیمت رکھتی ہیں۔ اس لئے پہلے ہی سے یہ فیصلہ کر لینا کہ پہنچتے ہی گولی چلا دی جلائے گی۔ اور پھر اسے فخریہ بیان کرنا ایک منصف مزاج اور آئینی قوم کے فرد کے لئے قابل شرم اور لائق نفرین گناہ ہے۔

"نہایت رنج اور افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ جلیانوالہ باغ میں ایسی خون کی ندیاں بیباکی کے ساتھ بہائی گئیں کہ جس کا ہولناک نتیجہ یہ ہوا کہ صرف امرت سر میں پانچسو سے کچھ زیادہ اموات کا پتہ چلتا ہے۔ گو کونسل میں پنڈت مالویہ کو جواب دیتے ہوئے سرکاری اعداد ۲۹۰ تک پہنچے تھے۔ مگر ڈپٹی کمشنر امرت سر کی شہادت نے ان اعداد کو اس لطیف بیان کے ساتھ بے نقاب کر دیا (امرتسر میں تعدادِ اموات تین سو۔ چار سو یا پانچسو ہوگی (یہ سو سو کی ترقی خاص طور پر قابل لحاظ ہے) اسی بیان کی تائید خود جنرل ڈائر نے کی ہے اور کہا ہے کہ

فوج نے ۱۶۵۰ گولیاں چلائیں اور بہت ممکن ہے کہ ان سے چار سو یا پانچسو آدمیوں کی جانیں ضائع ہوئی ہوں۔ یہ ناقابل تاویل فائرنگ اور بھی افسوس کے قابل ہو جاتی ہے جب کہ یہ خیال کیا جائے کہ جلیانوالہ باغ کے مجمع کو بہت آسانی کے ساتھ بغیر گولی چلائے منتشر کیا جا سکتا تھا جیسا کہ خود جنرل ڈائر نے ہنٹر کمیٹی کے سامنے ایک سوال کے جواب میں اقرار کیا ہے "امرت سر کے واقعات میں خصوصیت کے ساتھ ایک اور بات ذکر کرنے کے قابل ہے کہ مارشل لا کے اعلان سے پہلے اس پر عملدرآمد شروع ہو گیا تھا۔ اس لئے کہ امرت سر میں یہ اعلان ۱۵۔اور ۱۶ کی درمیانی رات میں ہوا۔ ایسی حالت میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مارشل لا کے تحت میں ۱۱ تاریخ کے بعد جب کہ ڈپٹی کمشنر نے شہر وغیرہ کے انتظام کو جنرل ڈائر کے سپرد کر دیا تھا، جو کارروائیاں کی گئیں اور جو سزائیں لوگوں کو دی گئیں، وہ کس اصول اور قاعدہ کے تحت میں تھیں؟ اور کیا اس قسم کے صاف اور صریح بے اصول کام جن کے ساتھ ملک معظم کی رعایا کی پانچسو جانیں ضائع ہوئی ہوں، اتنی اہمیت بھی نہیں رکھتے کہ ان اشخاص کو جن پر خاص طور سے ذمہ داری عائد ہوتی ہے کم سے کم وہ سزائیں دی جائیں جن کے کہ وہ حقیقت میں مستحق ہیں۔

لاہور کے دردانگیز مظالم پر دو آنسو

پنجاب کے سابق لفٹننٹ گورنر نے یہی نہیں کیا کہ چند شہروں میں مارشل لا جاری کر کے ملک معظم کی بے دست و پا رعایا پر آفتیں نازل کیں بلکہ ایسے اشخاص کے ہاتھ میں مارشل لا کی باگ دیدی جیسے کہ امرت سر میں بریگیڈیر جنرل ڈائر اور لاہور میں کرنل جانسن تھے۔ کرنل جانسن نے جو شہادت ہنٹر کمیٹی کے سامنے دی ہے اس میں کہا ہے کہ سمری کورٹس کے ذریعہ سے ۲۷۷۔اشخاص پر مقدمے چلائے گئے جن میں سے ۲۰۸ کو سزائیں دی گئیں اور ۶۶ اشخاص کو ۸۰۰ بیدیں لگائی گئیں۔ ان میں سے بعض وہ لوگ بھی ہیں جنھیں یہ سزا پبلک جگہوں میں دی گئی اور انہوں نے اسی سلسلہ میں یہ بھی اظہار کیا کہ سزا کا یہ طریقہ نہایت مہربانی آمیز ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ مارشل لا کو لوگ

پسند کرتے تھے اور امن قائم کرنے کے لئے میرا شکریہ ادا کرتے تھے۔ لیکن یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے مہربانی سے بھری ہوئی سزا سے فائدہ حاصل نہیں کیا ہوگا۔ ورنہ اس بیان کے ظاہر کرنے کی جراُت غالباً نہ کرتے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ ۱۰ر تاریخ کو جو گولیاں مال روڈ پر آٹھ ہزار کے مجمع پر چلائی گئیں اس میں صرف ایک آدمی مارا گیا اور ۵ یا ۶ اشخاص زخمی ہوئے جس کی وجہ یہ تھی کہ پولیس کی مشق تیسرے درجے سے بھی کم تھی۔

"کرنیل سے افسوس ہے کہ ہنٹر کمیٹی کے کسی ممبر نے یہ سوال نہیں کیا کہ اگر چند ایسے اشخاص جنہوں نے اتفاق سے کبھی گولی نہ چلائی ہو ۸ ہزار کے مجمع پر فائر کریں تو اس کا کیا نتیجہ ہو سکتا ہے؟ غالباً اس سوال کے جواب میں کرنیل صرف ایک ہی بات کہہ سکتے تھے کہ ایسی حالت میں کوئی ایک شخص بھی زخمی نہیں ہو سکتا۔ کرنیل جیل کو بہت پسند کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ غیر معمولی طور سے آرام کی جگہ ہے۔ اگر واقعی جیل ایسی آرام کی جگہ ہے تو کرنیل کے لئے یہ زیادہ مناسب ہوتا کہ وہ اس آرام کی جگہ کے لئے اپنے ان دوستوں کو پسند کرتے جنہوں نے مارشل لا کی پسندیدگی کا اظہار ان کے سامنے کیا تھا اور جوان کا شکریہ ادا کرنے آئے تھے۔" اسی طرح آپ نے دیگر مقامات پنجاب کے مظالم پر روشنی ڈالی۔ اور ذمہ دار افسران کے طرز عمل پر سخت نکتہ چینی کرتے ہوئے یہ نتیجہ نکالا کہ دہلی و پنجاب کے واقعات حکومت کی مسلسل غلطیوں کا نتیجہ تھے۔ اول تو رعایا کی مرضی کے خلاف رولٹ ایکٹ پاس کیا گیا۔ پھر رعایا نے اس کے خلاف احتجاج میں زبان کھولی تو اس کی آواز کو جبراً بند کرنے کی کوشش کی گئی اور وہ معمولی سختی سے بند نہ ہوئی تو حکومت کھلے تشدد پر اتر آئی پھر ہنٹر کمیٹی مقرر کی مگر انڈمنٹی ایکٹ منظور کر کے اسے مفلوج کر دیا اور افسران حکومت کو باز پرس سے محفوظ کر دیا۔ آپ نے کہا "اگر پنجاب کی سیاسی زندگی کا خاتمہ ہو جائے گا تو سر مائیکل اوڈوائر کو اپنے نقطۂ خیال سے فخر کرنے کا موقع مل سکے گا لیکن اگر پنجاب میں سیاسی زندگی کا صحیح طور پر اس کے بعد آغاز ہوا تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ جو تلخ قطرے انہوں نے پنجاب کے گلے میں ٹپکائے تھے وہ اس کے لئے واقعی آب حیات کی بوندیں تھیں۔" ریفارمز اسکیم کے متعلق کہا "جب تک سنٹرل گورنمنٹ میں ہندوستانیوں کی

آواز موثر نہ ہوگی اور جب تک انتظامات ہندوستانیوں کے ہاتھوں میں نہ ہوں گے اس وقت تک ہم جلیانوالہ باغ کے قتل عام اور گوجرانوالہ پر بمباری کے مناظر مکرر دیکھنے سے چھٹکارا ہرگز نہیں پا سکتے۔" آپ نے جوائنٹ کمیٹی کی سفارشات پر جو ریفارمز بل پر غور کر کے اپنی رائے ایک رپورٹ کی شکل میں پیش کرنے کے لئے مقرر کی گئی تھی ایک تنقیدی نظر ڈالی اور کہا "جب تک صاف طور یہ وعدہ نہ کیا جائے کہ ہندوستان کو ۱۵ یا ۲۰ برس میں سیلف گورنمنٹ دیدی جائے گی اس وقت تک ریفارمز اسکیم کے جھوٹے تحفے کی قدر نہیں کی جا سکتی" مجموعی طور پر ہندو مسلم اتحاد کا مسئلہ اس وقت بڑی خوبصورت شکل اختیار کر گیا تھا۔ آپ نے اسے ہندوستان کی ترقی کا راز اور کامیابی کے دروازے کی کنجی بتایا۔ اس سلسلے میں مذہب یا قومیت کا اختلاف۔ ملازمتوں کا سوال اور سیاسی حقوق کا مسئلہ قابل لحاظ تھے۔ آپ نے کہا کہ سیاسی حقوق کے مسئلہ کو لیگ اور کانگریس نے ۱۹۱۶ء میں بڑی حد تک طے کر لیا ہے اور جو کچھ اور ان دونوں جماعتوں کو طے کرنا ہے وہ بھی بآسانی کسی مناسب وقت پر طے ہو جائے گا۔ مذہب کا اختلاف باقی ہے مگر اس سے ہندو مسلمانوں کے اس اتحاد پر کوئی اثر نہیں پڑتا جس کی خواہش اس وقت ملک کے سچے خادموں کے دلوں میں عام طور پر پائی جاتی ہے۔ البتہ آپ نے گاؤکشی کے مسئلہ پر ذرا وضاحت سے روشنی ڈالی۔ آپ نے بتایا کہ ہندو بھائی گزشتہ ایام میں انسداد ذبیحہ گاؤ کے لئے جو طریقے اختیار کر رہے ہیں وہ ضرور قابل اعتراض تھے مگر اب جبکہ ہندو خلافت ایجی ٹیشن میں مسلمانوں کا ساتھ دے رہے ہیں مسلمانوں کو بھی ان کی طرف محبت اور اخلاص کا قدم بڑھاتے ہوئے گائے کی قربانی سے باز رہنا چاہیئے کیونکہ ہندو اس جانور کو مقدس و متبرک سمجھتے ہیں اور گائے کی جگہ بکری کی قربانی کر لینی چاہیئے۔

مسئلہ خلافت و مقامات مقدسہ

مسلمانوں کے لئے وقت کا اہم ترین مسئلہ سلطنت عثمانیہ کے مستقبل اور خلافت مقامات مقدسہ کی حفاظت کا تھا مسیح الملک نے خطبۂ صدارت کا تقریباً نصف حصہ اسی مسئلے پر صرف کیا۔ انھوں نے مسئلہ خلافت کی اہمیت اور تاریخ پوری تفصیل سے بیان کی اور پھر کہا "ہم سے وعدہ کیا گیا تھا کہ مقامات مقدسہ پر اس لڑائی کا کوئی اثر نہیں پڑے گا لیکن اب یہ تمام مقامات اسلامی ہاتھوں سے نکل کر غیر مسلم ہاتھوں

میں آگئے ہیں۔ اس پر بھی مسلمانوں سے یہ خواہش کی جاتی ہے کہ وہ سمجھیں کہ اس وعدے کے خلاف کام نہیں کیا گیا ہے۔ ہم گورنمنٹ کو صاف بتا دینا چاہتے ہیں کہ مسلمان مکہ اور مدینہ کو اسلامی ہاتھوں میں نہیں سمجھتے کیونکہ خود شریف مکہ غیر مسلم ہاتھوں میں ہے۔

"تمام دوران جنگ میں اتحادیوں کی طرف سے اغراض جنگ کے متعلق بیسیوں مرتبہ ان باتوں کو دوہرایا گیا تھا کہ (۱) یہ لڑائی حق اور انصاف کے لئے ہے (۲) یہ لڑائی چھوٹی اور کمزور قوموں کی آزادی کے لئے لڑی جارہی ہے (۳) یہ لڑائی مذہبی نہیں ہے۔ اس لئے عدل وانصاف کے اصول تمام قوموں میں بغیر قومیت اور مذہب کے لحاظ کے یکساں طور پر جاری کئے جائینگے (۴) اس لڑائی میں کسی قوم پر ظلم روا نہ رکھا جائے گا۔ بلکہ اس کا یہ مقصد بتایا گیا کہ ظلم کو دور کرنے کے لئے یہ لڑائی شروع کی گئی ہے۔ (۵) اور یہ بھی ظاہر کیا گیا تھا کہ مفتوح قوموں پر تشدد نہیں کیا جائے گا بلکہ ان کے جائز حقوق کا لحاظ رکھا جائے گا۔ (۶) اس جنگ کے متعلق یہ بھی بار بار کہا گیا کہ اس سے ملک گیری مقصود نہیں ہے۔ جن لوگوں نے یہ باتیں دنیا کے سامنے پیش کی ہیں ان کا فرض ہے کہ موجودہ واقعات کی روشنی میں ان کے معنی اب دنیا کو بتائیں۔ وہ سمجھائیں کہ یونان کو سمرنا وغیرہ دینا، شام کو فرانس کے سپرد کرنا، عراق انگلستان کے حوالہ کرنا۔ کس وعدہ کو پورا کرنے یا توڑنے سے تعلق رکھتا ہے؟ وہی بہتر بتا سکتے ہیں کہ سلطنت عثمانیہ یا اسلام کے حقوق کے ساتھ انھوں نے کیا کیا؟ اور اسلامی قوموں پر کوئی ظلم یا تشدد کسی جگہ کیا گیا یا نہیں؟ وہی دنیا کو بہتر طریقہ کے ساتھ سمجھا سکتے ہیں کہ عدل وانصاف کے اصول بغیر قومی اور مذہبی تفریق کے کس کس قوم میں جاری کئے گئے؟ وہ کچھ بتائیں یا نہ بتائیں دنیا سب کچھ سمجھ رہی ہے اور وہ جانتی ہے کہ ان تمام باتوں کی اصلیت کیا ہے۔ بہت افسوس ہے کہ اس اعتبار کو جو انگلستان کا ایشیا میں ہونا چاہیئے تھا خود اس کے ذمہ دار وزراء نے نقصان پہنچانے کا معلوم ہوتا ہے کہ ارادہ کر لیا ہے۔ اور اب ایشیائی قومیں بھی آمادہ نظر آتی ہیں کہ اس قسم کے وعدوں پر اتنا ہی بھروسہ کریں جتنا کہ ایسے حالات میں انہیں کرنا چاہیئے۔

"پریسیڈنٹ ولسن کے مشہور چودہ اصول جنھیں ترک اور دوسری قوموں نے وقفہ جنگ

کے لیے بطور اصول کے تسلیم کیا تھا، اب کہاں ہیں؟ ترکی کے متعلق وہ دفعہ کیوں بے حس و حرکت معلوم ہوتی ہے جس میں یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ ترکی اصلی علاقہ پر ترکوں کا شاہی اقتدار برابر قائم رہیگا اور ان حصہ ہائے ملک کو جو ٹرکی کے ساتھ وابستہ ہیں اندرونی آزادی ٹرکی کی زیر نگرانی دلائی جائے گی۔ کہاں ہے وہ دفعہ جو قوموں کو حق انتخاب حکومت دلا رہی تھی؟ جن لوگوں نے اس دفعہ کو پڑھا ہے وہ شام کی قومی مجلس کی روئداد پڑھ لیں جس میں بہت بلند آواز سے اپنی آزادی کا وہ لوگ مطالبہ کر رہے ہیں لیکن ان کی آواز کو سننے والے کان بند ہیں شام کی آبادی کا بڑا حصہ اپنے استقلال کے لیئے آواز اٹھا رہا ہے۔ لیکن فرانس کی خوشنودی خاطر کو مقدم سمجھکر شام کی باگ اس کے ہاتھوں میں دیدی جاتی ہے۔ کیا یہ "حق انتخاب" کی کھلی توہین نہیں ہے؟ سلطنت عثمانیہ کے لیے علم برداری کی تجویزیں زور شور کے ساتھ پیش کی جا رہی ہیں اور بلگیریا جیسی ادنی اور پست قوم کو اس قابل سمجھا جاتا ہے کہ وہ بالکل آزاد رہے اور نہ تنہا آزاد رہے۔ بلکہ باوجود اس کے کہ وہ اسی طرح جرمنی کے ساتھ لڑی جس طرح کہ ترک لڑے تھے اُسے سمندر تک آنے کے لیے رستہ بھی دیا جاتا ہے

"یہ وزراء یاد رکھیں کہ اسلام کے ساتھ ان کی موجودہ پالیسی اور ان کی اس قسم کی سخت غلطیاں ۱۲ کروڑ وفادار مسلمانوں کی دل آزاری کا سبب ہی نہیں ہیں۔ بلکہ دنیائے اسلام میں ایک ایسا بیج بو رہی ہیں جس کا خراب اثر یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ خوش گوار نہیں ہوگا۔"

ایران و انگلستان کا معاہدہ

ہندوستان کے مسلمانوں کے دل ٹرکی کے حالات سے شکستہ ہو رہے تھے کہ انگلستان اور ایران کے معاہدہ نے ایک اور اسلامی سلطنت کی آزادی کے خاتمہ کی خبر ان کے کانوں تک پہنچا کر ان کی مایوسی کو انتہا تک پہنچا دیا۔ ایران وہ ملک ہے جس نے اپنے دورِ ترقی میں علم اور شایستگی ہندوستان کے مسلمانوں میں بھی پھیلائی۔ اس زمانہ سے لیکر آج تک ہندوستان کی اسلامی آبادی ایران کی خصوصیت کے ساتھ ممنون احسان ہے اور اس کی معاشرت اس کا تمدن اس کی روایات اور اس کے درسی علوم اس بات کے لیئے اسے مجبور کرتے ہیں کہ وہ ایران کو "پرانے محسن استاد"

کے لقب سے ہمیشہ یاد کرے۔ ایران، انگلستان اور روس کی کششوں اور کوششوں کی کشمکش کا سالہا سال تک جولانگاہ رہا ہے اور اسی وجہ سے اس کے آخری دور میں جو ترقی کی امیدیں اس کے ساتھ وابستہ ہوئی تھیں وہ پامال ہوگئیں۔

"اس کی اقتصادی ترقی کی امید اس کے ہوا خواہ مسٹر شوستر کے ہٹا دینے سے پامال ہوگئی تھی اور اُس کی سیاسی آزادی کا خاتمہ روس اور انگلستان کے ۱۹۰۷ء کے معاہدہ سے ہو چکا تھا۔ لیکن یوروپ کی عظیم الشان جنگ نے ایران کے اس معاہدہ کو بیکار کر دیا۔ اسلئے کہ کرنسکی کی گورنمنٹ نے اسے ندسوم قرار دیا۔ روس کی دست برداری اگر انگلستان کی دست برداری کے ساتھ ہوتی تو یہ ایران کے لئے سب سے بڑی نعمت ہوتی۔ لیکن انگلستان کے ذمہ دار مدبر جنگ کے نتائج تک پہنچنے کا انتظار کر رہے تھے اور جیسے ہی کہ جنگ کے بہتر نتائج ان کے سامنے آنے لگے وہ ایران کی طرف بھی توجہ کرنے لگے جس کے نتائج اس نئے معاہدہ کی صورت میں ہمیں آج نظر آ رہے ہیں۔ ایران ایشیا کا مصر بن گیا۔ اس بات کا تو امکان پیدا ہو گیا کہ انگریزی سرمایہ داروں کی ریلیں ایران میں جاری ہو جائیں گی اور موٹروں کے لئے سڑکوں کی تعمیر کا سلسلہ بھی جاری ہو جائے گا۔ محصول اور ٹیکس کی وصولی کا انتظام بھی قابل اطمینان ہو جائے گا۔ رشوت لینے والے اشخاص اپنے آپ کو زیادہ آزاد نہیں پائیں گے زراعت بھی بہتر حالت میں آجائے گی تیل کے کنوئیں اب سے زیادہ منتظمین کی کوشش حاصل کرنے لگیں گے۔ لیکن یہ بھی نظر آنے لگا کہ ان تمام چیزوں میں ایران کے ہاتھ پاؤں باندھے جائینگے آئندہ کیلئے ایران کو سیاسی آزادی کے خیال کو چھوڑ دینا پڑے گا۔ ملکی سرمایہ سے اپنے ملک میں کام کرنے اور اس سے اقتصادی فائدے حاصل کرنے سے محروم ہونا پڑے گا۔ وہ اپنی تعلیم کو ایک نہایت ہی معمولی حالت میں رکھنے کے لئے مجبور رہے گا۔ اور اپنے ملکی عہدہ داروں پر ذمہ داری کا بوجھ اسے بہت کم ڈالنا پڑے گا جس کا یہ نتیجہ ہوگا کہ وہ ماہرین کے لئے صرف ایک ہی سلطنت پر بھروسہ کرتا رہیگا اور اس کی حقیقی آزادی سلب ہو جائے گی۔

اُس معاہدہ کی پہلی دفعہ جہاں تک اس کا معاہدہ کے کاغذ کے ساتھ تعلق ہے، ایران

کی آزادی اور صیانت برقرار رکھنے کے لئے انگلستان کی گورنمنٹ پر ایک قسم کی ضمانت کا بوجھ ڈالتی تھی۔ لیکن دوسری اور تیسری دفعہ میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ ایرانی حکومت کے تمام شعبوں کے لئے جس میں فوج اور مال بھی داخل ہے برٹش گورنمنٹ مشیر اور ماہر فن مہیا کرے گی۔ جن کی تنخواہیں ایران ادا کرے گا۔ یہ ظاہر ہے جب برٹش گورنمنٹ ایران کے مال فوج اور دوسرے شعبوں پر اپنے ماہرین فن مقرر کرے گی۔ تو ایران کی وہ آزادی کس طرح برقرار رہ سکے گی۔ جس کا پہلی دفعہ میں حوالہ دیا گیا ہے۔

تیسری دفعہ ایران کی اس زحمت کو کم کرنے والی ہے جو اسے جا بجا اسلحہ کی فراہمی میں پیش آتی۔ یہ خدمت بھی گورنمنٹ انگلستان نے اپنے ہاتھ میں لے لی اور ایران کی گورنمنٹ کو اس انتظام سے بھی سبکدوش کر دیا ہے۔ برطانیہ نے سلطنت ایران کو ۲ کروڑ روپیہ باقساط دینے کا وعدہ کر لیا ہے جس کا سود ۷ فیصدی ہوگا اور بطور اس قرضہ کی کفالت کے مختلف محاصل پر اس کی نگرانی اور اقتدار ہوگا۔ برٹش گورنمنٹ پر یہ بوجھ بھی اس معاہدہ نے ڈالا کہ وہ ریلوے اور باربرداری کے دوسرے ذرائع کے متعلق بھی ایران کے ساتھ مل کر جدوجہد کرے تاکہ ایران میں آمد و رفت کا سلسلہ بہتر حالت میں ہو جائے۔ سر پی کاکس نے ایرانی گورنمنٹ سے یہ بھی طے کیا کہ ایک طرف ہز میجسٹی شاہ کی گورنمنٹ سے ان انگریزی فوجوں کے قیام کے اخراجات کا دعویٰ نہ کرے گی جو اس کی غیر جانب داری کی حفاظت کی غرض سے مامور کی گئی تھیں اور دوسری طرف ایرانی گورنمنٹ انگریزی گورنمنٹ سے اس نقصان کا تاوان نہیں لے گی جو افواج انگریزی کے قیام سے ایرانی علاقوں کو پہنچا ہوگا۔ اگر ایران نے اس فوج کے لئے اپنی غیر جانبداری کی حفاظت کی غرض سے گورنمنٹ برطانیہ سے درخواست کی تھی تو یہ بالکل صحیح ہے کہ وہ اپنے برباد شدہ علاقوں کے تاوان کا مطالبہ نہیں کر سکتی اور اس حالت میں اس فوج کے مصارف کا بار ایرانی خزانہ پر نہ ڈالنا ایک احسان سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس فوج کا ایران میں اگر اس لئے قیام تھا کہ ہندوستان کو خطرہ سے محفوظ رکھے اور عراق میں گورنمنٹ کی فوجی پیشقدمی پر ایران کی طرف سے دوسری قومیں اثر نہ ڈالیں

تو یہ ظاہر ہے ایران کے حق میں یہ فیصلہ انصاف پر مبنی نہیں۔

مسلمانوں کی بے چینی اور خلافت کمیٹیاں

حاذق الملک نے اپنی صدارتی ایڈریس میں سلطنت عثمانیہ اور اسکے متعلق میں یہ بات صاف صاف بتادی کہ دولت عثمانیہ اور اس کے متعلق اہم مسائل دولتِ ایران اور اس کی آزادی کی پامالی یہ تمام وہ چیزیں ہیں جن کی وجہ سے دنیائے اسلام بے چین نظر آرہی ہے۔ انہوں نے کہا "میری حقیر رائے ہے کہ یہ وہ بے چینی ہے جسے میں عارضی جوش پر مبنی نہیں سمجھتا بلکہ یہ خیالات مذہب کے ساتھ گہرے طور پر وابستہ ہیں اس لئے میرا خیال ہے کہ ان کا عارضی طور پر کم ہو جانا ہمیں یہ نہیں سمجھا سکتا کہ یہ دلوں سے محو ہو گئے ہیں۔ اور جب کبھی مذہبی احکام اور گورنمنٹ کی خواہش میں تصادم ہوگا تو ان کا پہلا فرض اپنے مذہبی احکام کی پابندی ہو سکتی ہے میری دعا ہے کہ خلافت کمیٹیاں اپنے مقاصد میں جلد کامیاب ہوں تاکہ انھیں ہمیشہ رکھنے کی ضرورت نہ ہو"

ہندوؤں اور گاندھی جی کا شکریہ

آخر میں انھوں نے ہندوؤں اور گاندھی جی کا شکریہ ادا کیا کہ انھوں نے مسئلے خلافت میں مسلمانوں سے ہمدردی ظاہر کی اور اپنے خطبہ کو ان الفاظ پر ختم کیا۔ "آج ہندوستان میں کوئی شخص بھی یہ شبہہ نہیں کر سکتا کہ مسلمان ان فرائض سے آگاہ نہیں ہیں جو ان پر مادر وطن کی طرف سے بطور ایک فرض کے ہیں کہ ہم اسی خاک ہند سے پیدا ہوئے ہیں اور ہم ان تمام فرائض کو جو ہماری زادبوم ہم پر عائد کرتی ہے نہ صرف اچھی طرح سمجھتے ہیں بلکہ دلی جوش کے ساتھ ان کے ادا کرنے کے لئے اپنے ہندو، عیسائی، پارسی اور دوسرے بھائیوں کے ساتھ آمادہ ہیں۔

"ہندوستان کے لئے اس کے نادیدہ استقبال میں وہ عظمت اور شان پنہاں ہے کہ اس کے ماضی کا زیادہ سے مہتم بالشان زمانہ بھی اس کے مقابلہ میں کم اور حقیر نظر آتا ہے آیئے اب ہم سب متحدہ طاقت کیساتھ اپنے ہاتھ بڑھائیں اور مستقبل کے چہرہ سے جو ہمارے ذہنی مگر اعلی تخیل کے ساتھ وابستہ ہے نقاب ہٹانے کی خلوص دل سے کوشش کریں۔"

ترمیم شدہ قواعد ضوابط پر بحث

خطبۂ صدارت کے بعد سب سے پہلے ترمیم شدہ قواعد ضوابط منظوری کے لئے پیش ہوئے دفعہ (۱) میں انجمن کا نام آل انڈیا مسلم لیگ رکھا گیا۔ مولانا ابوالقاسم نے یہ چاہا کہ پورا نام عربی زبان میں ہو مگر بحث و مباحثہ کے بعد پہلا ہی نام برقرار رکھا گیا دفعہ (۲) میں جا اغراض و مقاصد تھے۔
(الف) تاج برطانیہ کے ساتھ باشندوں کے خیالات وفاداری کو قائم رکھنا اور انہیں ترقی دینا۔
(ب) مسلمانانِ ہند کے سیاسی حقوق اور مفادات کی حفاظت و ترقی (ج) مسلمانوں اور ہندوستان کی دوسری قوموں کے درمیان اتحاد و دوستی کو ترقی دینا (د) قانونی ذرائع سے ایسی خود اختیار حکومت حاصل کرنا جو ہندوستان کے مناسب حال ہو۔

مسٹر جناح کا صائب مشورہ

جب اغراض و مقاصد پر رائے لی جانے لگی تو لمبی بحثیں چھڑ گئیں۔ مسٹر جناح نے جو اس وقت ترکی ٹوپی زیب سر کئے ہوئے تھے اسٹیج پر آکر یہ صائب رائے دی کہ ترمیمات بہت سوچ سمجھ کر کی گئی ہیں ان پر بحث کرنے میں وقت ضائع کرنے سے اصل کام رہ جائے گا۔ آپ کے بعد مسٹر برکت علی نے تقریر کی۔ ظہر کے وقت تک اغراض و مقاصد ہی پر بحث ہوتی رہی۔ ۳ بجے جب دوسری نشست ہوئی تو حکیم اجمل خاں نے یہ طے کیا کہ قواعد ضوابط کا مسودہ ایک کمیٹی کے سپرد کر دیا جائے جو اس پر غور کرے اور کل صبح کے ایک خاص جلسے میں جس میں صرف ممبران لیگ شامل ہوں گے اسے پیش کر کے منظور کرالے۔

حکومت مسئلہ خلافت میں دخل نہ دے

سندھ میں بعض سرکاری افسران نے مسئلہ خلافت کے بارے میں پبلک کے جذبات کو دبانے کی کوشش کی تھی۔ اس پر اجلاس میں زبردست احتجاج کیا گیا۔ گورنر بمبئی نے ایک اعلان کیا تھا جس میں عمال حکومت کو خلافت کے مسئلہ میں دخل اندازی سے باز رہنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ اس پر گورنر بمبئی کا شکریہ ادا کیا گیا۔ ۱۹۱۰ء سے جو تجویز تحفظ حقوق کے بارے میں مختلف صورتوں میں پیش ہوتی چلی آرہی تھی وہ اس اجلاس

میں بھی پیش ہوئی۔ اس میں سرکاری ملازمتوں اور یونیورسٹیوں میں مسلمانوں کو معقول اور مناسب حصہ دیئے جانے، اردو زبان اور فارسی کا رسم الخط قائم رکھنے اور مسلمانوں کے مذہبی رسوم ورواج کے قیود سے آزاد رہنے پر زور دیا گیا تھا۔ محرک مسٹر مسعود الحسن نے بتایا کہ ہندوؤں سے ہمارا اتفاق ہے اور اس تجویز کا مقصد ان باتوں کو ختم کرنا ہے جن سے گورنمنٹ ہندو مسلمانوں کو آمادۂ پیکار کرتی ہے۔ آغا محمد صفدر صاحب نے اس کی مخالفت کی

آغا محمد صفدر تحفظ حقوق مسلمانان ہند کی مخالفت میں

انہوں نے کہا "ہمیں ایسے مطالبات کی ضرورت نہیں۔ ہم گورنمنٹ سے کیوں التجا کریں۔ ہندوؤں ہی سے کیوں نہ سمجھوتہ کر کے باہمی طور پر اپنے معاملات کا تصفیہ کر لیں۔ ہم ۱۹۱۶ء میں ہندوؤں کے ساتھ مل کر تقسیم کر چکے ہیں اس وقت جبکہ متحدہ قومیت کا آغاز ہو چکا ہے وہی کرنا آسان ہے۔ ہمارے مطالبے کے چار جز ہیں؛ اول یہ کہ ہمارے گلے میں غلامی کا طوق پڑا ہوا ہو حالانکہ ہم سرکاری ملازمتوں میں رہ کر قوم کا ساتھ نہیں دے سکتے۔ دوسرا یونیورسٹیوں کا معاملہ ہے۔ مگر کونسلوں کی طرح اس معاملے میں بھی ہندوؤں سے سمجھوتہ کر لینا چاہیئے، حکومت سے استدعا کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اسی طرح میں اُردو زبان کا حامی ہوں۔ مگر میں نہیں چاہتا کہ حکومت سے التجا کی جائے کہ محکموں اور دفتروں میں اردو زبان میں کارروائی کرنے کا سرکاری حکم دیں۔ چوتھا مسئلہ مذہب سے تعلق رکھتا ہے۔ اگر گائے کی قربانی ترک کرنے کی تجویز کو عملی جامہ پہنا دیا گیا تو تمام فسادات رفع ہو جائیں گے"۔

نور محمد احمد (بمبئی) نے کہا: "جو صاحب تجویز کے خلاف بولے ہیں انہوں نے آنے والے زمانے کو نظر انداز کر دیا ہے۔ کہا گیا ہے کہ ہمیں آپس میں تصفیہ کرنا چاہیئے۔ ٹھیک۔ مگر تصفیہ اس وقت ہوگا جب اس پر ہمارا اقتدار ہوگا۔ ابھی تو یہ معاملہ گورنمنٹ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس لئے ہم گورنمنٹ ہی سے اپنے حقوق کا مطالبہ بھی کر سکتے ہیں"

علی برادران کی آمد

اسی دوران میں علی برادران جلسہ گاہ میں تشریف لے آئے اور پنڈال اللہ اکبر کے نعروں سے گونجنے لگا۔ وہ کانگریس کے اجلاس میں تقریر کر کے آ رہے تھے جہاں محمد علی نے ایک پُر جوش تقریر میں کہا تھا کہ میں ہندوستان کی آزادی کے لئے ساری عمر کے واسطے نظر بند ہونے کو تیار ہوں اسٹیشن سے کانگریس کے پنڈال تک ان کا شاندار جلوس بڑی شان سے لایا گیا تھا اور پنڈت مالویہ گاندھی جی اور صدر کانگریس پنڈت موتی لال نہرو نے ان کا پر تپاک خیر مقدم کیا تھا۔

حکیم اجمل خاں صاحب نے ان کے لیگ میں تشریف فرما ہونے پر تجویز کی بحث کو ملتوی کر کے علی برادران کا خیر مقدم کیا۔ ڈاکٹر محمد اقبال نے ان کی شان میں یہ قطعہ پڑھا۔

ہے اسیری اعتبار افزا جو ہمت ہو بلند — قطرۂ نیساں ہے دامان صدف سے ارجمند

مشک از فر چیز کیا ہے اک لہو کی بوند ہے — مشک بنجاتی ہے ہو کر نافۂ آہو میں بند

ہر کسی کی تربیت کرتی نہیں قدرت مگر — کم ہیں وہ طائر جو ہیں دام وقفس سے بہرہ مند

"شہپر زاغ و زغن در بند قید و صید نیست

ایں سعادت قسمت شہباز و شاہیں کردہ اند" (حافظ)

مولانا شوکت علی کی تقریر

انہوں نے کہا: افسوس ہے کہ دینی معاملات میں ہم نے مصلحت سے کام لیا۔ جو ہماری ضمیر فروشی کے علاوہ خسر الدنیا والآخرہ ہے۔ ہم رشتہ ناطہ کرتے ہیں ٹیکس دیتے ہیں۔ غرضکہ سب دنیوی کاموں میں مصلحت کا لحاظ رکھ سکتے ہیں۔ اُن کے کرنے کے لئے حسب پسند صورت اختیار کر سکتے ہیں۔ مگر جہاں خدا اور رسول کا معاملہ ہو وہ نہیں چھوڑ سکتے۔ چونکہ اس بارہ میں ہم نے خاموشی اختیار کی اور مصلحت وقت کو مدِنظر رکھا۔ اس لئے جو کیا سو گناہ کیا۔ آپ کا رزولیوشن بدیں غرض پاس کرنا کہ گورنمنٹ سے درخواست کی جائے فضول ہے۔ آپ سوچ لیجئے کہ ان باتوں سے کیا

نتائج مرتب ہونگے وہی جو پہلے ہوئے۔ آہ! میرے ساتھ جو حکومت کی طرف سے غیر منصفانہ برتاؤ روا رکھا گیا۔ میں اس کا ہر طرح مستحق تھا۔ کیونکہ میں نے اپنے منصبی فرائض میں کوتاہی کی۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج ہم دیکھتے ہیں کہ تمام مقدس مقامات ہمارے قبضے سے نکل چکے ہیں۔ اگر ہم نے صاف صاف کہہ دیا ہوتا۔ اور مصلحت وقت کی پرواہ نہ کی ہوتی تو آج یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ ہمارے بڑے بڑے علماء قید میں تھے۔ اور وہ کچھ نہیں کر سکتے تھے ہم نے اس دوران میں وفاداری کی تجاویز پاس کیں لیکن سب بے سود۔ خدا سے منھ موڑ کر جو نتیجہ ہوا وہ ظاہر ہے اگر آپ چاہتے ہیں کہ اسلام کی گئی ہوئی عظمت بحال ہو۔ خزاں رسیدہ گلشن میں بہار اسلام کی تازگی آئے تو مصلحت کو چھوڑ دیئے۔ خدا سے مُنھ موڑ کر زندہ رہنے یا مرنے کے بجائے قید اچھی ہے طرابلس اور بلقان کا زمانہ آپ کو یاد ہے۔ ہماری شیخیاں اور مشورے کس قدر بالا تھے۔ اور ان کے مقابلہ میں غریب ترکوں کو دیکھیئے جو اماکن مقدسہ کی حفاظت کے لئے لڑتے رہے۔ انھوں نے بھوک کی پیاس کی کوئی پرواہ نہ کی وہ محض اسلام کے لئے لڑے۔ اور جان و مال سے قربان ہو گئے۔ کیا آج کوئی بہتر سے بہتر اور متقی سے متقی شخص دعوے سے کہہ سکتا ہے کہ نہتے ترکوں کے مقابلہ میں ہم نے دین کی کیا خدمت کی ہے؟ اس کا جواب عملاً نفی میں ہوگا۔ پس میرے خیال میں ہمیں صاف صاف کہدینا چاہیئے کہ ہم خدا و رسول کی منشاء اور اُنکے احکام کے مطابق کام کرینگے تو ہمیں اتفاق ہے۔ ورنہ مخالفت۔ وہ عالم جو خدا سے ڈرتے ہیں وہ بیان فرمائیں کہ اس مسئلہ میں ان کی کیا رائے ہے۔ میں نے ایک موقع پر صاف کہدیا تھا کہ میرے مسلمان بھائی اس رائے میں شامل ہیں کہ ہمارے بھائی کامیاب ہوں مسلمانوں کے کسی عالم سے پوچھ لو کہ اگر خلیفۃ المسلمین اعلان جہاد کرے تو وہ کیا رویہ اختیار کر سکتا ہے میری خیال میں وہ صاف جواب دیگا کہ اگر اسے مذہبی آزادی کامل حاصل ہے تو وہ اس اعلان کی قدر کریگا۔

اور اگر آزادی نہ ہو تو وہ کہیگا کہ میں ماتحت نہ رہوں گا پس جہاد ہمارا جزو ایمان ہے۔ اس وقت سب مسلمان مرد و عورات کا فرض ہے کہ وہ صاف کہدیں کہ ہمارے اماکن مقدسہ میں سے اگر ایک انچ جگہ بھی اغیار کے قبضہ میں جائیگی تو ۹ کروڑ مسلمان چین سے نہ بیٹھینگے اور نہ بیٹھنے دیں گے۔ (اس پر آواز آئی کہ ہندو بھی اس میں شامل ہیں) ہم گورنمنٹ کے طرفدار ہیں۔ اور اُس کی عزت و سلطنت کی حفاظت کے لئے مخالف سے مقابلہ کرنے کو تیار ہیں۔ مگر مقدس مقامات کو ایک انچ نہ دینگے۔ پس صاحبان ان زبانی باتوں کو چھوڑیئے اور صاف کہدیجئے کہ اگر ہماری خواہش کے مطابق فیصلہ کیا گیا تو بہتر ورنہ ہم سے موافقت کی پھر تمنا نہ رکھیئے۔ میں چاہتا ہوں کہ ایک وفد خلیفۃ المسلمین کی خدمت میں جائے۔ اپنی کمزوریوں اور اخلاص کا اظہار کرے۔ باقی یہ گفتگو بیکار ہے۔ اس وقت بڑے سے بڑے مقنن، علما، مقرر، شاعر، پالیٹکس کے ماہر موجود ہیں۔ میں اس امر کا فیصلہ چاہتا ہوں کہ ہمیں برطانوی حکومت کی رعایا ہو کر رہنا چاہیئے، یا مسلمان بنکر؟ اگر آپ مسلمان نہ رہنا چاہیں تو میرا سلام۔ اگر تم دُنیا کے طالب ہو تو خدا کی قسم دنیا کو میں خوب جانتا ہوں کہ اس کا انجام رسوائی ہے۔ خدا ہم کو اور آپ سب کو توفیق دے کہ ہم اس کے بندے اور اس کے رسول کے سچے خدمتگزار ہونے کا شرف حاصل کریں۔ خدا کا خوف دلوں میں بٹھائیں۔ اور دنیوی خواہشات سے بے بہرہ ہو جائیں"۔

مولانا محمد علی کی تقریر

مولانا شوکت علی کے بعد مولانا محمد علی اللہ اکبر کے گونجتے ہوئے نعروں میں تشریف لائے انھوں نے کہا" جس وقت ہم نظر بند ہوئے تھے اُس کو آج پونے پانچ برس گذرے ہیں اس وقت ایک مسئلہ ہمارے پیش نظر تھا۔ خدا شاہد ہے کہ اس پونے پانچ سال کے زمانے میں ہر دن، ہر گھنٹہ اور ہر لمحہ میں وہ مسئلہ ہمارے دل و دماغ سے دور نہیں ہا ٹھیک اس وقت جب ہم جیل سے نکل کر آئے ہیں۔ تو اس وقت بھی پیش نظر تھا۔ ہم نے اپنے جذبات کو کسی کا قربا کسی غیر اللہ کے ہاتھ نہیں دیا۔ بحمد اللہ آج ہم آزاد ہیں۔

اسی طرح سے جب مکہ فتح ہوا تھا۔ جب رسول خدا صلعم نے فرمایا تھا۔ جاء الحق زھو قا۔
ہم خدا کے شکر گذار ہیں کہ اُس نے پھر موقع دیا۔ جو خدمت ہم قید خانہ میں کر رہے
تھے وہ باہر انجام دیں گے۔ جب وہ مصر کے قید خانے میں تھے۔ اور لوگ ان سے
خواب کی تعبیر دریافت کرنے آئے تھے تو حضرت یوسف نے فرمایا تھا کہ اے میرے
قید خانے کے شریکو۔ تم سے پوچھتا ہوں کہ یہ ارباب حکومت اچھے ہیں۔ یا واحد القہار۔
بھائیو کیا جلیانوالہ باغ میں بیدردانہ موت مرنے سے ڈرتے ہو؟ یا اس گلی کی ذلت
سے جہاں تمہیں رینگ کر چلنے کا حکم دیا جاتا تھا؟ گوجرانوالہ کی بم بازی کا خوف ہے؟ یا
ڈائر کے فائر کا؟ کیا تم نہیں دیکھتے کہ خدائی قہر اس سے بڑا ہے؟ اس نے انفلوانزا نازل
کر کے حقیر و ناتوان کیڑوں مکوڑوں کے اثر سے ایک کروڑ جانوں کو ضائع کرا دیا۔ کیا اب
بھی تم نہیں سمجھے کہ خدا کا قہر بڑا ہے (آواز آئی اللہ اکبر) ہمیں صرف اللہ کا خوف چاہیئے۔
اس کی بادشاہت سب سے بلند بادشاہت ہے۔ میں اپنی ضعیف ماں، اپنے
بچوں اور اپنی زندگی کو اللہ اور دین کے لئے قربان کرنے کو تیار ہوں۔ میری رہائی کے
اگر کوئی معنی اخذ ہو سکتے ہیں تو یہی کہ میں اپنے خدا کے قریب پہنچ جاؤں (اللہ اکبر)
ہمیں اس وقت ان علماء سے شکایت کرنی ہے جنہوں نے مسلمانوں کو عبادت کا
مفہوم نہیں سمجھایا۔ اور اپنے علم کو ابتدائی منازل پر محدود رکھا۔ ماہ رمضان کے ۳۰
روزے رکھ لینے یا عید الضحےٰ کی تقریب پر جانوروں کا ذبح کر دینا ہماری ذمہ داریوں
کو ختم نہیں کر دیتا۔ بلکہ عبادت کا مفہوم اصلی عبدیت کا سبق دیتا ہے۔ جس سے یہ
ذہن نشین کرا دیا جائے کہ ہم اللہ کے غلام ہیں۔ جن کی غلامی ہم کرتے ہیں چند ہستیاں
ہیں۔ جو ہماری طرح خود بھی غلامی کی زنجیر میں جکڑی ہوئی ہیں۔ وائسرائے پہلے وائسرائے
نہ تھے۔ ہم نے تسلیم کیا تو وہ وائسرائے ہوئے۔ فرعون جب ماں کے بطن سے پیدا ہوا
تو وہ خدا نہ تھا۔ ہم نے اُس کو تسلیم کیا اور خدا بن گیا۔ اور اس کی غلامی کا طوق گلے
میں ڈال کر ہم خود نجس ہو گئے۔ یاد رکھو کسی کی حکومت کو دائمی بقا نہیں۔ مگر اللہ کو۔

اور کوئی راستہ سیدھا نہیں، مگر دین کا۔ اگر اس پر ایمان رکھتے ہو کہ تم پر کسی کی حکومت نہو۔ تو خدا کی رعایا بنو۔ بادشاہ بھی تمہاری طرح خود اس کی رعایا کا ایک فرد ہے۔ تم اس سے کہہ سکتے ہو کہ ہم تم ایک خدا کے بندے ہیں۔ مراتب بیشک جدا جدا ہیں۔ مگر عبدیت میں یکساں ہیں۔ چونکہ ہمیں اس مخبر صادق کی طرف سے یہ حکم دیا گیا ہے کہ جزیرۃ العرب سے کفار کو نکال دو۔ اس کی تعمیل کے لئے ہم مجبور ہیں۔ وہ بیت المقدس جس کو مسلمانوں نے فتح کیا تھا اور ابتک جسپر خلیفۃ المسلمین ترکی کا اقتدار تھا ہم اس پر اغیار کا قبضہ نہیں رہنے دیں گے۔ اس وقت بیت المقدس کے متعلق جو جنرل ایلینائی کا بیان شائع ہوا ہے اس میں مذکور ہے کہ تہائی فوج مسلمانوں کی تھی جنہوں نے مسلمانوں کو اس مقام سے پیچھے ڈھکیلا وہ بھی ایک وقت تھا۔ جب خلیفہ دوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس میں فاتحانہ طور پر داخل ہوئے تھے اور لوگوں نے فاتح کے اوصاف بیان کئے تھے۔ اور کہا تھا کہ بیشک وہ جملہ اوصاف حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں موجود ہیں۔ اور اس وقت انھوں نے حضرت عمرؓ کے حوالے کنجیاں کی تھیں یا اب وقت آیا کہ ہم نے اپنے بھائیوں کے خون سے ان کنجیوں کو تر کر کے واپس کیا۔ افسوس ہم نے اپنے بھائیوں کا خون اپنے ہاتھوں سے بہایا۔ ہم وہ بہادر ہیں کہ جب اُن کے سینہ میں گولی مارتے تھے، جب اُن محافظان اماکن مقدسہ پر تیر و تلوار سے وار کرتے تھے اور جب ہمارے وار سے وہ مرغ بسمل کی طرح تڑپتے تھے تو ہمارا ایک آنسو بھی نہ گرتا تھا۔

" توحید۔ خدا کو ایک ماننا ہے۔ اور اس کی غلامی کرنا۔ اس کے گھر کی حفاظت کرنا شعائر اسلام کی نگہداشت کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ میں کعبہ کی حرمت اس سے زیادہ کیا کر سکتا ہوں کہ مجھے اپنی بیوی اور ماں کی حرمت سے اس کی عزت زیادہ ہے۔ اور میں اپنی جان سمیت اپنی موجودہ متاع کو اس پر نثار کرنے کو تیار ہوں۔ بھائیو اللہ کے گھر کی حرمت سنبھالو۔ اس کی حرمت ہماری بیٹیوں، بیویوں، اور ماؤں سے زیادہ ہے

اللہ کے گھر کی حفاظت کے لئے اگر ہمیں قید کر لیا گیا تو کوئی چیز نہیں جس مسلمان کو اس کے اعمال کی سزا دنیا میں مل جائے وہ بہتر ہے بہ نسبت اس امر کے کہ اُسے عقبےٰ میں سزا ملے۔ "حضرات! الٰہی کے مارے جانے کے لئے بھی سامان کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ مگر مرنے کے لئے کسی سامان کی ضرورت نہیں۔ اگر ہم کعبہ کی حرمت کو ضروری سمجھتے ہیں تو ہمیں موت سے باک نہ ہوگا۔ میں اس وقت جیل سے نکل کر آیا ہوں۔ اگر مصلحتوں پر پابند رہوں تو میرا جیلخانہ میں رہنا فضول ہوگا۔ صاحبان! میں کانگریس میں بھی کہہ آیا ہوں اور اب بھی کہتا ہوں۔ اور پھر بھی یہی کہونگا کہ مصلحتوں کو چھوڑ دیجئے اور خدا سے لو لگائیے۔"

تحفظ حقوق کی تائید میں سید جالب کی مدلّل تقریر

دوسرا اجلاس علی برادران کی تقریروں میں گذر گیا۔ اور اس میں تحفظ حقوق کی تجویز پر گفتگو کی نوبت نہ آئی۔ اس کے دوسرے دن تیسرے اجلاس میں پھر یہ سلسلہ اٹھا اور سید جالب ایڈیٹر ہمدم لکھنؤ نے نہایت مدلّل تقریر کی۔ انہوں نے کہا "ہماری دلی خواہش ہے کہ اتحاد کی سپرٹ برقرار رہے۔ ہمارا مطالبہ اتحاد کے منافی نہیں ہے اور اگر ہے تو لیگ کی علیحدگی کی کیا ضرورت ہے؟ کہا گیا کہ سرکاری ملازمتوں کی استدعا بیسود ہے۔ کیونکہ یہ ایک غلامی ہے۔ میں کہتا ہوں محکوم قوموں کو آنے والی خوشگوار منزل کی تیاری کرتے ہوئے حصول مقاصد کے لئے ہر صیغہ میں بکثرت جانا چاہئے۔ اصلاحات کی اسکیم نافذ ہونے والی ہے۔ ہمارے سامنے ایک نیا دور آنے والا ہے۔ اگر ہم سرکاری دفاتر میں کام کرنا نہ جانتے ہوں گے تو سلف گورنمنٹ کے لئے کہاں سے واقفیت و قابلیت لائیں گے۔ اگر ہمیں یہ مشورہ دیا گیا کہ ہم سرکاری ملازمتوں سے پرہیز کریں۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم پہلے سے بھی زیادہ بیکار و بے قیمت بن جائیں گے اور انتظامی امور میں کوئی حصہ نہ لے سکیں گے۔ ہندو بھائیوں سے اتحاد اور ہے اور عملی زندگی اور۔ جن کو سرکاری دفاتر اور عدالتوں کا تجربہ ہے وہ مشکلات سے واقف ہیں۔ بحیثیت صحافی مجھے علم ہے کہ اس قسم کی شکایتیں ہفتہ

میں بیسیوں آتی ہیں۔ جن میں جائز حقوق پامال کئے جانے کا تذکرہ درج ہوتا ہی چونکہ عہدہ دار غیر ہوتے ہیں۔ وہ اسلامی حقوق اور مفاد کی پرواہ نہیں کرتے۔ یہ روزمرہ کی باتیں ہیں۔ سچے اتحاد کے لئے اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ ہندوستان کا دوسرا بازو کمزور نہ ہو۔ یونیورسٹیز میں نیابت کافی نہ ہوگی تو وہ تعلیم جو ہمارے بچوں کو بہتر بنانے والی ہوگی حاصل نہ ہو سکے گی، تاریخ ہمارے حسب منشاء نہ پڑھائی جا سکے گی۔ اگر ہمارے نمائندے وہاں موجود ہونگے تو یہ تمام شکایتیں از خود رفع ہو جاویں گی۔

اردو زبان کو ہندوستان کی مشترکہ زبان تسلیم نہ کرنا افسوسناک ہی نہیں بلکہ ملکی ترقی کو روکنا ہے۔ مدراس سے اردو اخبارات نکلتے ہیں۔ کشمیر میں اردو مشاعرے ہوتے ہیں۔ بمبئی اور کراچی سے اردو صحائف جاری ہیں۔ بنگال سے اردو اخبارات نکلتے رہے ہیں۔ جن سے دنیا آشنا ہے۔ اور یہ سب فارسی رسم الخط میں تھے اور ہیں۔ مگر جب ہم دیکھتے ہیں کہ بعض صوبوں سے اس زبان کا اخراج سرکاری حکم سے کیا جاتا ہے تو ہمیں افسوس ہوتا ہے۔ یہ موقع اسوقت شکایت کا نہیں محض اظہار حقیقت کے لئے بیان کیا گیا ہی میں آپ کو ایک جگہ کے مقدمہ کی کیفیت سناؤں تو آپ حیران ہونگے کہ وہاں اردو الفاظ بصورت فارسی رسم الخط ترک کرائے جا رہے ہیں۔ اور مقدمات کی کارروائی ہندی حروف میں قلمبند ہونے کا حکم نافذ کیا گیا ہے۔ اس وجہ سے وہاں مسلمان ملازم کم رہ گئے ہیں۔ یہ ایک معاملہ ہے جو غور طلب ہے۔ ایک خوشگوار سپرٹ جو پیدا ہو رہی ہے اُسے ضائع نہ کرنا چاہئے اور کسی بے رخی پر قربان نہ کرنا چاہئے۔ ان صوبوں میں جہاں اُردو رائج ہے۔ رائج رہے۔ مذہبی مراسم و رواجات میں آزادی قائم رکھی جائے۔ اگر ہم غفلت کرینگے تو اچھا نتیجہ نہ حاصل کر سکیں گے۔ شعائرُ اسلامی، فرائض مذہبی ایسی چیزیں ہیں جن میں سب یکساں شامل ہیں۔ ہم کوئی نیا حق طلب نہیں کر رہے ہیں۔ جو حق آزادی سے ہم حاصل کر سکتے ہیں وہ طلب کر رہے ہیں۔ جو اتحاد کی سپرٹ پیدا ہوئی ہے اس کے ہم صدق دل سے مشکور ہیں جو ہندوؤں کی طرف سے روزانہ

سلوک ہم سے کئے جاتے ہیں ان کے لئے ہم مشکور ہیں۔ اور احسان کا بدلہ احسان دینے پر تیار ہیں۔ ان سب باتوں کے ساتھ مذہبی مراسم اور شعائر کا تحفظ ضروری ہے۔

یہ کہنا کہ اس رزولیوشن کو پاس کرنے کے بجائے باہمی طور پر سمجھوتہ کر لینا چاہیئے میں اس کے متعلق کہونگا کہ اس کام کو آج ہی کر لیا جائے کون اس کا مخالف ہے ہمارا مطالبہ اتحاد کے کسی طرح منافی نہیں۔ بلکہ جو خوشگوار اسپرٹ پیدا ہوئی ہے، وہ اس میں اضافہ کرنے کا موجب ہے۔ اگر کونسلوں میں ہمارے ممبر نہ ہوتے۔ تو آج لیگ اور کانگرس کو کوئی نہ دیکھ سکتا تھا۔ یہ کرشمے بہت کچھ منٹو مارلے اسکیم کے پیدا کردہ ہیں جب ہمارے معتمد علیہ کونسلوں میں جائیں گے تو اس اتحاد میں اور زیادہ خوشگوار ترقی ہوگی پس اتحاد وہی سچا ہے کہ دونوں فرقے طاقتور ہوں۔ اور متحدہ طاقت سے ہاتھ بڑھائیں اگر ان میں سے ایک غالب اور ایک کمزور ہوگا تو سچا اتحاد نہ ہوگا۔"

ترک قربانی گاؤ کا منشور

اصل تجویز منظور ہو گئی۔ لیگ نے کانگریس کمیٹی کے سامنے یہ تجویز بھی رکھی کہ قانون اصلاحات سنہ ۱۹۱۹ء کے سلسلے میں ضروری مسائل طے کرنے کیلئے وہ ایک کمیٹی قائم کرے اور اسے ہدایت کرے کہ وہ مسلم لیگ کی قائم کی ہوئی کمیٹی سے گفت و شنید کرے۔ ڈاکٹر انصاری نے یہ تجویز منظور کرائی کہ جہانتک ممکن ہو مسلمان گائے کی جگہ دوسرے جانوروں کی قربانی کریں ان کی رائے میں تحریک ہندو مسلم اتحاد کو زیادہ پختہ کرنے کے واسطے یہ قدم اٹھایا جانا ضروری تھا کیونکہ ہندو مسلمانوں کے ساتھ بہت ہمدردانہ روّیہ اختیار کر رہے تھے انھوں نے یہ بھی کہا کہ ایک بڑے افسر نے انگلستان سے واپس آکر سنایا ہے کہ ہندو مسلم اتحاد کا اہالیان انگلستان کے دلوں پر بڑا اثر پڑا ہے۔ خلافت کے مسئلے میں ہندو ہمارا ساتھ دے رہے ہیں۔ اگر مسلمان جھگڑے کی بات (؟) نہ کرینگے تو اتحاد و محبت زیادہ ہوگی صاحب صدر نے ڈاکٹر صاحب کے تجویز پیش کرنے سے پہلے بتایا تھا کہ اتحاد کے فوائد بیشمار ہیں حاضرین سے اپیل کی تھی کہ وہ دلی جوش سے اس تجویز کو منظور کریں۔ تصدق شیروانی

(علیگڈھ) نے کہا کہ انگریز یہ سمجھتے ہیں کہ جب گائے کا مسئلہ سامنے آئیگا مسلمان (؟) اور ہندو آپس میں لڑیں گے ہم اس کی تردید کر کے یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ ہمارے دل اور ہمارے خون ایک ہو گئے ہیں۔

سید جالب صاحب نے پریس ایکٹ کی رُو سے عائد کردہ پابندیاں اٹھائی جانے پر زور دیا۔ اور مولانا ظفر علی اور علی برادران کے مصائب کا تذکرہ کیا ان کی یہ تجویز بالاتفاق منظور ہوئی شاہی اعلان پر اظہار تشکر کیا گیا۔ ولیعہد کے آنے کی خبر تھی۔ ان کے خیر مقدم کا ارادہ ظاہر کیا گیا جنرل ڈائر کے اس بیان پر جو اس نے ہنٹر کمیٹی کے سامنے دیا تھا پارلیمنٹ کو توجہ دلائی گئی اور اس سے عملی قدم اٹھانے کی درخواست کی گئی۔ ایک تجویز میں قانونی کارروائی شروع ہونے سے قبل اسے ملازمت سے علیحدہ کر دینے اور سر مائیکل اوڈوائر کا آرمی کمیشن سے تعلق منقطع کئے جانے پر زور دیا گیا۔ اس کے بعد کی تجویز میں لارڈ چیمسفورڈ کو ہندوستان سے واپس بلائے جانے کی درخواست کی گئی۔ مسئلہ خلافت کے سلسلے میں اس بات پر اظہار افسوس کیا گیا کہ مسلمانان ہند کے مطالبات قبول نہیں کئے گئے۔ نئی صلح مسلمانوں کی عام ناخوشی کی موجودگی میں قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ انہیں حق ہو گا کہ اپنے رنج و غم کو آئینی جدوجہد کی شکل میں ظاہر کرتے رہیں جس میں برطانوی فوج میں داخل ہونے پر اعتراض کرنا بھی شامل ہے۔ مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے جواب تک اعتدال پسندوں کے ہاتھوں میں تھی یہ دھمکی اس بات کا کھلا ثبوت تھی کہ اب لیگ انتہا پسند مسلمانوں کے ہاتھوں میں منتقل ہو رہی ہے یہ چیز اس وقت اور بھی زیادہ بیّن طور پر سامنے آگئی جب خلیفۃ المسلمین سے "عمیق اور غیر متزلزل ارادات و عقیدت" کا اظہار کیا گیا۔ مصر کے محبّان وطن کے اس مطالبے سے اظہار ہمدردی کیا گیا کہ مصریوں کو خود اختیار حکومت کا حق ملنا چاہیے۔ مولانا حسرت موہانی نے سب سے آخر میں یہ تجویز منظور کرائی کہ دیسی کپڑا پہننے کا فیصلہ کیا جائے۔ حکومت پر مارشل لا اور قانون تحفظ ہند کے قیدیوں کی رہائی کے لئے زور دیا گیا۔ اصلاحات کے لئے مسٹر مانٹیگو کا شکریہ ادا کرتے ہوئے انھیں ناکافی بتایا گیا مگر ہندوستانیوں سے اپیل کی گئی کہ ان اصلاحات سے فائدہ اٹھائیں

۱۹۱۹ء کی کانگریس اصلاحات کے معاملے میں کانگریس میں دو پارٹیاں ہو گئی تھیں۔ ایک طرف وہ لوگ تھے جو اصلاحات میں حصہ لے کر حکومت سے تعاون کرنا چاہتے تھے۔ ان میں گاندھی جی اور پنڈت مدن موہن مالویہ بہت نمایاں تھے۔ دوسری طرف وہ پارٹی تھی جو اصلاحات کی اسکیم کو رد کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ اس کے لیڈر بنگال کے مشہور لیڈر مسٹر سی آر داس تھے۔ انھوں نے کانگریس کے سالانہ اجلاس امرتسر میں سب سے پہلے یہی تجویز پیش کی کہ اصلاحات مایوس کن ہیں۔ گاندھی جی نے یہ ترمیم پیش کی کہ تجویز سے لفظ مایوس کن کو خارج کر کے یہ الفاظ رکھے جائیں کہ کانگریس شاہی اعلان کو وفاداری کے ساتھ قبول کرتی ہے جو نئی اصلاحات کے نفاذ سے قبل ہوا ہے اور امید کرتی ہے کہ باشندگان ہند اور افسران حکومت ان اصلاحات کو کامیاب بنانے کے لئے تعاون کرینگے مسٹر داس اور علی برادران نے "وفاداری" پر اعتراض کیا کیونکہ اس قسم کے الفاظ سے خوشامد کی بو آتی تھی۔ یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ ۱۹۱۹ء میں علی برادران کانگریس میں شامل ہو کر اسکی کارروائیوں میں بہت زیادہ نمایاں حصہ لینے لگے تھے۔

گاندھی جی کی ترمیم کی اجلاس میں بہت مخالفت ہوئی۔ سی آر داس کو تجویز جوں کی توں قائم رہی۔ گاندھی جی کو اپنی ترمیم میں کچھ ادل بدل کرنا پڑا۔ اسی طرح جب انھوں نے یہ تجویز پیش کی کہ پنجاب اور گجرات میں ہندوستانیوں نے جو تشدد کیا اس پر اظہار افسوس کیا جائے اس وقت بھی ان کی سخت مخالفت ہوئی کیونکہ لوگ پنجاب کے واقعات سے بہت اثر لئے ہوئے تھے۔ مگر آخر میں یہ تجویز بھی منظور ہو ہی گئی کیونکہ گاندھی جی نے اجلاس میں یہ کہا کہ اگر یہ تجویز منظور نہ ہوئی تو وہ کانگریس سے علیحدہ ہو جائیں گے۔ ان کا دعویٰ تھا کہ پنجاب اور گجرات میں ہندوستانیوں نے بھی تشدد کیا ہے وہ کہتے تھے کہ میرے پاس اپنے دعوے کا کافی ثبوت موجود ہے۔ اجلاس کانگریس کے ڈیلیگیٹوں میں سے بہت سے اس پر چیں بجبیں رہے۔ مگر گاندھی کی تجویز منظور کر ہی لی گئی۔ گاندھی جی حکومت سے لڑنے کے لئے تیار نہ تھے شہزادہ ویلز (ولیعہد انگلستان) اس زمانے میں ہندوستان آنے والے تھے انھوں نے

ولی عہد کے لئے خوش آمدید کی تجویز بھی منظور کرائی۔ لیگ کے اجلاس میں گائے نہ ذبح کرنے کے لئے صدر لیگ حاذق الملک حکیم اجمل خاں نے اپنے خطبۂ صدارت میں زبردست اپیل کی تھی اور اس مضمون کی ایک تجویز بھی اجلاس لیگ میں منظور ہوئی تھی کانگریس نے اس پر شکریئے کی تجویز منظور کی اور اس پر بھی احتجاج کیا کہ سلطنت ترکی اور خلافت کے مسائل کے سلسلے میں برطانوی وزرا مسلمانوں کی خواہشات کو پائمال کرتے ہوئے مخالفانہ روّیہ اختیار کرنے میں حق بجانب نہیں ہیں۔ لارڈ چیمسفورڈ کی واپسی، جنرل ڈائر کی ملازمت سے برطرفی، اور سر مائیکل اوڈوائر کی آرمی کمیٹی کی ممبری سے علیحدگی کا مطالبہ کیا گیا۔ پریس ایکٹ کی منسوخی پر زور دیا گیا۔

تحریک خلافت کے اجرا کے ارادے

حادثات پنجاب اور مسئلہ خلافت کی وجہ سے ہندوستان شدید بےچینی میں مبتلا تھا۔ اتحادیوں نے ترکوں کو مجبور کر کے جو ذلت آمیز شرائط صلح منوائی تھیں ان سے مسلمانوں میں بہت ہیجان تھا جزیرۃ العرب کے عراق عرب، شام اور فلسطین وغیرہ علاقے خلیفۃ المسلمین کی سیادت سے جدا کر دیئے جا چکے تھے۔ برطانیہ اور فرانس نے ان پر حکمبرداری قائم کرنے کے بہانے سے اپنا قبضہ جما لیا تھا۔ ایشیائے کوچک میں جہاں خالص ترکی آبادی تھی ہائی کمیشن کے نام سے ایک جماعت کو حکمراں بنا دیا گیا تھا جس کے سامنے سلطان ٹرکی کی حیثیت ایک قیدی سے زیادہ نہیں تھی تھریس یونان کو دیدیا گیا تھا۔ یہ طرز عمل مسٹر لائڈ جارج کے اس وعدہ کے بالکل خلاف تھا جو انھوں نے دوران جنگ عظیم میں مسلمانوں سے کیا تھا۔ اور جس کا مفہوم یہ تھا کہ ایشیائے کوچک اور تھریس جن میں خالص ترکی آبادی ہے ترکوں کے زیر نگیں رہنے دیئے جائینگے اور مسلمانوں کے مقامات مقدسہ کو کوئی گزند نہ پہنچے گا۔ ہندوستان کے مسلمان اسی وعدے پر اعتبار کر کے اپنے دینی بھائیوں کے خلاف میدان جنگ میں لڑنے گئے تھے۔

اتحادیوں کی شرائط صلح سے ہندوستان کے مسلمانوں میں غم اور غصے کا ایک ہیجان انگیز طوفان برپا تھا۔ امرتسر میں مسلم لیگ کانگریس، اور خلافت کمیٹی کے لیڈروں نے اس صورت حال پر غور کیا تھا اور یہ ارادہ ہو چلا تھا کہ تحریک خلافت کے نام سے ایک زبردست تحریک جاری کی جائے۔ گاندھی جی مسلمانوں سے گہری ہمدردی ظاہر کر رہے تھے۔ ۱۹۱۸ء کے اجلاس دہلی میں ڈاکٹر مختار احمد انصاری صدر مجلس استقبالیہ نے اپنے ایڈریس میں، جو بعد کو ضبط ہو گیا اس بنا پر ان کی بڑی تعریف کی تھی کہ وہ سچی بات کہنے سے کبھی نہیں جھجکتے اور انہوں نے ۲۹ را پریل ۱۹۱۸ء کو وائسرائے کو ایک خط لکھکر یہ بات صاف کر دی ہے کہ ہندوستان کے سیاستداں مسلمانوں کے احساسات سے ہمدردی رکھتے ہیں۔ اجلاس لیگ امرتسر ۱۹۱۹ء میں صدر منتخب حکیم اجمل خاں نے اپنے خطبۂ صدارت میں گاندھی جی کے ہمدردانہ رویئے کو بہت سراہا تھا۔ تحریک خلافت شروع کرنے کا ارادہ رکھنے والے گاندھی جی کو بھی تحریک کا ایک نمایاں سرکردہ آدمی رکھنا چاہتے تھے۔ مگر اس برات کے دولھا محمد علی ہی تھے۔ وہ جیل سے آزادی کا جذبہ یا ولولہ نہیں بلکہ سودا سر میں لئے ہوئے نکلے تھے۔ امرتسر میں لیگ، کانگریس اور خلافت کمیٹی کے پلیٹ فارموں پر جو تقریریں اُنہوں نے کیں ان کا ایک ایک لفظ اس زبردست سیاسی طوفان کی خبر دے رہا تھا جو عنقریب برپا ہونے والا تھا۔ جس شخص کو ۱۹۱۵ء میں نظر بند کر کے ایک نئی سیاسی دنیا کی تعمیر سے روک دیا گیا تھا اب وہ ہر قربانی کی قیمت پر اپنے خوابوں کو حقیقت کی شکل دینے کے لئے تیار ہو چکا تھا۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ انگریز کی حکومت شیطان کی حکومت ہے۔ اس کی جگہ خدا کی حکومت قائم کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ اس کے نزدیک یہ مسلم تھا کہ مسلمان صرف اللہ سے ڈر سکتا ہے۔ آکسفورڈ کا گریجویٹ، آئی، سی، ایس کے امتحان میں شریک ہونے والا، جس کا طرز بود و ماند نیم افرنگی تھا، نظر بندی سے نکلا تو حافظ قرآن اور تقریباً مولوی بن چکا تھا۔ اس کے چہرے پر

ڈہائی مٹھی سے بڑی ڈاڑھی اور جسم پر کھدر کا کرتا اور پاجامہ تھا۔ اس نے اعلان کر دیا۔ "اب میں اللہ کا ہو چکا ہوں۔" کانگریس کے زیادہ سے زیادہ انتہا پسند حیرت سے منہ کھولے اور دیدے پھاڑے ہوئے اس رئیس احرار اور شیر حریت کے گرجدار فقرے سنتے تھے۔ مسلم لیگ کے پختہ کار اور بوڑھے سیاستدانوں کی عقلیں برقی کشش رکھنے والے اس پُرجوش لیڈر کی باتوں کو مانتے ہوئے جھجکتی تھیں مگر دل عقل کا دامن کھینچکر اس کے ساتھ ساتھ لئے جاتے تھے۔ وہ مکمّل اور اکمل رہبر تھا۔ باوقار جسامت پُررعب آواز، زندگی کی بجلی دوڑا دینے والا سیاسی فلسفہ، بیباکی، جرأت، جسارت صداقت شعاری، صداقت پرستی، ایثار، بے پناہ طاقت مخالفت، علمیت، اہلیت، قابلیت، پُراثر اور دردانگیز تقریر کرنے والی زبان، بے پناہ مضمون لکھنے والا قلم، اس کے پاس کیا نہیں تھا۔ یہ ناممکن تھا کہ ہندوستان اور مسلمانان ہندوستان کی سیاست ایسے شخص کے پیچھے پیچھے نہ چلتی۔

جمعیۃ العلما کا قیام

سنہ ۱۹۱۹ء میں امرتسر میں ایک نئی جماعت کا پہلا سالانہ اجلاس بھی ہوا تھا یہ جمعیۃ علمائے ہند تھی جو خلافت کمیٹی کے ساتھ ساتھ بنی تھی۔ اور ہندوستان کے سنّی علماء کی نمائندہ انجمن کی حیثیت سے وجود میں آئی تھی۔ یہ جاننا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ علماء سنہ ۱۹۱۸ء میں مسلم لیگ میں شامل ہو چکے تھے مگر مسئلہ خلافت کی طوفانی سیاسی فضا میں انھیں بھی ایک علیحدہ جماعت بنانی پڑی۔ جس کا بنیادی مقصد مذہبی و سیاسی امور میں مسلمانوں کی رہنمائی تھا۔ جمعیۃ کے مستقل صدر مولانا مفتی کفایت اللہ اور اس کے مستقل سکرٹری مولانا احمد سعید بنائے گئے۔

تحریک ترک موالات کی زبردست جدوجہد میں اس جماعت کے اثر سے بھی مسلمان کانگریس کی طرف بہت زیادہ کھنچے اس کے نمایاں ارکان علی برادران کے دست و بازو اور مشیر کار تھے۔

باب ۱۹

تحریک خلافت

مولانا محمد علی کی وفد خلافت کی تجویز

۱۹۱۹ء کی خلافت کانفرنس میں، جس کا مختصر سا ذکر اوپر آچکا ہے، یہ طے ہوا تھا کہ مسلمانان ہند کے چند نمائندے ممالک غیر میں جاکر لوگوں کو بتائیں کہ ترکوں پر کیا ظلم کیا جارہا ہے اور مسلمان برطانوی حکومت کی وعدہ خلافی پر کتنا پیچ و تاب کھارہے ہیں۔ مولانا نے مسئلہ خلافت کی قیادت اپنے ہاتھوں میں لینے کے بعد یہ تجویز کیا کہ ایک وفد انگلستان، فرانس اور اٹلی جائے اور مسلمانوں کے مطالبات سے آگاہ کرکے ان ممالک کی رائے عامہ کو اپنا ہمنوا بنائے۔ جنوری کے وسط میں علی برادران کے دستخطوں سے ایک بیان شائع ہوا جس میں ان ہمدردیوں کا شکریہ ادا کرنے کے بعد جو اہل ملک نے ان سے ظاہر کی تھیں یہ بتایا گیا کہ مسئلہ خلافت کے بارے میں آئندہ کیا راہ عمل اختیار کی جانی والی ہے۔

سب سے پہلے ہندو مسلم رہنماؤں کا ایک وفد والئسرائے ہند سے ملا۔ اس میں مسٹر محمد علی جناح، مولانا محمد علی، حکیم اجمل خاں، گاندھی جی، پنڈت موتی لال نہرو، مولانا ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر انصاری، ڈاکٹر کچلو وغیرہ تھے۔ جو ایڈریس وفد نے پیش کیا وہ مولانا محمد علی ہی کے زور قلم کا نتیجہ تھا۔ اسمیں بتایا گیا تھا کہ مسلمان سلطنت ترکی اور سلطان ترکی کے اقتدار کو بحال دیکھنا چاہتے ہیں کیونکہ سلطان ترکی مسلمانوں کے خلیفہ

ہیں اور ان کی دینی وجاہت کو قائم رکھنے کے لئے دنیوی اقتدار بھی ضروری ہے۔ اگر برطانیہ نے اپنے وہ وعدے پورے نہ کئے جو جنگ کے آغاز میں کئے گئے تھے تو برطانیہ کے اقتدار کو اخلاقی ذلت اور نقصان کا سامنا کرنا پڑیگا۔ وائسرائے نے جواب میں یہ کہا کہ میں مسلمانوں کے خیالات کو حکومت برطانیہ کے کانوں تک پہنچا تو دونگا مگر اس سوال کا فیصلہ صرف برطانیہ کے اختیار میں نہیں ہے۔

وائسرائے کے اس جواب سے مسلمانوں کو مایوسی ہوئی۔ مسلم رہبروں نے ایک زوردار بیان شائع کیا کہ اگر شرائط صلح میں مسلمانوں کے جذبات و احساسات کا لحاظ نہ رکھا گیا تو مسلمان حکومت سے رشتۂ وفاداری توڑنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ فروری ۱۹۲۰ء میں بمبئی میں خلافت کانفرنس کا تیسرا اجلاس ہوا۔ اس میں وفد خلافت پر اعتماد ظاہر کیا گیا اور ایک اعلان میں مسلمانوں کا یہ مطالبہ پیش کیا گیا کہ سلطان ترکی کا اقتدار بحال رکھنے کی غرض سے عرب اور مسلمانوں کے مقدس مقامات کو ترکی سلطنت سے جدا نہ کیا جائے اور مسٹر لائیڈ جارج نے جو قول مسلمانوں کو دیا تھا وہ اب پورا کیا جائے۔ اس زمانے میں صلح کانفرنس کا یہ ارادہ معلوم ہوتا تھا کہ قسطنطنیہ میں ترکی حکومت رکھی جائے۔ انگلستان کے اخباروں اور متعصب پادریوں کو یہ بھی ناگوار گذرا انہوں نے بڑے زور شور سے صلح کانفرنس کے اس ارادے کے خلاف احتجاج شروع کر دیا۔ بعض فرانسیسی، اور امریکن اخبارات بھی زور شور کے ساتھ یہ مطالبہ کر رہے تھے کہ ترکوں کو قسطنطنیہ سے نکال دیا جائے

مسلم لیگ کی پوزیشن

بدلے ہوئے حالات میں مسلمانوں کی عنان قیادت لیگ کے ہاتھوں سے نکل کر خلافت کمیٹی کے ہاتھوں میں چلی گئی۔ وہ دور خلافت ایجی ٹیشن کا تھا جو مذہبی رنگ لئے ہوئے تھا۔ مسلم لیگ ایک خالص آئینی و سیاسی جماعت ہے۔ ۱۹۲۰ء کے آغاز میں مسلم لیگ کے سکرٹری سید ظہور احمد صاحب نے "ہمارا لائحۂ عمل" کے

عنوان سے ایک پمفلٹ شائع کیا تھا اور اُسے لیگ کے تمام ممبروں کے پاس بھیجا تھا۔ اس میں گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۱۹ء کا مکمل خاکہ پیش کرنے کے بعد ممبروں سے یہ درخواست کی گئی تھی کہ جدید مواقع سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کے لئے مسلم لیگ کو زیادہ منظم اور قوی بنایا جائے تاکہ آئندہ کشمکش میں مسلمانوں کے حقوق محفوظ رہ سکیں۔ اس پمفلٹ کے علاوہ ممبروں کو اجلاس امرتسر ۱۹۱۹ء کی تجاویز بھی بھیجی گئیں۔ مگر ان چیزوں کا خاطر خواہ اثر نہوا کیونکہ رجحانات کا دھارا تمام تر تحریک خلافت کی طرف تھا۔ حالات کے اس ہمہ گیر اثر سے مسلم لیگ نے بھی خلافت کمیٹی کے دوش بدوش تحریک خلافت کو فروغ دینے کی کوششیں شروع کردیں ۲۹ر فروری ۱۹۲۰ء کو لیگ کونسل کا ایک ضروری ہنگامی جلسہ ہوا اور انگلستان کے اخباروں اور پادریوں کے رویئے پر غصے اور اندیشے کا اظہار کیا گیا۔ لیگ نے صاف صاف اپنے اس پختہ اور مضبوط عقیدے کا اظہار کردیا کہ اگر یہ حرکتیں جاری رہیں تو مسلمانوں کے دلوں میں انگلستان کے خلاف جذبۂ دشمنی پیدا ہوجائیگا جس کے نتائج بہت خطرناک ہونگے۔ برطانوی کابینۂ وزارت سے درخواست کی گئی کہ ہندوستانی وفد خلافت کو صلح کانفرنس میں اپنے مطالبات پیش کرنے کا موقع دیا جائے۔ شرائط صلح کے خلاف شدید غصے کا اظہار کیا گیا۔ اور کونسل نے حکومت کو دھمکی دی کہ مسلمان اقتدار خلافت، جزیرۃ العرب کی حرمت اور مقامات مقدسہ کو بحال کرائے بغیر چین سے نہ بیٹھیں گے کیونکہ یہ ان کے مذہب کا مطالبہ ہے۔

وفد خلافت انگلستان میں

مارچ ۱۹۲۰ء میں وفد خلافت مولانا محمد علی کی قیادت میں انگلستان پہنچا جہاں وزیر ہند کی جانب سے اس کا خیر مقدم کیا گیا۔ اس وقت تک انگلستان خلافت ایجی ٹیشن سے اتنا متاثر ہوچکا تھا کہ وفد کے ورود انگلستان کے دن دارالعوام میں قسطنطنیہ کی

واپسی کے مسئلہ پر بحث ہو رہی تھی۔ وفد وزیر ہند سے ملا۔ اور ان کے سامنے اپنے خیالات پیش کئے۔ ۱۷ مارچ کو اس کی وزیر اعظم برطانیہ سے ملاقات ہوئی جنہوں نے وفد کے مطالبات کے جواب میں کہا کہ ترکی کو ان علاقوں پر قبضہ رکھنے کی اجازت دی جائیگی جہاں ترکی آبادی ہے۔ مگر غیر ترکی علاقے ان کے حوالے نہیں کئے جا سکتے۔ مسلمانوں کے جذبات میں اس بیرحمانہ جواب سے آگ سی لگ گئی۔ ۱۹ مارچ کو ہندوستان بھر میں ہڑتالیں کی گئیں اور جلسے کر کے مولینا شوکت علی کی تیار کردہ یہ تجویز منظور کی گئی کہ اگر شرائط صلح ہمارے مذہب کے خلاف ہوئیں تو مسلمانان ہند تخت برطانیہ سے وفاداری کا تعلق منقطع کر لیںگے گاندھی جی نے بھی ایک اعلان شائع کیا کہ اگر شرائط صلح سے مسلمانان ہند کی تسلی نہ ہوگی تو عدم تعاون کی تحریک جاری کر دی جائے گی۔

وفد خلافت نے انگلستان میں وزیر ہند سے یہ درخواست کی کہ اسے صلح کانفرنس کی سپریم کونسل کے سامنے اپنے خیالات پیش کرنے کی اجازت ملے۔ مگر اس کی درخواست منظور نہ ہوئی۔ تاہم قائد وفد نے اپنی زوردار تقریروں سے اور ذمہ دار لوگوں سے ملاقاتیں کر کے رائے عامہ پر کافی اثر ڈالا۔ انگلستان سے وفد خلافت فرانس گیا۔ وہاں مولانا محمد علی بہت سے لیڈروں سے ملے اور اکثر اخبارات پر اپنا اثر ڈال کر ان سے مسلمانوں کے مطالبات کی تائید کرائی۔ انہوں نے برطانوی مزدور پارٹی کے سالانہ اجلاس سنہ ۱۹۲۰ئہ میں بھی مسلمانوں کے مطالبات اور اپنی قوت تقریر کا لوہا منوایا۔ اٹلی پہنچ کر انھوں نے پاپائے روم کو ترکوں سے ہمدردی ظاہر کرنے پر مجبور کیا۔

شرائط صلح سے مسلمانان ہند میں بےچینی ہندوستان میں مسئلۂ خلافت کے بارے میں بےچینی روز بروز زیادہ ہوتی جارہی تھی۔ ان حالات میں کانگریس اور مسلم لیگ کی مقرر کردہ کمیٹی کی

رپورٹ نے' جو واقعات پنجاب کی تحقیقات کرنے کے لئے بنائی گئی تھی' اپنی رپورٹ شائع کی۔ اس سے ہندو مسلمانوں میں انگریزوں کی مخالفت کا جذبہ اور بڑھا۔ سرکاری ہنٹر کمیٹی نے ابھی اپنی رپورٹ شائع نہیں کی تھی۔ اپریل کے مہینہ میں جلیانوالہ باغ کا ہفتہ منایا گیا۔ ۱۴ رمئی کو وہ شرائط شائع ہوئیں جن کی بنیاد پر اتحادی ترکوں سے عہد نامہ کرنا چاہتے تھے۔ یہ شرطیں وہی تھیں جنکے خلاف مسلمان پُرزور احتجاج کر رہے تھے۔ جونہی شرائط منظر عام پر آئیں وائسرائے ہند کی طرف سے اعلان نکلا کہ یہ شرطیں مسلمانوں کے جذبات کو مجروح تو ضرور کرینگی مگر انہیں صبر و تحمل سے کام لینا چاہئے۔ مسلمانان ہند میں شدید بےچینی پھیل گئی۔ ۲۸ رمئی کو بمبئی میں خلافت کمیٹی کا اجلاس ہوا۔ اس میں یہ طے کر دیا گیا کہ مسلمانوں کے لئے حکومت سے عدم تعاون کرنے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں۔ آل انڈیا خلافت کمیٹی ۱۹۱۹ء کے اواخر ہی سے حالات کا رنگ دیکھتے ہوئے عدم تعاون کے لئے تیار تھی۔ ۱۸ راپریل کو مدراس خلافت کانفرنس میں بھی عدم تعاون کا ایک پروگرام سامنے آیا تھا جس میں خطابات کی واپسی اور سرکاری ملازمتیں چھوڑنا شامل تھا۔ جس روز خلافت کمیٹی کا جلسہ ہوا اسی دن ہنٹر کمیٹی کی رپورٹ شائع ہوئی۔ کمیٹی کے ہندوستانی ممبروں نے اس پر اختلافی نوٹ لکھے تھے۔ رپورٹ سے یہ ظاہر تھا کہ ہندوستان میں رہنے والے انگریزوں کی جانیں حکومت کی نظروں میں ہندوستانیوں کی جانوں سے زیادہ قیمتی ہیں جو کھلا نسلی تعصب ہے۔ گورنمنٹ آف انڈیا نے اپنے جس مراسلے کے ساتھ رپورٹ انگلستان بھیجی اس میں رپورٹ کی حمایت کی گئی۔ اور برطانوی کابینۂ وزارت نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملا دی اور پنجاب کے ہوشربا سانحے کو فقروں میں اُڑا دینے کی کوشش کی۔

۳۰ رمئی کو کانگریس کمیٹی کا اجلاس ہوا۔ اس میں ہنٹر کمیٹی کی رپورٹ اور مسئلہ خلافت کے حل کے لئے خلافت کمیٹی کی عدم تعاون کی تحریک شروع کرنے کے مسئلہ پر غور کرنے کے واسطے ایک کمیٹی مقرر کر دی گئی اور یہ فیصلہ ہوا کہ ۲ رجون کو الہ آباد کے مقام پر تمام سیاسی پارٹیوں کی ایک کانفرنس طلب کی جائے اور عدم تعاون کی تحریک

شروع کرنے کا مسئلہ اس کے سامنے رکھا جائے۔

ہندو مسلم کانفرنس الہ آباد

۲ر جون کو الہ آباد میں آل پارٹیز ہندو مسلم کانفرنس ہوئی۔ ہنٹر کمیٹی کی رپورٹ کی اشاعت، حکومت کی طرف سے ہنٹر کمیٹی کے غلط نتائج کی حمایت، جنرل ڈائر کے مظالم پر پردہ ڈالنے کی کوشش، اتحادیوں کی طرف سے ترکوں کے سامنے ناواجب شرائط صلح رکھکر انھیں مجبور کرنے، اور مظالم پنجاب کے اثرات نے فضا کو اس قدر گرم اور ہندو مسلمانوں کے دلوں کو اس قدر بیچین بنا رکھا تھا کہ عدم تعاون کے سوا اور کوئی راستہ ہی نہ سوجھتا تھا۔ الہ آباد کانفرنس میں یہ فیصلہ ہوگیا کہ عدم تعاون کی تحریک شروع کردی جائے۔ مگر عملی قدم اٹھانے سے پہلے یہ مناسب سمجھا گیا کہ ہندو مسلمانوں کی ایک مشترکہ کمیٹی تحریک کا پروگرام تیار کرے۔ اس کمیٹی میں مولانا شوکت علی، حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر مختار احمد انصاری، پنڈت موتی لال نہرو اور گاندھی جی وغیرہ تھے۔ کانفرنس میں یہ بھی طے ہوا کہ کانگریس اور مسلم لیگ دونوں ستمبر میں کلکتہ میں اپنے اپنے خاص اجلاس طلب کریں تاکہ عدم تعاون کی پالیسی پر بھی پوری طرح غور ہو سکے۔

لیگ کونسل کا جلسہ

۱۸ر جولائی کو مسلم لیگ کونسل کا جلسہ ہوا۔ اس میں حکومت کو متنبہ کیا گیا کہ اگر برطانیہ نے اپنا رویہ تبدیل نہ کیا تو مسلمان مجبور ہوکر وہ طرز عمل اختیار کریں گے جس لیئے حکومت کو برے نتائج کا سامنا کرنا پڑیگا۔ ہندوستانی وفد خلافت کو صلح کانفرنس کے سامنے پیش ہونے کی اجازت دی جائے۔ جو شرائط صلح ترکوں کو پیش کی گئی ہیں وہ بالکل غیر منصفانہ اور ناقابل برداشت ہیں، اُن سے وہ وعدے ٹوٹ جاتے ہیں جو برطانیہ نے مسلمانان ہند سے اسلامی مقامات مقدس، تھریس اور ایشیائے کوچک کے سلسلے میں کر رکھے ہیں۔ اور خلافت اسلامی پارہ پارہ

ہوجاتی ہے جسے مسلمان کبھی گوارا نہیں کرسکتے۔ اگر ان شرائط صلح پر اصرار کیا گیا تو مسلمان برطانیہ کی عملی مخالفت پر اتر آئیں گے جس کا نتیجہ حکومت اور خود مسلمانوں کے لئے بہت بُرا نکلے گا۔ کونسل نے ہنٹر کمیٹی، حکومت ہند کی پالیسی اور برطانوی کابینہ کے طرز عمل کی شدید مذمت کی۔ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے ماتحت قواعد ضوابط تیار کرنے کے لئے ایک پارلیمنٹری کمیٹی بنائی گئی تھی۔ اس نے جو قواعد ضوابط تیار کئے ان سے ایکٹ کی اس اسپرٹ پر ضرب لگی جو اس سے پیشتر ظاہر کی گئی تھی کہ اسکا مقصد ہندوستان کو خود اختیار حکومت کے زینے کی پہلی سیڑھی پر پہنچانا ہے۔ لیگ کونسل نے ان قواعد ضوابط کے خلاف احتجاج کیا۔ حکومت پر زور دیا گیا کہ وہ ترکوں کے خلاف لڑنے کے لئے ہندوستان سے مسلمان یا ہندوستانی سپاہ نہ بھیجے۔ آخر میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ (۱) شرائط صلح ترکی، خلافت اور مقامات مقدسہ (۲) ہنٹر کمیٹی اور مظالم پنجاب اور (۳) گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے قواعد ضوابط پر غور اور مسلمانوں کے لئے راہ عمل متعین کرنے کے واسطے ۶/اور ۷/ستمبر ۱۹۲۰ء کو کلکتہ میں آل انڈیا مسلم لیگ کا ایک خاص اجلاس منعقد کیا جائے۔ ہندو مسلم کانفرنس الہ آباد کی مقرر کی ہوئی کمیٹی نے اپنا پروگرام شائع کردیا۔ اس میں برطانوی مال، برطانوی عدالتوں اور اسکولوں کا بائیکاٹ (مقاطعہ) شامل تھا۔

خلافت کمیٹی کی طرف سے ترک موالات کا اعلان

مگر آل انڈیا خلافت کمیٹی اس پروگرام کو بہت پہلے شائع کرچکی تھی۔ لیگ اور کانگریس کی رفتار بہت سست تھی۔ یکم اگست کو اس نے باقاعدہ طور پر تحریک ترک موالات شروع کردی۔ کونسلوں، اسکولوں، کالجوں، عدالتوں، سرکاری درباروں اور جلسوں اور برطانوی مال کا زور شور سے بائیکاٹ کیا جانے لگا۔ مگر تشدد یا سختی برتنے سے مکمل طور پر احتراز کیا گیا۔ ستمبر میں مولانا محمد علی ولایت سے واپس آئے۔ علی برادران اور گاندھی نے دورہ کرکے تحریک

کو ملک کے ہر گوشے تک پھیلا دیا۔ ہندوؤں کے اعتدال پسند لیڈر جیسے مالویہ
لاجپت رائے وغیرہ اس تحریک کے خلاف تھے کیونکہ انھیں خطرہ تھا کہ مسلمان
جو اس وقت ہندوؤں سے کہیں زیادہ بیدار اور اثردار سیاسی طاقت کے مالک
ہیں افغانستان وغیرہ اسلامی ممالک سے اتحاد کر کے ہندوستان پر اسلامی
راج قائم کر دینگے۔ مگر گاندھی جی وغیرہ علی برادران کے زیر اثر تھے۔ وہ ان کے ساتھ
کام کرتے رہے۔ کانگریس بحیثیت جماعت اس وقت تک تحریک ترک موالات
سے بالکل الگ تھی۔ اس کتاب کے محدود صفحات تحریک خلافت کے مکمل حالات
کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ اس لئے زیادہ سے زیادہ اختصار سے کام لینے کی ضرورت
ہے۔ مسئلہ خلافت اور مظالم پنجاب کی وجہ سے مسلمانوں میں خاص طور پر جوش
پھیلا ہوا تھا۔ ترک موالات کی تحریک فوراً جوش و خروش سے پھیلنے لگی۔ اور ہر حصہ
ملک میں مخالفت حکومت کی آگ بھڑک اٹھی۔ سندھ اور سرحد کے غیور مسلمانوں
نے مولانا ابوالکلام کی تجویز پر افغانستان کو ہجرت شروع کر دی۔ مگر افغانستان کی
حکومت نے افغانستان میں ان کا داخلہ بند کر دیا اور مسلمانوں کو ناقابل تلافی
نقصان پہنچا۔ کونسل کے کئی ممبر استعفے دے چکے تھے۔ حکومت کو تحریک سے
خدشہ محسوس ہونے لگا تھا اور وہ اپنے اعلانات میں تحریک کو گالیاں دینے پر
اتر آئی تھی۔

لیگ اور کانگریس کے خاص اجلاس کلکتہ

لیگ اور کانگریس ترک موالات کو آئینی طور
پر اختیار کرنا چاہتی تھیں۔ اسی غرض کے لئے ان کے خاص اجلاس طلب
کئے گئے تھے۔ کانگریس نے اپنی صوبجاتی کمیٹیوں سے بھی رائے طلب کی تھی۔
بنگال نے ترک موالات کی سخت مخالفت کی۔ اس کے لیڈر سی آر داس کے
نزدیک کونسلوں اور عدالتوں کا بائیکاٹ بے معنی تھا۔ اجلاس کا صدر لالہ

لاجپت رائے کو بنایا گیا جو گورنمنٹ کی مخالفت کرنے کے لئے تیار نہ تھے حالانکہ گورنمنٹ ہی نے جنگ عظیم شروع ہونے پر انھیں جلاوطن کر دیا تھا۔ کانگریس کے ڈیلیگیٹوں میں سے زیادہ تر تحریک کے خلاف تھے۔ ترک موالات کی تجویز گاندھی جی پیش کرنی چاہتے تھے۔ مگر عام اجلاس میں پیش ہونے سے پیشتر جب کانگریس کی مجلس مضامین کے سامنے انہوں نے اپنی تجویز برائے منظوری رکھی تو کانگریسیوں نے اس کی سخت مخالفت کی۔ تجویز منظور تو ہو گئی مگر صرف سات رایوں کی اکثریت سے۔ عام اجلاس میں بھی ایک ترمیم پیش کی گئی۔ مگر تجویز منظور ہو گئی۔

۷ اور ۸ ستمبر ۱۹۲۰ء کو لیگ کا خاص اجلاس ہوا۔ لیگ نے ترک موالات کی پالیسی پر مکمل طور سے صاد کر دیا اور جزئیات کے اعتبار سے بعض اطراف میں یہ ان حدود سے بھی آگے نکل گئی جو کانگریس اور خلافت کمیٹی نے مقرر کی تھیں جس ظالمانہ طریق سے اتحادی طاقتوں نے ترکی حکومت کے ہاتھ باندھ کر اسے ذلت آفریں معاہدۂ سیورے ماننے پر مجبور کر دیا تھا، اس کی پُرغیض مذمت کی گئی۔ حکومت برطانیہ ترکوں سے بالجبر شرائط صلح منوانے میں نمایاں اور اہم حصہ لے رہی تھی۔ ان شرائط کی رُو سے تھریس کا ایک بڑا حصہ اور سمرنا یونان کو دیدیئے گئے تھے۔ بندرگاہ اور استنبول آرمینیا کے علاقے میں شامل کرکے اتحادیوں نے لے لئے۔ ترکی کی فوج گھٹا کر صرف پندرہ ہزار کر دی گئی۔ اس سے ترکوں کے ساتھ تو ظلم ہوا ہی، ان وعدوں کو بھی بیرحمی سے کچل دیا گیا جو مسلسل ہندوستانی مسلمانوں سے کئے جارہے تھے۔ تمام ہندوستان کے مسلمان مسلسل احتجاج کر رہے تھے۔ اس بارے میں ہندو ان کے ہمنوا تھے۔ مگر وزیر ہند نے ہندوستان کی طرف سے بھی معاہدہ سیورے پر دستخط کر ڈالے۔ خاص اجلاس میں ان سب باتوں پر غم و غصہ ظاہر کرتے ہوئے کھلم کھلا کہدیا گیا کہ مسلمان اس معاہدے میں تبدیلی کرانے کے لئے ہر ممکن موثر ذریعہ اختیار کرینگے۔ مسائل خلافت

و پنجاب کے تصفیئے کے بغیر ہندوستان کی بےچینی دور نہیں ہو سکتی - اور مسلم لیگ کی رائے میں باشندگان ہند کے سامنے اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں ہے کہ جبتک مندرجہ بالا شکایت کا ازالہ اور مکمل خود اختیار حکومت کا قیام عمل میں نہ آجائے وہ ترقی پسند اور بلاتشدد ترک موالات کی پالیسی اختیار کرے جس کا اجرا مرکزی خلافت کمیٹی نے کیا ہے -

ترک موالات کا پروگرام

چونکہ اس کی ابتدا ان جماعتوں سے ہونی چاہیئے جنہوں نے اس وقت تک رائے عامہ کو بنایا اور اس کی ترجمانی کی ہے اور چونکہ حکومت خطابات اور اعزاز و اکرام، سرکاری اسکولوں عدالتوں، کونسلوں ہی کے ذریعہ سے اپنی طاقت کی جڑ مضبوط کرتی ہے اس لئے لیگ مندرجہ ذیل اقدامات کی سفارش کرتی ہے :-

(۱) خطابات اور اعزازی مناصب کی واپسی - لوکل جماعتوں کی نامزدگی سے ملنے والی ممبریوں سے استعفے (۲) سرکاری درباروں اور دیگر سرکاری یا نیم سرکاری تقریبوں میں شرکت سے انکار (۳) سرکاری یا نیم سرکاری اسکولوں اور کالجوں کا مقاطعہ اور ان کی جگہ قومی اسکولوں اور کالجوں کا قیام (۴) سرکاری عدالتوں کا بائیکاٹ اور معاملات کے تصفیئے کے لئے غیر سرکاری عدالتوں کا قیام (۵) فوجیوں، کلرکوں اور مزدوروں کیطرف سے عراق عرب جانے سے انکار (۶) اصلاحات کے ماتحت بنی ہوئی کونسلوں میں ممبر بننے سے انکار اور رائے دہندگان کا امیدواروں کو رائے دینے سے انکار (۷) غیر ملکی چیزوں کا بائیکاٹ (۸) شریعت کی پابندی کرتے ہوئے ان مسلمانوں کا سوشل بائیکاٹ (معاشرتی مقاطعہ) جو اس تجویز پر عمل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوئے بھی اس کے خلاف جائیں۔ مگر یہ شرط ہے کہ صرف مقامی خلافت کمیٹی کو اس قسم کے سوشل بائیکاٹ کا اعلان کرنے کا حق ہوگا۔ کانگریس نے ترک موالات کی تجویز کو ابھی تک حتمی طور پر منظور نہیں

گیا تھا۔ بنگال اور مہاراشٹر گاندھی جی سے اتفاق نہ رکھتے تھے۔ ان کا اعتراض یہ تھا کہ اس پروگرام سے کوئی سیاسی بیداری پیدا نہیں ہوتی۔ تینوں قسم کے جو بائیکاٹ تجویز کئے گئے ہیں وہ بالکل فضول ہیں۔ آخری فیصلہ ناگپور کانگریس سنہ ۱۹۲۰ء میں ہوتا تھا۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ کا قیام

مگر جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے وہ حکومت کے خلاف صف آرا ہو چکے تھے۔ علی برادران اور دیگر تارک موالات مسلم لیڈر پورے جوش وخروش سے کام کر رہے تھے۔ ہندوستان کے ہر حصے میں مخالفت حکومت کے شعلے بھڑک اٹھے تھے۔ عدم تعاون کی تحریک کا ایک پہلو سرکاری یا نیم سرکاری کالجوں کا بائیکاٹ بھی تھا۔ اکتوبر میں علی برادران اور ڈاکٹر انصاری وغیرہ نے علیگڑھ پہنچ کر علی گڈھ کالج کے ارباب اختیار کو حکومت سے تعلق منقطع کرنے کی ترغیب دی اور ان کے انکار پر براہ راست طلبا سے کالج چھوڑ دینے کے لئے اپیل کی۔ محمد علی کی موثر تقریریں طلبا کو کالج سے نکال لائیں۔ علیگڈھ کالج کے احاطہ کے باہر اس کے مقابلے پر ایک نیا قومی ادارہ قائم ہو گیا جس کا نام اکابرین قوم نے "جامعہ ملیہ اسلامیہ" رکھا۔ اس سے ان کا مقصد ایک ایسی درسگاہ کو وجود میں لانا تھا جو مسلمان بچوں کو قومی وملی پیمانے پر تعلیم دے جامعہ اس وقت تک کامیابی کے ساتھ چل رہا ہے۔ شائد اس دور کی تمام مسلم قومی درسگاہوں میں تنہا یہی ایک ایسا ادارہ ہے جو رد عمل کی طوفانی موجوں سے زندہ بچکر زندہ رہ بھی سکا ہے۔ ترک موالات کی تحریک میں مسلمانوں نے اپنی بے پناہ قربانیوں سے جان ڈالدی۔ ہزاروں لاکھوں نے نوکریاں چھوڑیں استنے ہی خوشی خوشی جیل چلے گئے۔ بے شمار روپیہ بطور چندہ دیا گیا جو ترکوں کو بھیجا گیا اور تحریک پر بھی صرف ہوا۔ پولیس کا خوف لوگوں کے دلوں سے جاتا رہا۔ تحریک خلافت کے حامیوں نے جیلخانے کا یہ تصور بدل دیا کہ وہاں مجرم اور بدمعاش بھیجے

جاتے ہیں۔ بڑے بڑے ذی حیثیت اور قابل لوگ جیلوں میں بند ہوئے۔ قید کاٹنا عزت کی نشانی بن گیا۔ ہزاروں نے خطابات واپس کر دیئے۔ وکالتیں چھوڑ دیں، سرکاری اور نیم سرکاری اسکولوں کے مقابلے پر سینکڑوں جگہ قومی درس گاہیں قائم ہوگئیں۔ یہ سارا کرشمہ علی برادران اور ان کے رفقائے کار کی انتھک جدوجہد کا تھا جنہوں نے ہندوستان میں مسلمان قوم کو ایک ایسی زبردست سیاسی طاقت بنا دیا تھا جس سے حکومت بھی خوف کھانے لگی تھی۔ ہندوستان کے بچے بچے کی زبان پر محمد علی شوکت علی کا نام تھا۔ ان کا کارنامہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے علاوہ امن پسند ہندوؤں کے دلوں میں بھی جرأت کی آگ سلگا دی۔ اس کارنامے کا سب سے بڑا میدان سالانہ اجلاس کانگریس ناگپور سنہ ۱۹۲۰ء تھا جہاں گاندھی جی کے سوا باقی سب ہندو لیڈر ترک موالات کے پروگرام کے مخالف تھے

کانگریس کے سالانہ اجلاس ناگپور میں ترک موالات منظور

کلکتہ کے خاص اجلاس کانگریس

سنہ ۱۹۲۰ء کے بعد سالانہ اجلاس ناگپور میں کانگریس کے پلیٹ فارم سے تحریک ترک موالات جاری کرنے کے بارے میں آخری فیصلہ ہونا تھا۔ مسٹر سی وجے راگھو اچاریہ اس کے صدر تھے جو خاص اجلاس کلکتہ کے صدر لالہ لاجپت رائے کی طرح ترک موالات سے اتفاق نہ رکھتے تھے۔ سب سے زیادہ مخالفت بنگال کے لیڈر سی آر داس کی طرف سے ہو رہی تھی جو کانگریس کے خاص اجلاس کلکتہ کے فیصلے کو مسمار کرنے کے لئے مشرقی بنگال اور آسام سے ۲۵۰ ڈیلیگیٹوں کی فوج لائے۔ مہاراشٹر والے بھی مخالف تھے۔ انگلستان کی مزدور پارٹی کے ہندوستان سے ہمدردی رکھنے والے ارکان جیسے کرنل ویج ووڈ بن وغیرہ بھی مجلس مضامین میں تجویز کی مخالفت کرنے لگے۔ پنڈت مالویہ بھی سخت مخالف تھے۔ اعتدال پسندوں کی طرف سے مسٹر جناح نے اس تحریک کو قبل

از وقت اور ہندوستان کی آئینی ترقی کے لئے مضر بتایا۔ مگر مسلمانوں کی بحیثیت قوم ترک موالات کی پرجوش حمایت اور مسلمانوں کے سب سے زیادہ طاقتور لیڈر محمد علی کی پُرزور وکالت کے آگے کوئی مخالفت ٹھہر نہ سکی۔ اس اجلاس میں کل ۵۸۲۴ ڈیلیگیٹوں میں سے ۱۰۵۰ مسلمان تھے۔ انگلستان کی مزدور پارٹی کے نمائندے مسٹر ویج وڈ بین نے کہا "اس تحریک سے آپ کے ان ہمدردوں کے لئے جو انگلستان میں آپ کی حمایت میں کام کرتے ہیں، دشواریاں پیدا ہو جائیں گی۔ خود آپ کو بھی اس میں مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑیگا۔ پولیس والے ہر وقت آپ کا پیچھا کیا کرینگے۔ قانون پیشہ افراد جنہیں تاج برطانیہ کا وفادار رہنے کا حلف اٹھانا پڑتا ہے ترک موالات کی تحریک میں شامل نہ ہونگے۔ آپ لوگ ایک نامعلوم صحرا میں گھسے جا رہے ہیں۔ آپ کو کوئی معینہ تعمیری پروگرام سامنے رکھنا چاہئے" جونہی ان کی تقریر ختم ہوئی مولینا محمد علی نے کہا "یہ غلط فہمی نہ رہنی چاہئے کہ ہندوستان کے باہر ہمارا کوئی دوست ہے۔ ہماری نجات خود ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ ہمیں اپنا مستقبل خود ہی تعمیر کرنا ہے۔ بہت کافی سوچ بچار کے بعد ہم نے یہ راہ عمل اختیار کی ہے پولیس کی بھی آپ نے ایک ہی کہی۔ وہ ہندوستان کی سیاست میں کوئی نئی چیز تھوڑے ہی ہے۔ گذشتہ پندرہ سال کے دوران میں ہم نے حقوق کا ایک ایک حبہ اسی سرخ پگڑی کی سائے میں حاصل کیا ہے۔ بے شک قانون پیشہ حضرات کو وفاداری کے حلف نامے پر دستخط کرنے ہوتے ہیں۔ اسی لئے تو ہمارا ان سے یہ مطالبہ ہے کہ وہ سندیں چاک کر ڈالیں۔ ہم جانتے ہیں کہ ہم ایک بے برگ وگیاہ صحرا میں داخل ہو رہے ہیں۔ مگر کیوں؟ اس لئے کہ ہمیں خوب معلوم ہے کہ اس بہشت نژاد مقام کنعان کا راستہ اسی صحرا میں سے ہو کر جاتا ہے"

جناح کانگریس سے الگ

سی آر داس نے محمد علی کا اثر قبول کرتے ہوئے مخالفت واپس لے لی۔ اور عام اجلاس میں ترک موالات کا ریزولیوشن ان ہی نے پیش کیا اور سب لیڈر بھی شکست کھا گئے۔ ان میں سے کسی کو محمد علی نے منا لیا، کسی کو نظر انداز کر دیا، کسی کو پوری طرح مخالفت نہ کرنے دی۔ مگر وہ عملی سیاستداں محمد علی جناح کو اس بارے میں مطمئن نہ کر سکے۔ جناح کی رائے میں ابھی ہندوستان اس جنگ کے لئے تیار نہ تھا جو گاندھی اور محمد علی چھیڑنی چاہتے تھے کیونکہ ہندوستانی سیاست کا سب سے زیادہ مشکل مسئلہ ہندو مسلم اتحاد ابھی پوری طرح حل نہ ہوا تھا۔ ترک موالات سے اختلاف رکھنے کی وجہ سے جناح ہمیشہ کے لئے کانگریس سے باہر نکل آئے

۱۹۲۰ء میں مسلم لیگ کی حالت

جیسا کہ گذشتہ اوراق سے ظاہر ہے ۱۹۱۹ء تک مسلم لیگ نہ صرف مسلمانوں بلکہ کل ہندوستان کی طاقتور ترین سیاسی جماعت تھی۔ ۱۹۱۹ء کے اجلاس کی کارروائیوں کو اسی خیال سے زیادہ سے زیادہ تفصیل سے درج کر دیا گیا ہے کہ مسلم لیگ کی ۱۹۱۹ء کی مضبوط پوزیشن اچھی طرح روشنی میں آجائے۔ مسئلہ خلافت کے بارے میں بھی ۱۹۱۹ء کے اجلاس مسلم لیگ میں زوردار طریق سے حکومت کی مخالفت کی گئی تھی۔ لیکن شاید ان لوگوں نے جو مسئلہ خلافت کے سلسلہ میں ایک مخالفانہ تحریک جاری کرنا چاہتے تھے مسلم لیگ جیسی آئینی و دستوری جماعت کے میدان کو اپنے لئے محدود سمجھا۔ اس لئے جولائی ۱۹۱۹ء میں انہوں نے مرکزی خلافت کمیٹی کے نام سے ایک دوسری سیاسی جماعت بنا لی جس نے خلافت کانفرنس ۱۹۱۹ء میں تحریک خلافت جاری کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کتاب کی محدود گنجائش اور انداز بیان کسی اظہار رائے یا تنقید و تبصرہ کا متحمل نہیں ہو سکتا تاہم صرف بطور اضافہ

معلومات چند باتیں جاننا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ خلافت کمیٹی کے بانی حکیم اجمل خاں، مولینا ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر مختار احمد انصاری، ڈاکٹر سیف الدین کچلو، مسٹر یعقوب حسن مدراس وغیرہ تھے۔ یہ سب لوگ مسلم لیگ کی اسٹیج کے نمایاں ترین ایکٹر تھے۔ بلکہ انھیں لیگ کے روح رواں کہا جا سکتا ہے۔ حکیم اجمل خاں اور ڈاکٹر کچلو مسلم لیگ کے اجلاس امرتسر ۱۹۱۹ء کی علی الترتیب صدر اور صدر استقبالیہ تھے۔ ڈاکٹر انصاری اجلاس دہلی ۱۹۱۸ء کے صدر استقبالیہ تھے اور ان کا فاضلانہ خطبۂ استقبالیہ مسئلہ خلافت پر مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے ایسا زبردست چیلنج تھا کہ حکومت نے اسے ضبط کر لیا تھا۔ اس اجلاس میں حضرت مولانا عبدالباری کے ارشاد پر جلسہ گاہ کے یونین جیک (برطانوی جھنڈے) اتار کر ٹکڑے ٹکڑے کر دئیے گئے تھے اور یہ باغیانہ حرکت صدر منتخب مسٹر فضل الحق (بنگال) نے کی تھی مسلم لیگ کی اسی باغیانہ فضا کو دیکھتے ہوئے مہاراجہ بہادر آف محمود آباد جیسے اعتدال پسند لیڈر نے جنہوں نے لیگ کے خاص اجلاس بمبئی ۱۹۱۸ء کی صدارت کرتے ہوئے مونٹ فورڈ ریفارمز کی دھجیاں اڑا دی تھیں، صدارت سے استعفےٰ دیدیا تھا ۱۹۱۹ء میں مسلم لیگ ایک انتہا پسند جماعت تھی۔ حکومت اسے خطرناک سمجھتی تھی۔ مسٹر جناح جو ہمیشہ آئین و قانون کے میدان میں حکومت کے سب سے بڑے مدمقابل رہے ہیں اس کے مستقل صدر تھے۔ مگر علی برادران کے لئے لیگ کی "تنگ" فضا "بقدر شوق" نہ تھی۔ انہوں نے اپنی سرگرمیوں سے مسلمانوں کی توجہ کا رخ صرف خلافت کمیٹی کی طرف پھیر دیا۔ مسلم لیگ برابر ان کا ساتھ دیتی رہی۔ اس نے تحریک خلافت اور ترک موالات کو بھی قبول کر لیا مگر محمد علی اسے اپنے اور اپنے رفقائے کار کے لئے ناکافی سمجھتے تھے۔ اس دور میں مسلمانوں کی انتہا پسندی جسنے اپنی سروں اور خان

بہادروں کو نفرت کی باڑھ پر رکھکر سچ مچ کا ٹوڈی بن جانے مجبور کر دیا ہندوؤں کی انتہا پسندی سے منزلوں آگے نکل گئی جنھوں نے اپنے نرم گرم دونوں طبقوں کو اپنے ساتھ ملائے رکھا۔

اس سے اکثر و بیشتر صوبجاتی لیگیں بیکار ہوگئیں۔ مقامی خلافت کیٹیوں کے سامنے ان کی کوئی پوچھ نہ تھی۔ یا تو یہ حالت تھی کہ مسلمان لیگ کے پلیٹ فارم کی جانب پروانوں کی طرح کھنچے آتے تھے یا یہ کیفیت ہوگئی کہ مسلمانوں کی دلچسپی کو بیدار کرنے کے لئے پنجاب اور یوپی میں لیگ کے سفری ایجنٹ دورے کرکے لیگ کا پروپیگنڈا کرتے ہیں اور صوبجاتی لیگ کی از سر نو تنظیم کرنے کے لئے ممبر بنانے کیلئے جاتے ہیں مگر مسلمان اور بالخصوص اوسط طبقے کے تعلیمیافتہ مسلمان کوئی دلچسپی ظاہر نہیں کرتے۔ کچھ تو اس لئے مخالف ہیں کہ یہ سرکار پرستوں اور دشمنان اسلام کے حامیوں کی جماعت ہے اور کچھ اس لئے اس کا ساتھ نہیں دیتے کہ لیگ ترک موالات کا پروگرام ضرور اختیار کریگی۔ سنہ ۱۹۲۰ء میں لیگ کے کل ساڑھے نو سو ممبر ہیں۔ مگر ان میں سے صرف ایک تہائی چندہ ادا کرتے ہیں۔ جن پر پچھلا بقایا ہے وہ ادائیگی کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ وصولی چندہ کے سلسلے میں صدر دفتر مسلم لیگ سے چھ سو وی پیاں روانہ ہوتی ہیں مگر ان میں سے صرف ایک سو سینتالیس چھڑائی جاتی ہیں باقی "مکتوب الیہ لینے سے انکاری ہے" یا "واپس کردی گئی" کا افسوسناک طغرا لئے ہوئے واپس آجاتی ہیں اور وی پی کے خرچ کا دفتر پر مزید بار پڑتا ہے۔ سنہ ۱۹۱۹ء میں لیگ کی کونسل کے چھ جلسے ہوئے تھے۔ سنہ ۱۹۲۰ء میں صرف تین ہو سکے۔ تین جلسے کورم پورا نہ ہونے کی وجہ سے برخاست کر دئیے گئے۔ لیگ کے قاعدے کے مطابق غیر حاضر ممبروں میں سے دس فیصدی تحریری رائیں بھیجدیتے تو بھی جلسے ہو سکتے تھے۔ مگر ایسا بھی نہ کیا گیا۔ سید ظہور احمد آنریری سکریٹری رپورٹ مسلم لیگ بابت سنہ ۱۹۲۰ء کے صفحہ ۲ پر لکھتے ہیں۔ "بہت سے ان نمایاں ممبران لیگ نے بھی ہمیں مایوس کیا جو سالانہ اجلاسوں میں بڑی گہری دلچسپی

لیتے رہے ہیں اور اکثر اوقات خلاف مرضی امور پر بڑی مستعدی سے زبانی نکتہ چینی کرتے رہے ہیں" آگے چل کر اسی صفحے پر لکھتے ہیں:" ہر چند میں کونسل کے آئندہ جلسوں کے بارے میں تجاویز اور مشورے حاصل کرنے پر رضامند بلکہ اس کے لئے بے چین رہا مگر اس قسم کے خطوط آدھے درجن سے بھی کم آئے"

مسلم لیگ کا تیرہواں سالانہ اجلاس ناگپور ۱۹۲۰ء

اس عدم دلچسپی کا سبب یہ تھا کہ مسلم لیگ کے سرکردہ ممبر خلافت کمیٹی اور کانگریس کے میدانوں میں چلے گئے تھے۔ تحریک ترک موالات جاری ہو جانے کے بعد وہ سب عملی طور پر لیگ سے تقریباً جدا ہو گئے۔ لیگ کے تیرہویں اجلاس کا صدر ڈاکٹر مختار احمد انصاری کو بنایا گیا۔ وہ تحریک ترک موالات کے نمایاں ترین لیڈر مولانا محمد علی کے دست راست، ہندو مسلم اتحاد کے زبردست حامی، پکے کانگریسی اور سخت ترین مخالف حکومت تھے۔ لیگ کی صدارت کا تاج ان کے سر پر رکھا جانے سے بہ ظاہر ہے کہ لیگ کی فضا اسوقت کیا تھی۔ مگر جہانتک کونسلوں کے بائیکاٹ کا تعلق ہے ہر ایک مسلم لیگی اسکے لئے تیار نہ تھا۔ ایسی حالت میں بھی جبکہ اکثر مقات پر کونسلوں کے انتخابات کا بائیکاٹ کیا گیا اور کونسلوں سے نفرت ظاہر کرنے کیلئے خلافت والوں نے کہیں کسی حلوائی کو اور کہیں کسی بھنگی کو کونسل کا ممبر بنوایا، مسلم لیگ کے بہت سے ممبران انتخابات سے کونسل کے ممبر بنے۔ عام طور پر جتنے طلبا نے اسکول چھوڑے اتنے وکیلوں نے اپنی سندیں چاک نہیں کیں اور نہ اتنے مقدمہ بازوں نے سرکاری عدالتوں کا بائیکاٹ کیا۔ سودیشی کی تحریک خوب چلی۔ ڈاکٹر انصاری خلافتی تھے مستقل صدر لیگ مسٹر جناح انکی ہر رائے سے متفق نہ تھے۔ مگر پھر بھی انہوں نے ڈاکٹر صاحب کو صدر منتخب کرایا تھا۔ اسکی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ حکیم اجمل خاں اور ڈاکٹر انصاری انتہا پسند خلافتیوں میں سب سے زیادہ متوازن اور اعتدال پسند سمجھے جاتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے خطبۂ صدارت میں سلیقے کیساتھ ان سب باتوں کو دہرا دیا جو کانگریس اور خلافت کمیٹی کے پلیٹ فارم سے کہی جا رہی تھیں۔

باب ۲۰

مولانا محمد علی کی گرفتاری تک

ملک تحریک ترک موالات کو قبول کر کے آزادی کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لئے تیار ہو گیا۔ سیاسی میدان میں اعتدال پسند پیچھے ہٹ گئے۔ یا ہٹا دیئے گئے۔ مسلمان انتہا پسندوں نے تو مسلم لیگ کو بھی اس جرم میں کہ وہ پہلے کبھی اعتدال پسندوں کی جماعت تھی، سیاسی ترقی کا نااہل سمجھتے ہوئے پس پشت ڈال دیا حالانکہ ۱۹۱۹ء میں محمد علی کے سیاسی سٹیج پر نمودار ہو کر تحریک خلافت شروع کرنے سے ذرا قبل تک مسلم لیگ بہت آگے بڑھ چکی تھی۔ مگر اس پر بھی لیگ کے نمایاں ترین اعتدال پسند محمد علی جناح نے مولانا محمد علی سے اختلاف رکھنے کی وجہ سے حکومت کا دست و بازو بننے کی ضرورت نہیں سمجھی بلکہ ایوان حکومت میں گھس کر اس کی مخالفت کرتے رہے۔ وہ آئینی مخالفت کو بے ضابطہ مخالفت سے مؤثر تر سمجھتے تھے۔ تحریک کا سیلاب حکومت کی بندشوں کے باوجود جوش و خروش سے آگے بڑھا۔ ہزاروں طلبا درسگاہیں اور وکلا عدالتیں چھوڑ کر تحریک میں شامل ہو گئے۔ صدہا معزز اصحاب نے سرکاری خطابات واپس کر دیئے۔ بدیشی کپڑے کا زوردار طریقہ پر بائیکاٹ کیا گیا۔ گھر گھر چرخے چلنے لگے۔ حکومت نے لیڈروں اور حامیان تحریک کو گرفتار کرنے کا سلسلہ جاری کر رکھا تھا جیلیں بھری جا رہی تھیں۔ کئی مقامات پر گرفتاریوں پر بس نہ کر کے گولی بھی چلائی گئی۔ بہت سے زخمی اور مقتول ہوئے۔ مسلمان اس تمام جدوجہد میں پیش پیش تھے۔ واقعات ہر ایک کو اس بات کے اعتراف پر

مجبور کرتے ہیں کہ قربانی اور بیداری کی یہ فضا ان ہی کی پیدا کی ہوئی تھی۔

موپلوں کی قربانیاں

سب سے پہلے موپلوں نے خود کو ادر وطن پر نثار کیا۔ یہ لوگ مسلمان ہیں۔ ساحل مالابار پر آباد ہیں اور تجارت یا کاشتکاری کرتے ہیں۔ حکومت کی یہ کوشش تھی کہ تحریک خلافت موپلوں جیسے پکے، جری اور جنگجو لوگوں میں نہ پہنچنے پائے، مگر سیٹھ یعقوب حسن نے (جو مسلم لیگ کے پرانے کارکن تھے) بڑی جرأت سے موپلوں کے علاقہ کا دورہ کیا اور انہیں مسئلہ خلافت و مقامات مقدسہ کی اہمیت بتا کر تحریک میں شامل کر لیا۔ حکومت نے انھیں گرفتار کیا جس سے موپلوں میں بے چینی پھیل گئی۔ احتجاجی جلسے ہوئے۔ جلوس بھی نکالے گئے مگر تشدد سے پرہیز کیا گیا۔ موپلوں جیسے جنگجو لوگوں کو عدم تشدد پر اس قدر سختی سے کاربند دیکھ کر دنیا انگشت بدنداں رہ گئی۔ حکومت نے موپلوں کے علاقے میں سخت گیری کی پالیسی پر عمل شروع کر دیا۔ تاریخ ہند کی وہ لرزہ خیز ٹریجڈی جسے فسادات موپلا کہتے ہیں ان واقعات کے، جو ہم بیان کر رہے ہیں، چھ ماہ بعد ہوئی مگر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ موپلوں کی غمناک داستان تمام و کمال یہیں بیان کر دی جائے۔ اگست میں حکومت نے علاقۂ موپلا میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی کیونکہ کلکٹر مالابار دیکھ رہا تھا کہ تحریک خلافت موپلوں میں ہندوستان کے ہر حصے سے زیادہ تیزی کے ساتھ پھیل کر حکومت کیلئے زیادہ سے زیادہ خطرناک شکل اختیار کرتی جا رہی ہے۔ سیٹھ یعقوب حسن کی گرفتاری سے ان میں اضطراب بہت زیادہ بڑھ چکا تھا۔ ہزاروں کی تعداد میں موپلا لوگ کالی کٹ میں جمع ہو گئے۔ پولیس نے ان پر لاٹھیاں برسائیں۔ موپلا والنٹیروں کی وردیاں چھین لی گئیں۔ انھوں نے بھاگ کر مسجد میں پناہ لی تو فوج نے مسجد کے گرد گھیرا ڈال دیا اور مسلمانوں کو گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ جب موپلوں کے سب سے بڑے مذہبی پیشوا کو گرفتار کیا گیا اور مساجد کے اماموں کی ہتک کی گئی جو ان کے روحانی رہبر تھے، تو موپلے غصے سے بے قابو ہو گئے۔ حکومت بھی تیار تھی۔ فوج کی بندوقوں کا منہ موپلوں کے

سینوں کی طرف پھیر دیا۔ اس زبردست کشمکش میں چار سو موپلے ہلاک ہوئے۔ تمام
علاقے میں شورش پھیل گئی۔ ہندو مہاجنوں نے لوٹے جانے کے خوف سے حکومت
کے سایۂ حفاظت میں پناہ ڈھونڈھی۔ ان کی یہ حرکت موپلوں کو بری لگی۔ حکومت
کے ساتھ ہندو مہاجن اور زمیندار بھی شورش کا نشانہ بن گئے۔ ضبط کی عنان ہاتھ سے
چھوٹ جانے کے بعد یہ قدرتی بات تھی کہ موپلے تشدد پر اتر آئے۔ انہوں نے حکومت
کے خلاف آتشین اسلحہ اور تلواریں استعمال کیں۔ حکومت کی طرف داری کرنے والے
ہندو زمینداروں اور سپاہیوں کے مکانات کو جلا ڈالا، مندروں کو مسمار کیا، تار توڑ
ڈالے، ریل کی لائن اکھاڑ دی۔ بہت سے ہندو بھی، جو حکومت کے مخالف تھے،
ریل کی پٹریاں اکھاڑنے میں موپلوں کے ساتھ تھے۔ اگست میں کانگریس ورکنگ
کمیٹی کی ایک میٹنگ میں موپلوں کے تشدد کی مذمت کرتے ہوئے اس پر اظہار افسوس کیا
گیا کہ وہ ہندوؤں کو جبراً مسلمان بناتے ہیں۔ کانگریس کی اس تجویز سے یہ جھلکتا ہے کہ
موپلے ہندوؤں پر زیادتی کر رہے تھے۔ مگر جمعیتہ العلماء کی مقرر کردہ تحقیقاتی کمیٹی نے یہ
بیان شائع کیا کہ موپلوں نے صرف ان ہندوؤں کے ساتھ سخت رویہ اختیار کیا جو گورنمنٹ
کے دست و بازو بن کر ان پر ظلم کر رہے تھے۔ حکومت نے موپلوں پر شرمناک ترین مظالم
کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ ایک موقع پر تھیسٹ گرمیوں میں سو موپلہ قیدیوں کو
مال گاڑی کے ڈبوں میں مقفل کر کے ایک مقام سے دوسرے مقام کو بھیجا گیا۔ جس
سے ستر موپلے دم گھٹنے سے تڑپ تڑپ کر مر گئے۔ موپلوں کی شورش کو دبانے
کے لئے حکومت کے خزانے سے ۱۵ لاکھ روپیہ صرف ہوا۔ یہ روپیہ موپلوں کے
ٹھنڈا کرنے میں نہیں بلکہ انھیں نیست و نابود کرنے کی کوشش میں خرچ کیا گیا۔ ہزاروں
ہلاک کئے گئے۔ ہزاروں کو قید میں ڈالا گیا اور مالی اعتبار سے ان کا نام و نشان مٹا
ڈالنے کی پوری پوری کوشش کی گئی۔ ۲۰ نومبر کو لیگس کونسل نے یہ تجویز منظور کی "اس
وقت تک شہادات موپلا کی بابت کوئی آزاد اور بے لاگ شہادت پبلک کے روبرو

موجود نہیں ہے۔ سرکاری ذرائع سے جو اطلاعات مشتہر ہو رہی ہیں، ان پر مسلمانان ہند ہرگز اعتماد کرنے کو تیار نہیں اور وہ ان سنگین سزاؤں کو سخت رنج اور غصے کی نظر سے دیکھتے ہیں جو جنگی عدالتیں بشمول سزائے موت موپلوں کو دے رہی ہیں حالانکہ خود سرکاری بیانات کے مطابق نام نہاد جنگی معرکوں میں موپلوں کے ہزاروں آدمی ابتک قتل اور زخمی ہو چکے ہیں۔ نیز جو ہولناک واقعہ ایک سو موپلہ قیدیوں میں سے ۵۶ آدمیوں کے ریل گاڑی میں جاں بحق تسلیم ہونے اور چودہ کے بعد میں وفات پا جانے کا حال میں پیش آیا ہے اس نے تمام اہل اسلام کے قلوب میں خوف و دہشت کے جذبات پیدا کر دیئے ہیں۔ اس لئے کونسل کا یہ جلسہ قرار دیتا ہے کہ کم سے کم تین ارکان مسلم لیگ کی ایک کمیٹی اس غرض سے مامور کی جائے کہ وہ علاقۂ مالابار میں جا کر فسادات موپلا کے اسباب و واقعات پر مع ان افسوسناک خبروں کے جو مالابار میں ہندوؤں کے جبراً مسلمان بنائے جانے کی نسبت مشہور ہو رہی ہیں تحقیقات کرے۔ موپلوں کی داستان غم بیان کر چکنے کے بعد ہم ۱۹۲۱ء کے آغاز میں واپس لوٹ آتے ہیں۔ اور حالات کا سلسلہ ایک اہم نقطہ سے شروع کرتے ہیں۔

علی برادران کی حکومت سے نام نہاد معافی

گاندھی جی علی برادران کیساتھ ملک کے دوروں میں مصروف تھے۔ مگر بیشتر ہندو لیڈر مولانا محمد علی کے متعلق یہ خیال رکھتے تھے کہ وہ تشدد کے حامی ہیں اور ہندوستان میں اسلامی حکومت قائم کرنی چاہتے ہیں۔ محمد علی کے متعلق ہندو لیڈروں کے شبہ کو اسلامی دنیا کے سیاسی تغیرات سے اور بھی تقویت پہنچی۔ اس دور میں ترکی کی پوزیشن روز بروز بہتر ہوتی جا رہی تھی۔ گذشتہ صفحات میں بتایا جا چکا ہے کہ صلح کانفرنس نے ترکی کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے یورپین حکومتوں میں تقسیم کر دینے کا تہیہ کر لیا تھا جس پر مسلمانوں نے احتجاج کیا تھا۔ مئی ۱۹۱۹ء میں سمرنا فتح ہو چکا تھا۔ اور اتحادی صلح کانفرنس

کے فیصلے کے مطابق اُسے یونانیوں کے حوالے کر چکے تھے۔ قوم پرست ترک جن کے سر عسکر مصطفےٰ کمال تھے اس قبضے کو توڑنے کی فکر میں تھے۔ انہوں نے اناطولیہ میں ایک عارضی حکومت قائم کرلی۔ ۱۶ر مارچ ۱۹۲۰ء کو اتحادیوں نے قسطنطنیہ کو بھی فتح کرلیا۔ اور استنبول میں گھسکر قوم پرست ترکوں پر شدید مظالم کئے۔ خلیفۃ المسلمین اتحادیوں کے قیدی سے تھے۔ ان سے مصطفےٰ کمال اور خالدہ ادیب خانم کے لئے سزائے موت کے احکام لکھوا لئے گئے۔ مصطفےٰ کمال انگورہ آگئے۔ ۲۳ر اپریل ۱۹۲۰ء کو انہوں نے گریٹ نیشنل اسمبلی کے نام سے مستقل حکومت قائم کرلی۔ ۱۱ر اگست ۱۹۲۰ء کو معاہدۂ سیورے ہوا مگر مصطفےٰ کمال نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کردیا اور دریائے سکیریا پر یونانیوں کو شکست دی۔ ترکوں کی روز افزوں کامیابی سے ہندو سیاستدانوں کے ایک طبقے کا پان اسلام ازم کا خوف بڑھتا جاتا تھا۔ اس طبقے کے نمایاں ترین فرد پنڈت مالویہ تھے۔ یہ عجیب بات تھی کہ وہ ترک موالات کے مخالف تھے۔ پھر بھی کانگریس میں شامل تھے۔ گو کانگریس کے عملی پروگرام سے بالکل علیحدہ تھے۔ لارڈ ریڈنگ نئے وائسرائے مقرر ہوکر ہندوستان آئے تو پنڈت مالویہ نے ان میں اور گاندھی جی میں ملاقات کرائی۔ وائسرائے نے یہ شکایت کی کہ علی برادران کی تقریروں سے تشدد کی اسپرٹ ظاہر ہوتی ہے۔ اور وہ پان اسلام ازم کے حامی بھی معلوم ہوتے ہیں۔ ٹرکی اقتدار کی بحالی اور ہندوستان کی آزادی کے سلسلہ میں مدد کی جاسکتی ہے۔ بشرطیکہ علی برادران اپنی خطرناک پالیسی ترک کردیں۔ کہا جاتا ہے کہ گاندھی جی نے وائسرائے کو جواب دیا کہ علی برادران عدم تشدد کے عقیدے کو مانتے ہیں مگر وائسرائے کی ملاقات سے واپس آکر انہوں نے علی برادران سے یہی خواہش کی کہ وہ ان شبہات کی تردید میں ایک بیان شائع کریں۔ مولانا محمد علی اس خیال سے بیان دینے پر آمادہ ہوگئے کہ انکار کرنے کی صورت میں ان کے مخالفین گاندھی جی کو علی برادران کی طرف سے بدگمان نہ کردیں۔ مگر انہوں نے

وہ اقتباسات دیکھنے چاہے جن سے وائسرائے ہند کو تشدد کی بو آئی تھی گاندھی جی نے وائسرائے کو تار دیکر وہ اقتباسات منگا دیئے۔ مولانا محمد علی نے انہیں دیکھنے کے بعد صاف انکار کر دیا کہ کسی سے بھی تشدد کا پتہ نہیں چلتا اور اگر اب بھی کسی کو غلط فہمی ہے تو ہم اظہار افسوس کرتے ہیں۔ لیکن جونہی یہ بیان شائع ہوا وائسرائے نے گاندھی جی کو مبارکباد کا ایک تار دیا جس کے مضمون سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ وائسرائے اس بات پر بہت خوش ہیں کہ گاندھی جی نے وائسرائے کے کہنے سے اپنے ایک ساتھی سے اعتراف قصور کرا دیا ہے اور وائسرائے اس معافی کو فراخدلانہ اسپرٹ سے کام لیتے ہوئے قبول کرتے ہیں۔ اسی دن چیمسفورڈ کلب میں وائسرائے کی ایک تقریر تھی۔ انہوں نے اس تقریر میں بھی محمد علی کے بیان کا طویل تذکرہ کیا اور جن واقعات کی آخری کڑی کے طور پر بیان دیا گیا تھا انھیں اس طرح توڑ مروڑ کر پیش کیا گویا مشہور مخالف برطانیہ محمد علی نے ان کی معمولی سی کوشش سے حکومت سے اپنی مخالفانہ جدوجہد کے لئے عاجزانہ طور پر معافی طلب کی ہے اور حکومت بخوشی اسے معاف کرتی ہے جو اس کی رعایا پروری اور وسعت نظر کی کھلی دلیل ہے۔

وائسرائے کی چال کی کامیابی محمد علی سے زیادہ گاندھی جی اور ان سے زیادہ مالوی جی کی ناعاقبت اندیشی سے ہوئی تھی۔ مگر اس پر سب سے زیادہ طیش مولانا محمد علی کو آیا۔ ۸ جولائی ۱۹۲۱ء کو کراچی کے مقام پر آل انڈیا خلافت کانفرنس کا اجلاس ہوا۔ اس کے صدر مولانا محمد علی تھے۔ اجلاس میں یہ تجویز منظور کی گئی "کہ کوئی مسلمان نہ تو برطانوی فوج کی ملازمت کرے، نہ اس میں بھرتی ہو اور نہ بھرتی میں کسی قسم کی امداد کرے کیونکہ کسی صاحب ایمان مسلمان کا دوسرے مسلمان پر تلوار اٹھانا گناہ عظیم ہے"۔ انگورہ میں غازی مصطفےٰ کمال پاشا اور یونانیوں میں سخت جنگ ہو رہی تھی اور انگریز کا رجحان یہ تھا کہ یونانیوں کی مدد کیلئے ہندوستانی فوجیں بھیجی جائیں۔ اس سلسلے میں ایک دوسری تجویز یہ منظور ہوئی کہ "اگر حکومت نے انگورہ کی جنگ میں ترکوں کی مخالفت کی تو مسلمانان ہند آزادی کامل کا اعلان کر دیں گے اور آنے والے سالانہ اجلاس کانگریس

ہیں "آزاد شورائیۂ ہند" کا جھنڈا بلند کر دیا جائیگا۔ اسلام کے دشمنوں کی اعانت اور خدمت کو مذہباً حرام قرار دینے میں علمائے دین نے بھی محمد علی کا ساتھ دیا۔ تجویز کی بنیاد پر ایک فتوے تیار کیا گیا جس پر پانچ سو علمائے اسلام کے دستخط تھے۔ تجویز اور فتوے کے شائع ہوتے ہی مسلمانوں میں حکومت کے خلاف ایک زبردست طوفان مخالفت اٹھا۔ اور ہزارہا مسلمان اپنے وسائل معاش کو بے جگری کے ساتھ برباد کر کے دفتروں سے باہر نکل آئے (جہاں ان کی جگہیں فوراً دوسروں نے پر کر لیں) یہ فضا محمد علی کی دلیرانہ تقریروں سے پیدا ہوئی تھی۔ مثال کے طور پر صرف ایک تقریر کا کچھ حصہ پیش کیا جاتا ہے ۱۲؍ جولائی سنہ ۱۹۲۱ء کو انہوں نے کراچی کے ایک جلسے میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا۔ "مجھے انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کی امید اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ آپ لوگوں کے دلوں میں ہمت ہو، مردانگی ہو اور آزادی کی محبت ہو۔ اگر آپ کو غلامی پسند نہیں اگر آپ آزادی کے متمنی ہیں تو آپ کو ان کے راج سے اکتا جانا چاہیئے۔ اور آپ کے دلوں میں اس حکومت کی طرف سے نفرت برائی اور بدخواہی ہونی چاہیئے۔ کیا یہاں کوئی وکیل ہے؟ کیا کسی کو دفعہ ۱۲۴ الف کے الفاظ یاد ہیں؟ اگر مجھ سے کوئی لفظ چھوٹ گیا ہو تو بتاؤ۔ دفعہ ۱۲۴ میں نفرت، بد دلی اور بدخواہی کا ذکر ہے۔ اگر اس دفعہ میں کچھ اور بھی ہو تو وہ بھی اس گورنمنٹ کی طرف سے آپ کے دلوں میں ہونا چاہیئے۔"

خلافت کانفرنس کراچی کی تجویز اور مولانا محمد علی کی تقریر کراچی کے تقریباً تین مہینے بعد کانگریس نے بھی اس پروگرام کو اپنایا۔ ۱۶؍ اکتوبر ۱۹۲۱ء کو کانگریس کمیٹیوں کو ہدایت کی گئی کہ ہر جگہ جلسے کر کے مولانا محمد علی کی تقریر کراچی کو دہرایا جائے۔ خود کانگریس نے بھی اپنے ایک جلسہ میں اسی مضمون کی ایک تجویز منظور کی۔ مولانا محمد علی کا تنہا کارنامہ تجویز اور تقریر کراچی ہی نہیں تھا۔ انہوں نے خلافت کانفرنس میں ایک زوردار تقریر کرتے ہوئے وائسرائے بہادر کی اس چالاکی کا پردہ بھی بڑی جرات اور بیباکی کے ساتھ چاک کیا تھا جس کا اوپر ذکر آچکا ہے۔ حکومت ان سب باتوں کو ٹھنڈے پیٹوں کیسے دیکھتی! مخالفین

ترکِ موالات مالویہ اور سپرو وغیرہ قسم کے لوگ بھی برابر حکومت کو شبہ دے رہے تھے۔
علی برادران اور ان کے رفقائے کار ڈاکٹر کچلو، مولوی نثار احمد کانپوری، پیر غلام مجدّد
سندھی، مولانا حسین احمد مدنی اور سوامی شنکر آچاریہ کو جنہوں نے تجویز کراچی کی تائید کی
تھی گرفتار کر لیا گیا۔ کراچی میں ان پر مقدمہ چلایا گیا۔ ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں
مقدمۂ کراچی مولانا محمد علی اور دیگر "ملزمان" کی حق گوئی اور جرأت گفتار کی وجہ سے ایک
عدیم النظیر یادگار بنا رہیگا۔ سوامی شنکر آچاریہ کو چھوڑ دیا گیا اور باقی پانچ مسلم رہبران
کو دو دو سال کی قید بامشقت کی سزا دی گئی۔ محمد علی اور ان کے ساتھیوں کی گرفتاری
اور سزایابی سے مخالفت کی آگ اور بھی بھڑکی۔ ملک میں سینکڑوں مقامات پر جلسے
ہوئے۔ ان میں کراچی کے قیدیوں کی سزایابی پر شدید احتجاج کیا گیا اور جس تجویز پر
سزا دی گئی تھی اسے دُہرایا گیا۔ گاندھی جی نے ترچناپلی میں اسی تقریر کو علانیہ دُہرایا۔ حکومت
نے سختی شروع کر دی۔ جا بجا گرفتاریاں شروع ہو گئیں مگر لوگوں کے دلوں سے حکومت
جیلخانوں اور پولیس کا خوف اٹھ چکا تھا۔ ہر معاملے میں سینہ سپر ہو کر گورنمنٹ کی مخالفت
کی جانے لگی۔ اس کے لئے اپنی حیثیت قائم رکھنا دشوار ہو گیا۔ پرنس آف ویلز (ولیعہد
انگلستان) جدید اصلاحات کے ماتحت ملی ہوئی نئی اسمبلی کا افتتاح کرنے کیلئے ہندوستان
آنا چاہتے تھے۔ مگر دشوار صورت حال کو دیکھتے ہوئے ڈیوک آف کناٹ کو بھیجدیا گیا
تھا۔ نومبر ۱۹۲۱ء میں شہزادہ ولیعہد بھی ہندوستان آئے۔ ان کے ساحل بمبئی پر قدم
رکھتے ہی ہندوستان میں ہڑتالوں سے ان کا خیر مقدم کیا گیا۔ مگر بدقسمتی سے اسی کے
ساتھ بمبئی میں فسادات شروع ہو گئے جو چار روز تک جاری رہے۔ مسلمان علی برادران
کی سزایابی پر بہت بے چین تھے۔ انہوں نے ۲۵ دسمبر کو پرنس آف ویلز کے کلکتے آنے
کے موقع پر مکمل بائیکاٹ کر کے اپنے جذبات کے اظہار کا فیصلہ کر لیا تھا۔ خلافت اور
کانگریس کے تمام لیڈر وہاں جمع تھے۔ لارڈ ریڈنگ بہت پریشان تھے۔ اور چاہتے
تھے کہ پرنس آف ویلز کی آمد کلکتہ پر مخالفانہ مظاہرے نہ کئے جائیں۔ مالویہ جی ایک مرتبہ پھر

حکومت کے آڑے آئے۔ انہوں نے حکومت اور اس کے مخالفوں میں سمجھوتہ کرانے کی ترکیب چلی۔ ۲۱ دسمبر کو وہ ایک وفد لیکر وائسرائے سے ملے۔ سی آر داس علی پور جیل میں قید تھے۔ ان سے مشورہ کیا گیا۔ گاندھی جی حکومت سے جو سمجھوتہ کر رہے تھے اس سے صرف سول نافرمانی کے قیدیوں کی رہائی ہوئی۔ داس نے اس پر زور دیا کہ قانون ترمیم ضابطۂ فوجداری سے جتنے کارکن گرفتار کئے گئے ہیں ان سب کو رہا کیا جائے تاکہ علی برادران اور ان کے رفقائے کار بھی رہا ہو سکیں۔ گاندھی جی نے دوستوں اور رفقا کے خیال سے متفق ہو کر کراچی کے قیدیوں کی رہائی کا مطالبہ کیا۔ حکومت نے اسے مان لیا اور یہ طے ہوا کہ مارچ ۱۹۲۲ء کو اصلاحات کی اسکیم پر غور کرنے کے لئے ایک گول میز کانفرنس کی جائے اس میں خلافت اور کانگریس کے ۲۲ نمائندے شامل ہوں۔ لیکن حکومت فتوئے علمائے اسلام کی اشاعت کے سلسلے میں سزا پانے والوں کو چھوڑنے پر آمادہ نہ تھی۔ گاندھی جی ابھی جواب پر غور کر رہے تھے مگر حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر انصاری اور دیگر رہبر کلکتہ سے روانہ ہو گئے۔ اور گفت و شنید ختم ہو گئی۔ پرنس آف ویلز کی آمد کے دن شاندار مکمل ہڑتال ہوئی اور ہندوستان بھر میں تحریک زور شور سے جاری رہی

۱۹۲۱ء میں مسلم لیگ کی حالت

مسلمانوں کی توجہ مسلم لیگ کی جانب سے ہٹنی شروع ہو گئی تھی۔ وہ ہمہ تن تحریک ترک موالات کی طرف متوجہ تھے۔ اکثر صوبجاتی لیگیں نیم جان حالت میں تھیں۔ جدید قواعد پر جو اجلاس امرتسر ۱۹۱۹ء میں منظور ہوئے تھے ابھی تک عمل نہیں ہو سکا تھا۔ سفیر بھی مقرر کئے گئے تاکہ وہ صوبوں میں لیگ کے حق میں فضا پیدا کریں گر نئی روح پھونکنے یا صوبجاتی لیگوں کو از سر نو مرتب کرنے کی کوشش ناکام رہی۔ ممبروں کے رجسٹر میں ایکہزار سے زیادہ نام درج تھے مگر ۱۵ دسمبر ۱۹۲۱ء تک صرف ڈیڑھ سو ممبروں نے چندہ دیا۔ وصولی چندہ کے لئے اطلاع دینے کے بعد ۱۴۵ رجسٹری ممبروں کو روانہ کئے گئے مگر صرف ۱۲۶ پھر لوٹے گئے باقی واپس آگئے۔ لیگ کونسل کے سال بھر میں

صرف دو جلسے ہو سکے حالانکہ ۱۹۲۰ء میں تین اور ۱۹۱۶ء میں چھ جلسے ہوئے تھے۔ ایک جلسہ میں تو ممبروں کا کورم ہی پورا نہ ہوا۔ غیر حاضر ممبروں سے دس فیصدی اپنی تحریری رائیں بھیج دیتے تو بھی جلسہ ہو جاتا۔ مگر ایسا بھی نہ کیا گیا۔ کونسل کے دو جلسوں میں سے ایک ۲۷ ر اکتوبر اور دوسرا ۳۰ ر نومبر کو ہوا۔ ۲۷ ر کے جلسے میں احمد آباد کے مسلمانوں کی دعوت منظور کی گئی کہ سالانہ اجلاس ۱۹۲۱ء احمد آباد میں منعقد کیا جائے۔ مولینا ابو الکلام کو اس اجلاس کا صدر منتخب کیا گیا۔ مگر مولینا نے صدر بننے سے انکار کر دیا۔ اسلئے ۳۰ ر نومبر کے جلسے میں ان کی جگہ مولینا حسرت موہانی کو صدر چنا گیا۔ موپلوں کے متعلق ایک تجویز منظور کی گئی۔ اور غازی مصطفے کمال پاشا کی حکومت انگورہ کو مالی امداد دینے کے لئے چندہ کی اپیل کرتے ہوئے ممبران لیگ کو اس کام میں ارکان خلافت کا ساتھ دینے کی ہدایت کی گئی۔ جمعیۃ العلمائے نے اپنے سالانہ اجلاس میں امیر شریعت کے تقرر کا فیصلہ کر دیا تھا۔ کونسل نے یہ رائے ظاہر کی کہ عجلت میں اس قسم کا کوئی فیصلہ کرنا نامناسب ہے۔

علی برادران کے قید ہونے کے بعد مولینا ابو الکلام، ارکان جمعیۃ اور دیگر مسلم رہبران نے خلافت کمیٹیوں کے کام کو کانگریس کی طرف منتقل کر دیا۔ لیگ سے قیادت خلافت کمیٹی کو منتقل کی گئی۔ اب وہ اس کے ہاتھوں سے بھی چھن گئی اور تحریک کا سارا اندر کانگریس میں چلا گیا۔ ۱۹۲۱ء میں لیگ کا جو سالانہ اجلاس مولینا حسرت موہانی کی صدارت میں احمد آباد میں ہوا اس کی کارروائیاں بھی کانگریس کے سالانہ اجلاس کی کارروائیوں کی ایک گونج معلوم ہوتی تھیں۔ مولینا حسرت موہانی انتہا پسند رہبر سمجھے جاتے تھے۔ انھوں نے کانگریس کے سالانہ اجلاس میں سواجیہ کے معنی "غیر ملکی کنٹرول سے بالکل معترا اور کامل آزادی" بتائے جس پر گاندھی جی میں اور ان میں زوردار جھڑپ ہو گئی۔ کیونکہ گاندھی جی اتنے آگے بڑھنے پر آمادہ نہ تھے۔ انھوں نے حسرت موہانی کو غیر ذمہ دار منتگر کا خطاب دیا۔ لیگ کے خطبۂ صدارت میں مولینا نے انگریزوں کو دھمکی دی کہ اگر انھوں نے اپنے رویہ میں تبدیلی نہ کی تو مسلمانوں کو قرآن حکیم کے اس حکم پر عمل کرنا پڑے گا فاقتلوھم حیث وجدتموھم

(قتل کر ڈالو جہاں پاؤ تم ان کو) بعد کو ان کا خطبۂ صدارت ضبط ہو گیا اور مولانا کو اس باغیانہ اسپرٹ کے اظہار کے جرم میں بیس سال کی سزا دی گئی جو اپیل میں دو برس کی رہ گئی۔

۱۹۲۲ء کے آغاز میں ترکوں کو متواتر کامیابی ہوتی گئی۔ مصطفےٰ کمال نے یونانیوں کو شکست دیدی۔ ہندوستان کے مسلمانوں میں ترکوں کی فتح سے خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ مسٹر مانٹیگو جنہوں نے مسلمانان ہند کی ترجمانی کا حق ادا کر دیا تھا وزیر ہند کے عہدے سے مستعفی ہو گئے۔ معاہدہ سیورے پر نظر ثانی کی گئی اور اتحادی ترکوں کے سامنے جھکنے پر مجبور ہو گئے گو عرب پھر بھی ان کے حوالے نہ کیا گیا۔ مالویہ جی برابر حکومت اور گاندھی جی میں صلح کرانے کے لئے دوڑ دھوپ کر رہے تھے۔ ۱۴ر جنوری کو بمبئی میں ایک کانفرنس ہوئی جس میں باضابطہ طور پر گاندھی جی بھی شریک ہونے گئے۔ کانگریس ورکنگ کمیٹی نے کانفرنس کی کوششوں کو کامیاب ہونے کا موقع دینے کے خیال سے سول نافرمانی کا ارادہ ایک ماہ کیلئے ملتوی کر دیا۔ مگر وائسرائے بہادر نے ان شرطوں کو منظور نہ کیا جو کانفرنس کی طرف سے پیش کی گئیں۔ کانگریس سول نافرمانی شروع کرنے والی تھی۔ ملک عدم ادائیگی محصول کی مہم پر تیار نظر آتا تھا۔ مگر ۵ فروری کو چورا چوری میں عوام نے ایک تھانے کو آگ لگا کر اکیس سپاہیوں اور ایک سب انسپکٹر کو زندہ جلا دیا۔ اس سے گاندھی جی نے ۱۲ر فروری کو باردولی میں ورکنگ کمیٹی میں ایک تجویز منظور کرا کے تحریک بند کر دی کیونکہ ان کے خیال میں ملک ابھی عدم تشدد کے لئے تیار نہیں تھا۔ مسلمانوں کے سب لیڈر اس وقت جیل میں تھے۔ خلافت کا کام کانگریس میں منتقل کیا ہی جا چکا تھا۔ وہ کچھ بھی نہ کر سکے۔ ہندوستان بھر میں گاندھی جی کے خلاف آوازیں بلند ہونے لگیں۔ جو لیڈر جیل میں تھے انہوں نے غم و غصہ اور شکایت سے بھرے ہوئے خطوط بھیجے۔ علی برادران کو سب سے زیادہ ملال ہوا۔ ہر ترقی پسند گاندھی جی سے ناراض تھا۔ ۲۲ر فروری کو دہلی میں کانگریس کمیٹی کا اجلاس ہوا۔ چاروں طرف سے ان پر نکتہ چینی کی بوچھاڑ ہوئی۔ مگر رائے شماری میں جیت انہی کی ہوئی۔ ۱۳ر مارچ کو حکومت نے گاندھی جی کو گرفتار کر لیا اور چھ برس کے لئے جیل میں ڈال دیا۔

باب ۲۱

ہندو مسلم فسادات کا دور

مصطفےٰ کمال پاشا کی شاندار فتح

۱۹۲۲ء ترکوں کے لئے نئی زندگی کا پیام بنکر آیا۔ یونانیوں کو مصطفےٰ کمال کے شاندار اقدام کے نتیجے کے طور پر کھلی اور مکمل شکست ہوئی۔ اور اتحادی معاہدۂ سیورے پر نظر ثانی کرنے پر مجبور ہو گئے۔ وزیر ہند مسٹر مانٹیگو نے اس کی نظر ثانی کی درخواست کی جو مسلمانوں کی طرفداری سمجھی گئی اور پارلیمنٹ میں ان سے استعفےٰ طلب کر لیا گیا۔ وہ نہ صرف وزارت سے مستعفی ہوئے بلکہ دار العوام کی ممبری سے بھی سبکدوش ہو گئے، مسلمان ان کی اس قربانی سے بہت متاثر ہوئے۔ ترکوں کی فتوحات پر مسلمانان ہند میں وہ پُر جوش جذبۂ تہنیت لہریں لینے لگا جسے ان کی سیاسی جدوجہد کی تاریخ سے ایک عجیب مگر پُر فخر وابستگی تھی اور جس میں ان کی تاریخ کی ایک شاندار داستان عمل پنہاں تھی۔ لوزان میں صلح ہوئی ۲۰ نومبر کو اتحادی سلطنتوں نے سیاسی مسائل پر گفتگو کرنے کے لئے ایک کانفرنس کی جو دو ماہ تک ہوتی رہی۔ خلیفہ وحید الدین کو جو انگریزوں کا آدمی بن چکا تھا ترکی سے فرار ہو کر ایک انگریزی جہاز میں چھپنا پڑا۔ ترکوں نے خلیفہ کے بھتیجے عبد المجید آفندی کو خلیفہ مقرر کر کے خلافت کو حکومت سے علیحدہ کر دیا اور مصطفےٰ کمال کی صدارت میں شورائیہ حکومت قائم کر لی۔ یہ ایک نئی قومی عظمت کی پیدائش کا دن تھا۔ ترکوں کو فوجی سے زیادہ سیاسی اور ان دونوں سے زیادہ فکری

ومعنوی فتح حاصل ہوئی جس کے بغیر سیاست کی فتحمندیاں ہیچ ہیں۔ یہ فتح غازی عصمت پاشا انونو کے تدبر و فراست کا نتیجہ تھی جنہوں نے لارڈ کرزن نمائندہ برطانیہ کی دہمکیوں کے باوجود برابر کے شریک کی حیثیت سے اپنے تمام مطالبات منوا لئے عرب کی آزادی کے علاوہ باقی وہ تمام باتیں تسلیم کر لی گئیں جن کا ترکی اور مسلمانان ہند نے مطالبہ کیا تھا۔ ترکی سلطنت محفوظ ہو گئی۔ اسے تھریس اور ایشیائے کوچک کے زرخیز علاقوں سے محروم نہیں کیا گیا۔ ترکی کی خودمختاری اور برابری پر بھی صاد کر دیا گیا۔ درۂ دانیال کو بین الاقوامی بنایا گیا مگر اس پر بھی ترکوں کا اقتدار تسلیم کیا گیا۔ یہ سب کچھ اس لئے نہیں ہوا کہ وعدے پورے کئے گئے بلکہ اس لئے ہوا کہ وعدے فتح کئے گئے۔

کانگریس میں گروہ بندی

محمد علی اور گاندھی کے جیلوں میں بند ہو جانے کے بعد حصول آزادی کی جدوجہد اور تحریک ہند و مسلم اتحاد کا ردِ عمل بڑی تیزی سے شروع ہوا۔ کانگریس میں پنڈت موتی لال نہرو، سی آر داس، سر ینواس آئنگر، اور ان کے ہم خیال کونسلوں میں داخلے کا پروگرام پیش کرنے لگے۔ گاندھی کے پیروان کے مخالف تھے۔ مگر ان لوگوں نے ڈاکٹر انصاری مسٹر وی جے پٹیل، حکیم اجمل خاں، پنڈت موتی لال نہرو، راجگوپال اچاریہ وغیرہ کی ایک کمیٹی مقرر کرا ہی دی جس کا کام ملک کا دورہ کر کے حالات کا اندازہ لگانا تھا خلافت کمیٹی نے بھی اس مقصد کے لئے ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر کی۔ کانگریس کی کمیٹی کی رپورٹ پر نومبر تک غور نہ کیا جا سکا۔ اس رپورٹ میں سول نافرمانی کے پروگرام کو قریب قریب ملتوی کر دیا گیا تھا اور داخلۂ کونسل کی سفارش کی گئی تھی۔ خلافت کمیٹی کی مقرر کردہ کمیٹی نے کونسلوں کے بائیکاٹ کی رائے ظاہر کی۔ لیکن خلافت کمیٹی کا سارا تعمیری کام کانگریس کی طرف منتقل ہو چکا تھا۔ اس لئے یہ بالکل بے اثر رہی۔ کانگریس کے عملی دست و بازو شل ہو چکے تھے۔ مگر گاندھی اور علی برادران کو ماننے

والے داخلۂ کونسل کے حامیوں کے آگے ہتھیار ڈالنے کو تیار نہ تھے۔ کلکتہ کے اجلاس نومبر ۱۹۲۲ء میں انہوں نے پنڈت موتی لال نہرو اور سی آر داس کی ایک نہ چلنے دی۔ اور بات سالانہ اجلاس کانگریس گیا تک ٹل گئی۔ گیا میں بھی داخلۂ کونسل کے مخالف جیت گئے۔ سی آر داس نے فوراً ایک سوراج پارٹی بنالی۔ وہ بنگال کونسل پر قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ پنڈت موتی لال نے شملہ اور دہلی کے ایوانہائے حکومت کی تسخیر کا کام سنبھالا۔ مخالفین کہتے تھے کہ یہ مہمات کیسے کامیاب ہوسکتی ہیں۔ جبکہ ابھی ۲ر اگست کو وزیر اعظم برطانیہ لائڈ جارج نے نظام حکومت کو ایک آہنی شکنجہ ظاہر کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ ہندوستان میں اس ڈھب سے حکومت کی جارہی ہے کہ ہندوستان کا انگریزوں کی امداد کے بغیر کبھی کام چل ہی نہ سکیگا سوراج پارٹی کا قیام ترک موالات کے خلاف بغاوت اور اس کا خاتمہ کہا جاسکتا ہے۔ گیا کانگریس کے موقعے پر جمعیۃ العلماء نے بھی فتوے شائع کر دیا تھا کہ داخلۂ کونسل حرام نہیں ہے۔

ہندو مسلم اتحاد کا ردِ عمل

ہندو مسلم اتحاد کا ردِ عمل ہندو مسلم فسادات کی شکل میں شروع ہوا۔ ۱۹۲۲ء کے آغاز میں لالہ منشی رام عرف سوامی شردھانند کو جو ہندوؤں کے آریہ فرقے کے ایک نمایاں رہبر تھے، حکومت نے بلا شرط رہا کر دیا۔ وہ ترک موالات کی تحریک میں قید ہوئے تھے۔ اور ابھی ان کی قید کی میعاد پوری نہیں ہوئی تھی۔ انھوں نے رہائی کے فوراً بعد راجپوتانہ میں ملکانہ راجپوتوں کی شدھی کا کام شروع کر دیا اس تحریک کا مقصد ان مسلمانوں کو ہندو بنانا تھا جو پوری طرح اسلامی مذہب اور معاشرت سے بہرہ ور نہ ہوئے ہوں۔ مسلمانوں کے لیئے اس سے زیادہ توہین آمیز اور مخالفت انگیز اور کوئی بات نہیں ہوسکتی کہ ان کے مذہب پر حملہ کیا جائے۔ ان میں تحریک خلافت کے ایام سے بھی زبردست تر ہیجان پیدا ہو گیا

مولانا سید غلام بھیک نیرنگ وکیل انبالہ نے تبلیغ کی تحریک اٹھائی تا کہ مسلمان اپنی مدافعت کر سکیں۔ سوامی جی کے علاوہ پنڈت مالویہ بھی اس جدید فضا کے پیدا کرنے والوں میں سمجھے جا سکتے ہیں۔ انہوں نے ہر جگہ کے فسادات کی ذمہ داری مسلمانوں ہی پر ڈالی اور اپنی تقریروں سے ہندو مسلمانوں کی باہمی مخالفت کو بھڑکایا۔ نومبر ۱۹۲۲ء میں سنگھٹن کی تحریک شروع ہو گئی۔ اس کا مقصد ہندوؤں کو منظم کرنا تھا۔ یہ کوئی بری بات نہیں تھی مگر سنگھٹن کے کرتا دھرتا لوگوں کے افعال سے یہ ظاہر ہونے لگا کہ اس کا مقصد ہندوؤں کو مسلمانوں کے مقابلے پر منظم کرنا ہے۔ اس کے جواب میں ڈاکٹر سیف الدین کچلو نے مسلمانوں کو متحد اور قومی بنانے کے لئے تحریک تنظیم کی بنیاد ڈالی۔ ان چیزوں کا لازمی نتیجہ ہندو مسلمانوں میں کشیدگی کی شکل میں ظاہر ہوا۔ ہندو مسلم اتحاد کو سب سے پہلی ٹھیس ملتان (پنجاب) میں لگی جہاں ستمبر ۱۹۲۲ء میں محرم کے موقع پر فساد ہوا۔ بہت جلد یہ آگ پنجاب کے شہروں اور گاؤں اور ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں بھی پھیل گئی۔ کہیں اس پر فساد ہوا کہ کسی راستہ سے مسلمانوں کے تعزیئے نکلنے دینے کے لئے ہندو اپنے پیپل کا ایک تنا کیوں کاٹیں۔ کہیں اس بات پر خونریز لڑائی ہوئی کہ نماز کے وقت ہندوؤں کو مسجدوں کے آگے باجہ بجانے کا حق ہے۔ کہیں یہ سوال اٹھا کہ مسلمانوں کو گائے ذبح کرنے کا استحقاق نہیں ہے کیونکہ ہندو اسے مقدس سمجھتے ہیں۔ ان فسادات میں لاٹھیاں اینٹیں، آتشگیر مادے اور ہتھیار بھی کچھ استعمال کیا گیا۔ کونسلوں اور کمیٹیوں اور سرکاری دفتروں میں پڑھے لکھے ہندو مسلمانوں میں چل گئی۔ مسلمان آبادی کے تناسب سے اپنے حقوق طلب کرتے تھے۔ ہندو اس مطالبے پر برہم ہوتے لگتے تھے۔ یوپی میں انہوں نے ڈسٹرکٹ بورڈ ایکٹ کی ترتیب کے وقت علانیہ معاہدہ لکھنؤ کو توڑا۔ معاہدے میں مسلمانان یوپی کو ڈسٹرکٹ بورڈوں میں ۳۰ فیصدی نمائندگی دی گئی تھی، ہندوؤں نے اسے گھٹا کر

۲۵ فیصدی کردیا اور مسلمانوں کے ¾ حصے کی مخالفت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے
اس معاملے کو طے شدہ بھی قرار دیدیا حالانکہ معاہدے میں یہ تھا کہ کسی قوم کے ¾
ممبر اپنی قوم سے تعلق رکھنے والے کسی مسودۂ قانون یا تجویز کے خلاف ہوں تو اسے
مسترد کردیا جائیگا۔ اس سے مسلمانوں پر یہ اثر ہوا کہ پنجاب اور بنگال میں تو ہندو اقلیتوں
کی پوزیشن ہماری اکثریتوں کو گھٹا کر مضبوط کرلی گئی۔ اور ہندو اکثریتوں کے صوبوں
میں مسلمان اقلیتوں کو ایسا تناسب دینے سے بھی گریز کیا جارہا ہے جو بہر صورت
اکثریت پر کوئی برا اثر نہ ڈال سکے گا۔

۱۹۲۲ء میں مسلم لیگ کی مایوس کن حالت

صوبجاتی لیگیں قریب قریب ختم ہو چکی تھیں۔ مسلم لیگ سے
مسلمانوں کی دلچسپی اس قدر گھٹ گئی تھی کہ ۱۹۲۲ء میں ۱۰۹۳ ممبروں میں سے صرف
۲۲ ممبروں نے چندہ دیا۔ اس سال لیگ کی کونسل کا ایک بھی جلسہ نہیں ہوا۔ سید
ظہور احمد صاحب سکرٹری لیگ کونسل کے آئندہ جلسوں کے لئے تجاویز حاصل کرنے
کے بہت خواہشمند رہے۔ انھوں نے بار بار ممبروں سے استدعائیں بھی کیں مگر وہ
بیکار گئیں۔ اپنی سالانہ رپورٹ میں یہ تمام ماجرا بیان کرنے کے بعد وہ فرماتے ہیں۔
"شائد اس کی وجہ میری کثیر التعداد خطائیں ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ میرے بعد میری
جگہ پر جو سکرٹری صاحب منتخب ہونگے وہ کامیاب ہونگے" اس سے معلوم ہوتا ہے
کہ ۱۹۲۲ء میں مسلم لیگ زندگی اور موت کی کشمکش میں پڑی ہوئی تھی۔ خلافت کمیٹی "نسبتاً"
بہتر حالت میں تھی۔ کانگریس کی کشتی بھی انتشار اور گروہ بندی کے بھنور میں پھنسی
ہوئی تھی۔ داخلۂ کونسل کی تجویز گیا کانگریس میں نامنظور ہو چکی تھی مگر اب کانگریس
والے رفتہ رفتہ داخلۂ کونسل کی طرف جھکتے جارہے تھے۔

۱۹۲۳ء شروع ہوتے ہی ہندو مسلمانوں کے اختلافات اور بھی زیادہ زور
وشور سے ظاہر ہونے لگے۔ ہندو مسلم اتحاد کے بغیر ملکی ترقی ایک خواب ہے۔ مگر یہ جانتے

ہوئے بھی جلسوں اور اخباروں میں نمایاں ہندو مسلمان تعصبات کو برابر ابھار رہے تھے جس سے نادان عوام ہندوستان کی سڑکوں پر بیدریغ اپنا خون بہار ہے تھے اجمیر، میرٹھ، سہارنپور، آگرہ وغیرہ متعدد مقامات پر ہندو مسلمان ایک دوسرے کے خون کی ہولیاں کھیل رہے تھے - کانگریس نے اس سلسلے میں اتنا تو ضرور کیا کہ اپنی یکم جنوری کی میٹنگ میں ڈاکٹر انصاری سے قومی اتحاد کے متعلق ایک اسکیم تیار کرنے کی درخواست کی مگر اس سے زیادہ کچھ نہ کر سکی - اس کے ایوان میں تو داخلۂ کونسل کے سوال پر افراتفری مچی ہوئی تھی - سی آر داس استعفے واپس لینے اور سوراج پارٹی کو چھوڑنے پر آمادہ نہ تھے اور ان کے مخالفین یہ دھمکی دے رہے تھے کہ ہم کونسلوں کے بائیکاٹ کی مہم شروع کرنی چاہتے ہیں -

مسلمانوں کے سامنے اہم مسئلہ یہ تھا کہ خلافت کمیٹی اور مسلم لیگ دونوں میں سے کون قیادت کرے - مسلم لیگ کے پندرہویں سالانہ اجلاس لکھنؤ میں صدر استقبالیہ شیخ شاہد حسین لکھنؤ نے اپنے خطبہ استقبالیہ میں یہ تجویز کیا کہ جمعیتہ علماء ہند کو مذہبی نوعیت کے معاملات سونپ دیئے جائیں اور خلافت کمیٹی اور مسلم لیگ کو ملا کر ایک کر دیا جائے اور جمہوریت کا رنگ غالب کرنے کے لئے لیگ کے دستور میں اصلاح کر لی جائے - اجلاس کے صدر منتخب شیخ غلام بھرگری تھے جو ایک سنجیدہ مزاج خاموش اور سچے خادم قوم و ملک نوجوان تھے - انھوں نے برطانیہ کی خارجہ پالیسی پر شدید نکتہ چینی کی کہ اس نے بلاد اسلامیہ سے دشمنانہ رویہ اختیار کر رکھا ہے - اور ہندوستان کی سیاست پر ایک نظر ڈالنے کے بعد بتایا کہ ہندوستان کا سیاسی نصب العین حصول حکومت خود اختیاری ہونا چاہیئے اور گورنمنٹ پر زور دیا کہ اسے اصلاحات پر فوراً نظر ثانی کر کے ہندوستان کو اس نصب العین سے قریب تر لانا چاہیئے - آپ نے یہ تجویز کیا کہ مختلف پارٹیوں کے لیڈر گول میز کانفرنس کر کے ایک مشترکہ سیاسی پروگرام بنائیں - بھرگری صاحب نے ہندو مسلم

مناقشات کی مذمت کرتے ہوئے رواداری کے لئے اپیل کی۔ فرقہ وارنیابت کو بُرا بتایا مگر حالات کے اعتبار سے اسے ضروری قرار دیا۔ لیگ کے وجود کی اہمیت ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ اس میں ہر خیال کے لوگوں کے لئے گنجائش ہے۔ خلافت کمیٹی کا ایک معینہ مشن ہے اس لئے یہ سوال ہی نہ پیدا ہونا چاہیئے کہ لیگ کو توڑ کر خلافت کمیٹی کو قائم رکھا جائے۔

مولانا محمد علی و ابوالکلام آزاد ہندو مسلم فسادات کی مذمت میں

ہندو مسلم فسادات زیادہ سے زیادہ شدید صورت اختیار کرتے جا رہے تھے۔ اگست ۱۹۲۳ء میں مولانا محمد علی دو سال کی قید بامشقت کاٹ کر جیل سے رہا ہوئے۔ انہوں نے ہندو مسلم فسادات کی مذمت کی اور انھیں روکنے میں اپنا پورا زور صرف کر دیا۔ وہ کانگریس کے سالانہ اجلاس کوکناڈا کے صدر منتخب تھے۔ اپنے خطبۂ صدارت میں انہوں نے کہا۔ "اگر ہمارا منتہائے نظر صرف عَلَم اور پیپل کے درخت ہیں تو یہ ساری کانگریس کمیٹیاں اور خلافت کمیٹیاں محض تمسخر ہیں"۔ سالانہ اجلاس سے قبل ستمبر ۱۹۲۳ء میں کانگریس کا ایک خاص اجلاس ہوا تھا۔ اس کے صدر مولانا ابوالکلام آزاد تھے۔ انہوں نے اپنے خطبۂ صدارت کے اہم ترین حصے میں ہندو مسلم اتحاد پر بہت زور دیا۔ انہوں نے کہا "اگر آج آپ اس کا فیصلہ نہیں کر سکتے کہ ترک موالاتی کونسلوں میں جائیں یا نہ جائیں تو مضائقہ نہیں لیکن خدارا آج اس کا فیصلہ کر کے یہاں سے اٹھئے کہ ہندستان اپنی آزادی کی زخمی امیدوں کو بچائے رکھے یا آگرہ اور سہارنپور کی خون آلود سرزمین میں دفن کر دے"۔

خلافت کا عزل

مسلمان معاہدۂ لوزان سے کسی حد تک یہ سمجھکر مطمئن تھے کہ ترکوں کی ہستی برقرار رہ گئی جو استحکام خلافت کی ضامن ہے مگر ترکی میں پان اسلام ازم (بین الاسلامیت) کی جگہ تحریک اتحاد تورانی مقبول ہوتی

جارہی تھی۔ سر آغا خاں اور سید امیر علی نے مسلمانانِ ہند کی خواہشات کی ترجمانی کرتے ہوئے ترکوں سے خلافت کو برقرار رکھنے کی استدعا کی تو اس کے جواب میں عصمت پاشا انونو نے ۲۹ ردسمبر ۱۹۲۳ء کو ٹائمز کے نامہ نگار کو انٹرویو (موقعۂ ملاقات) دیتے ہوئے کہا کہ اس قسم کے لوگ غیر ملکی اور برطانیہ کے لگے بندھے آدمی ہیں۔ ان کو جو مذہباً شیعہ ہیں ترکوں کو نصیحت فرمانے کی کیا ضرورت ہے کہ انھیں یہ کرنا چاہیئے اور یہ نہیں کرنا چاہیئے۔ چنانچہ ۳ مارچ ۱۹۲۴ء کو ترکی کی قومی اسمبلی نے ایک تجویز منظور کر کے خلافت کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ ہندوستان کے مسلمانوں میں قدرتی طور پر اس سے غم و افسوس کی لہر دوڑ گئی۔ جس چیز کے لئے انہوں نے اتنی قربانیاں دیں وہی ختم ہو گئی۔ خلافت کمیٹی نے عزلِ خلافت پر بہت افسوس ظاہر کیا اور دنیائے اسلام کے کسی دوسرے حصے میں قیامِ خلافت کی تجویز منظور کی۔

۱۹۲۴ء میں ہندو مسلم کشیدگی اور بھی بڑھنے لگی۔ بڑے بڑے حامیانِ ہندو مسلم اتحاد اپنے عقائد میں متزلزل ہو گئے۔ کانگریس کے خاص اجلاس دہلی میں ڈاکٹر انصاری اور لالہ لاجپت رائے کو ہندو مسلم مسئلے کا حل دریافت کرنے پر مامور کیا گیا تھا۔ انہوں نے سولن پیکٹ مرتب کیا تھا جس میں جداگانہ انتخاب کے اصول اور پنجاب اور بنگال میں ہندو مسلم اکثریت کو تسلیم کر لیا گیا۔ مگر کانگریس کے اجلاس میں یہ پیکٹ منظور نہ ہوا۔ اب وہاں بھی مہاسبھائی ذہنیت کے لوگ آ گھسے تھے۔ البتہ بنگال میں سی آر داس نے اسے نافذ کر دیا۔ ہندو مہاسبھا روز بروز زیادہ طاقتور جماعت بنتی جارہی تھی۔ وہ معاہدہ لکھنؤ ۱۹۱۶ء کے بالکل خلاف تھی، خود کو ہندوؤں کی نمائندہ جماعت کہتی تھی اور اس بات کی دعویدار تھی کہ کانگریس ہندوؤں کی نمائندگی نہیں کر سکتی۔ اگر مسلمانوں کو ہندوؤں سے سمجھوتہ کرنا ہے تو وہ مہاسبھا سے بات کریں۔ کانگریسی لیڈروں کو اس کی تردید کی فرصت نہ تھی۔ وہ کونسلوں پر قبضہ کر کے سوراج حاصل کرنے کی تدبیریں کر رہے تھے۔ ہندو مسلم فسادات برابر

جاری تھے۔ گلبرگہ شریف، لکھنؤ، شاہجہاں پور، الہ آباد، جبلپور وغیرہ مقامات ہندو مسلمانوں کی طاقت آزمائی کے میدان بنے۔ مسلمانوں نے دیکھا کہ اس حالت میں غیر منظم اور پراگندہ رہنا قومی زوال اور تباہی کو دعوت دینا ہے۔ انہوں نے لیگ کو منظم اور از سر نو زندہ کرنے کی طرف توجہ کی۔

مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے مسٹر جناح کا طلوع نو

قوم کی نظریں ایک بار پھر مسٹر جناح کی طرف اٹھیں۔ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۱۹ء کے دیباچے میں یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ دس برس بعد ایک کمیشن مقرر کر کے تحقیقات کرائی جائیگی کہ اصلاحات کس حد تک کامیاب ثابت ہوئیں۔ وہ وقت نزدیک آرہا تھا۔ مسلمانوں کے سامنے ایک عملی پروگرام رکھنے کی ضرورت تھی۔ اس کی تکمیل مسٹر جناح جیسے بلند پایہ مقنن، آئین شناس اور ہمدرد اسلام سیاست داں ہی کے ہاتھوں ہوسکتی تھی۔

مسلم لیگ کا پندرہواں سالانہ اجلاس لاہور ۱۹۲۴ء

چنانچہ مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کا جو مئی ۱۹۲۴ء میں ہوا انہی کو صدر بنایا گیا۔ ہندو مسلم مناقشات اور آئینی جدوجہد کے آغاز کے دور میں وہی کشتیٔ قوم کے بہترین ناخدا ہوسکتے تھے کیونکہ وہ ایک قانون داں مدبر بھی تھے اور اہل کانگریس کے معیار کے مطابق قوم پرست بھی تھے۔ ذاتی طور پر مسٹر جناح مسلمانوں کی جداگانہ نمائندگی کے مخالف تھے۔ لیکن وہ ایک حقیقت پرست پالیٹشئین (مدبر) ہوتے ہوئے اس کی طرف سے آنکھیں بند نہیں کرسکتے تھے کہ دوسروں کے طرز عمل نے مسلمانوں کو جماعتہائے قانون ساز اور ملازمتوں میں اپنے حقوق کی حفاظت پر مجبور کردیا ہے جس کیلئے انھیں جداگانہ نیابت کی ضرورت ہے۔ اجلاس میں مسٹر جناح نے قوم کی سیاسی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے ایک عملی پروگرام کی اہمیت ظاہر کی۔ چنانچہ اجلاس نے ایسی تجاویز منظور کیں جن سے اس قسم کا پروگرام وجود میں آگیا۔ ہندوستان میں

کامل ذمہ دار یا خود اختیار حکومت کے قیام پر زور دیا گیا۔ اس مطالبہ کے ساتھ مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کی شرط لگائی گئی۔ ان ذرائع پر بھی مکمل بحث ہوئی جن سے ہندوستان کے لئے ذمہ دار حکومت اور مسلمانوں کے لئے حقوق حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ ان طریقوں پر بھی غور کیا گیا جن سے ہندوستان کی مختلف قوموں میں اتحاد و اتفاق پیدا کیا جا سکتا ہے۔ مسلمانوں کے مطالبات کو آگے بڑھانے کے لئے مسلم لیگ کو از سر نو منظم کرنے کا ارادہ کر لیا گیا اور خلافت کمیٹی سے جس نے تمام سیاسی مسائل کو بھی اپنے دائرۂ عمل میں گھیر لیا تھا کوئی ایسا سمجھوتہ کرنے کا فیصلہ ہوا جس سے مسلم لیگ اور خلافت کمیٹی میں تصادم نہ ہو تصادم سے بچنے کی اس لئے بہت ضرورت تھی کہ اس طرح مسلمانوں کو متحد اور منظم کر کے ملکی ترقی میں حصہ لینے کے قابل بنایا جا سکتا تھا۔ ہندوؤں کے طرز عمل سے مسلمان چوکنے ہو گئے تھے۔ اجلاس لیگ نے انھیں جگا کر مستعد کر دیا اور ایک پروگرام کی شکل میں قومی لائحہ عمل بھی ان کے سامنے رکھ دیا۔

اتحاد کی کوششیں ہندو مسلم تنازعات اور کشیدگی برابر بڑھ رہی تھی۔ شدھی سنگھٹن، ہندو مہا سبھا، مالویہ اور لاجپت رائے کا طوطی بول رہا تھا۔ گاندھی جی اپنی شدید علالت کی وجہ سے جیل سے رہا کر دئیے گئے تھے۔ مگر اب ملک کی سیاسی فضا ان کا کوئی دباؤ قبول کرنے کو تیار نہ تھی۔ کانگریس میں سوراجی اپنی رائے منوانے پر تلے ہوئے تھے۔ گاندھی جی نے رہائی کے بعد جُوہو میں سی آر داس اور پنڈت موتی لال نہرو سے گفت و شنید کی۔ سوراجیوں سے اختلاف رائے رکھتے ہوئے بھی گاندھی جی کو ان کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑے۔ بنگال میں نوجوان پارٹی تشدد پر اُتر آئی تھی۔ اس نے انگریزوں پر بم مارنے شروع کر دئیے تھے۔ یہ تحریک عدم تشدد سے کھلی بغاوت تھی۔ ہندو مسلم اتحاد کے معاملے میں بھی گاندھی جی کی کچھ نہ سُنی گئی۔ ستمبر ۱۹۲۴ء میں شدھی

اور سنگھٹن کے اثر سے کوہاٹ میں ایک خوفناک ترین ہندو مسلم فساد ہوا۔ گاندھی جی اور مولانا شوکت علی واقعات کی تحقیقات کے لئے کوہاٹ گئے۔ علی برادران ہندو مسلم اتحاد کے لئے سرگرم کوششیں کر رہے تھے۔ کوہاٹ کے فسادات پر گاندھی جی اور مولانا شوکت علی دونوں نے جداگانہ رپورٹیں تیار کیں۔ گاندھی جی نے مسلمانوں کو فساد کا ذمہ دار ٹھہرایا اور یہ کہا کہ "مسلمان دنگئی ہیں۔ ہندو بزدل ہیں۔" مولینا شوکت علی کی رائے یہ تھی کہ مسلمانوں کو کوئی الزام نہیں دیا جا سکتا۔ اسی زمانے میں دہلی میں بھی زبردست ہندو مسلم فساد ہوا۔ گاندھی جی نے دہلی میں مولینا محمد علی کے مکان پر اکیس روز کا فاقہ شروع کر دیا۔ مناقشات کی آگ کو بجھانے کے لئے خیر خواہان ملک نے ۲۶ ستمبر سے ۲ اکتوبر تک دہلی میں ایک اتحاد کانفرنس کی جس میں ایک قومی پنچایت بنائی گئی جس میں گاندھی جی کے علاوہ حکیم اجمل خاں اور لالہ لاجپت رائے وغیرہ تھے۔ پنچایت نے فسادات کو روکنے اور مذہبی رواداری قائم کرنے کی تدبیریں سوچیں۔ ۱۶ اکتوبر کو پنچایت کے فیصلے کے مطابق ہندوستان بھر میں جلسے ہوئے جن میں گاندھی جی کی بحالیٔ صحت کے لئے دعا اور قومی پنچایت کے اصولوں کی تائید کی گئی۔ خیال یہ ہوا کہ ایک آل پارٹیز کانفرنس (سب جماعتوں کی مجلس) نومبر میں بمبئی میں طلب کی جائے۔ اور اس میں ہندو مسلم مسئلے کا حل سوچا جائے۔ مگر یہ کانفرنس نومبر میں نہ ہو سکی۔ البتہ دسمبر میں لاہور میں ہندو مسلم رہبروں کا ایک جلسہ ہوا جسمیں تقریباً سبھی نمایاں ہندو مسلم لیڈر موجود تھے پنجاب ہندو مسلم فساد کا سب سے بڑا اکھاڑہ رہ چکا تھا اس لئے جلسے میں پنجابی تعلیم یافتہ ہندو مسلمانوں کے سیاسی اختلافات پر گفتگو ہوئی۔ مسلمانوں نے تناسب آبادی کے لحاظ سے نمائندگی ملنے کا مطالبہ کیا۔ سکھوں نے مراعات طلب کیں ہندوؤں کی طرف سے صرف یہ اندیشہ ظاہر کیا گیا کہ اگر پنجاب میں مسلمانوں کو یقینی اکثریت حاصل ہو گئی تو جنگجو ہونے کی وجہ سے وہ پنجاب اور ہندوستان کے لئے

ایک خطرہ بن جائیں گے۔ وہ کہتے تھے کہ مسلمان حقوق کا مطالبہ ترک کر دیں، سیاست کو مذہب سے جدا رکھیں، بیرونی ممالک اسلامیہ سے منقطع ہو کر صرف ہندوستانی بنیں، شدھی پر اعتراض نہ کریں، تنظیم کو چھوڑ دیں کیونکہ اس میں ہندوؤں کی مخالفت کا جذبہ ہے، جداگانہ نمائندگی پر زور نہ دیں اور ڈسٹرکٹ اور لوکل بورڈوں اور یونیورسٹیوں اور دفاتر میں بھی جداگانہ نیابت کا اصول رائج نہ کریں۔

مسلم لیگ کا سولھواں سالانہ اجلاس بمبئی ۱۹۲۴ء

اس تاریک فضا کو شمع اتحاد سے روشن کرنے کے وسائل سوچنے کے لئے بمبئی میں لیگ کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا اس کے انعقاد میں بہت کچھ مسٹر جناح کا ہاتھ کام کر رہا تھا۔ ۱۵ء میں بھی انہی کی کوشش سے بمبئی میں اجلاس لیگ ہوا تھا۔ مگر زمانہ کس قدر بدل چکا تھا۔ ۱۵ء میں سب قوموں میں اتحاد کی خواہش تھی۔ ۲۴ء میں ہر طرف سے نااتفاقی کے طوفان اُٹھ رہے تھے۔ مگر ان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے مسلم لیگ اور مسٹر جناح ملک اور مسلمانوں کی ترقی کے لئے پر زور جد وجہد پر آمادہ تھے۔ رضا علی صاحب نے اپنے خطبۂ صدارت میں اس پر زور دیا کہ ہندوستان کو خود اختیار حکومت دینے کے معاملے میں حکومت کو جلد کوئی قدم اُٹھانا چاہئے۔ اور فوج میں ہندوستانیوں کو بھی ذمہ دار عہدے دینے چاہئیں۔ انہوں نے لیگ کی پچھلے چند سال کی بے عملی پر روشنی ڈالی اور یہ رائے ظاہر کی کہ خلافت کمیٹی کو مذہبی معاملات سونپ دئیے جائیں اور داخلی امور لیگ سنبھال لے۔ سب سے بڑا مسئلہ ہندو مسلم اتحاد اور مسلمانوں کے حقوق کا تھا۔ رضا علی صاحب نے ۱۸ء سے لیکر ۲۴ء تک کے واقعات پر ایک نظر ڈالی اور ہندو مسلم مناقشات کے لئے عوام سے زیادہ لیڈروں کو ذمہ دار قرار دیا۔ انہوں نے شدھی سنگھٹن اور تنظیم کے کارکنوں سے ان تحریکوں کو بند کر دینے کی اپیل کی۔ ۱۶ء کے ہندو مسلم سمجھوتہ کا ذکر چھیڑ کر انہوں

نے بنگال اور پنجاب کے مسلمانوں کے اعتراض کا تذکرہ کیا کہ ان صوبوں میں مسلم اکثریت کے ساتھ انصاف نہیں ہوا۔ ان کے خیال میں اس کی وجہ یہ تھی کہ یوپی کے ہندؤں نے ۱۹۲۲ء میں سب سے پہلے ڈسٹرکٹ بورڈوں میں اس صوبے کی مسلم اقلیت کی نمائندگی سمجھوتے کے مقررکردہ اعداد سے کم کر کے سمجھوتے کی خلاف ورزی کی۔ بہرکیف باہمی سمجھوتے سے معاہدے پر نظرثانی ہوسکتی تھی مسلم لیگ کے اس اجلاس میں ایک کمیٹی بنائی گئی کہ وہ جماعتہائے قانون ساز اور ملازمتوں میں مسلمانوں کے حقوق کے حصول کی غرض سے مطالبات مرتب کرے اور دوسری انجمنوں سے گفت وشنید کر کے مسلم لیگ کو صورت حال سے باخبر کرے۔

آل پارٹیز کانفرنس بمبئی

ہندو مسلم کشیدگی برابر بڑھ رہی تھی۔ جو آل پارٹیز کانفرنس نومبر ۲۴ء میں نہ ہوسکی تھی اسے جنوری ۱۹۲۵ء میں ایک اشد ضرورت سمجھتے ہوئے دھلی میں منعقد کیا گیا۔ کانفرنس میں یہ معلوم ہوا کہ ہندؤوں کے لیڈر مسلمانوں کے مطالبۂ جداگانہ نیابت کے بالکل مخالف ہیں کیونکہ وہ اسے ایک ایسی برائی سمجھتے ہیں جو قومیت کی راہ ترقی میں حائل ہے۔ یہ خیال پنڈت مالویہ نے ظاہر کیا اور مسلمانوں سے دریافت کیا گیا کہ اگر معاہدۂ لکھنؤ میں وہ کچھ ترمیمات چاہتے ہیں تو انھیں ظاہر کریں تاکہ ان کی روشنی میں گفتگو کیجا سکے

مسلمانوں کو ہندؤوں کے اس طرزعمل سے بہت مایوسی ہوئی۔ مسٹر جناح کانفرنس میں مسلمانوں کی نمائندگی کر رہے تھے۔ انھوں نے فرمایا کہ مسلمانوں کا یہ مطالبہ ہے کہ بنگال اور پنجاب میں مسلم اکثریت اقلیت میں تبدیل نہ ہو اور دوسرے صوبوں میں اقلیتوں کی حفاظت کے جو اصول معاہدۂ لکھنؤ میں طے کئے جاچکے ہیں وہ قائم رہیں۔ اور ملازمتوں کا بھی تصفیہ ہوجائے۔ لالہ لاجپت رائے نے لاجپت انصاری پیکٹ سولن میں جداگانہ نمائندگی کو تسلیم کر لیا تھا مگر اب وہ مخالفت پہ بولے۔ علی برادران نے اتحاد کے لئے اپیل کی۔ ایک کمیٹی مقرر کردی گئی

کروہ جماعتہائے قانون ساز اور ملازمتوں میں مختلف اقوام کی نمائندگی کے بارے میں اسکیم تیار کرے۔ اس کمیٹی کو یہ بھی بتانا تھا کہ کن ذرائع سے سب قوموں کو کانگریس میں شامل کیا جا سکتا ہے اور سوراج کی نہ کونسی اسکیم ہو سکتی ہے جو بنظر حالات سب کے لئے قابل قبول ہو۔ کمیٹی کی کامیابی کی شروع ہی سے کوئی اُمید نہ تھی۔ یہ ناکام رہی۔ اور اس طرح ناکام رہی کہ آئندہ کے لئے کوشش کا راستہ بھی مسدود نظر آنے لگا۔

مئی ۱۹۲۵ء میں کلکتہ میں تقریر کرتے ہوئے گاندھی جی نے اعلان کر دیا کہ مجھے ہندو مسلم کشمکش کا کوئی علاج نہیں سوجھتا۔ یہ ہندو مہاسبھا کی کھلی فتح تھی۔ اب مالوی، لاجپت رائے اور شردھانند ہندو قوم کے مسلّمہ لیڈر تھے۔ دہلی، کلکتہ، الہ آباد وغیرہ مقامات پر خونریز فسادات اور لڑائیاں ہوئیں کانگریس ان حالات کو ختم کرنے پر قدرت نہ رکھتی تھی۔ اس کا سارا زور سمٹ کر کونسلوں میں چلا گیا تھا۔ گاندھی جی عملاً پنڈت موتی لال کے حق میں رہبری سے دست بردار ہو چکے تھے۔ کانگریس مکمّل طور پر سوراجیوں کے ہاتھوں میں چلی گئی تھی۔ ان میں ایک گروہ ایسا بھی پیدا ہو گیا تھا جو عہدے قبول کرنے کے حق میں تھا۔ گاندھی جی اعلان کر چکے تھے کہ ترک موالات اب میرے لئے ایک دماغی رجحان سے زیادہ نہیں مسلمانوں نے امرتسر میں ایک آل پارٹیز مسلم کانفرنس کی۔ اس کی غایت باہمی مشورہ تھی۔ مگر اس زمانے میں حالات کا بہاؤ کچھ ایسا تھا کہ یہ کانفرنس مجلس مشاورۃ کی جگہ تنظیم کانفرنس بن گئی۔ مسٹر جناح اور مسلم لیگ کا مقصد حاصل نہ ہو سکا۔

لیگ کی حالت اس وقت پہلے کی بہ نسبت کچھ بہتر ہو گئی تھی مگر اب بھی مسلمانوں کی بے حسی کا یہ عالم تھا کہ گو ممبران کو اجلاس لاہور کی کارروائی بھیجی گئی اور ظہور احمد صاحب سکریٹری لیگ نے ۲۰ اگست کو اپنے ایک گشتی مراسلے کے ذریعے

سے اجلاس لاہور کے عملی پروگرام کا ایک واضح خاکہ بھی ان کے سامنے رکھہ دیا مگر قوم کی طرف سے کوئی حوصلہ افزا جواب نہ ملا۔ اجلاس لاہور میں ایک کمیٹی دوسری سیاسی جماعتوں سے مشورہ کرکے دستور اساسی بنانے اور دوسری خلافت کمیٹی سے اختلافات دور کرنے کے لئے بنی تھی۔ مگر ان کمیٹیوں کا کوئی جلسہ ہی نہیں ہوا۔ اجلاس بمبئی میں جہاں آل پارٹیز کانفرنس دہلی میں مسلمانوں کی نمائندگی کرنے کے لئے ایک کمیٹی بنائی گئی وہیں ان دونوں کمیٹیوں کی تجدید بھی کی گئی مگر پھر بھی اس سلسلے میں کوئی کام نہ ہوسکا۔ مگر جہانتک ہندو مسلم اتحاد اور ملکی ترقی کا سوال ہے مسلم لیگ کے نمایاں رہبر برابر اپنا کام کرتے رہے۔

مسلم لیگ کا سترہواں اجلاس علیگڈھ سنہ ۱۹۲۵ء

لیگ کا سالانہ اجلاس مسلم یونیورسٹی کی سلور جوبلی کے موقع پر علیگڈھ میں ہوا۔ اس کے صدر آنریبل سر عبدالرحیم تھے جو بنگال کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر اور مدراس ہائیکورٹ کے جج رہ چکے تھے۔ انہوں نے ہندو مسلم تعلقات پر ایک طویل تبصرہ کرنے کے بعد یہ ظاہر کیا کہ ہندوستان کو سلطنت انگلشیہ کے ایک جزو شریک کی حیثیت سے ترقی کرنی ہے۔ ایسی حالت میں ہندوستان کی طرف سے متحدہ آئینی نظام بنا کر پیش کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہندو مسلمانوں کے سربرآوردہ نمائندوں کی ایک مجلس شورے منعقد کیجائے سر عبدالرحیم نے صاف کہدیا کہ اگر موجودہ حالات میں مشترکہ یا مخلوط انتخاب رکھا گیا تو اہم اقلیتوں کو نقصان پہنچے گا۔ مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے یہ ضروری ہے کہ انہیں جماعتہائے قانون ساز میں تناسب آبادی کے لحاظ سے نشستیں دیجائیں اس وقت مسلمانوں کی تین سیاسی جماعتیں کام کر رہی تھیں مسلم لیگ، خلافت کمیٹی اور تنظیم کانفرنس۔ جمعیتہ علمائے ہند اور تبلیغ کانفرنس نے مذہبی امور کی نگہداشت کا کام سنبھال لیا تھا۔ صدر لیگ نے ان تینوں جماعتوں کے کام کی تعریف کی اور مسلم لیگ کی اہمیت

ظاہر کرتے ہوئے بتایا کہ اس کے ارکان کو جماعتہائے قانون ساز میں مضبوط جماعتیں بنانیکی اشد ضرورت ہے تاکہ مسلم حقوق کی صحیح طور پر حفاظت ہو سکے۔ انہوں نے بین الاسلامی مسائل وقت پر بھی روشنی ڈالی اور اردو زبان کو عربی رسم الخط میں قومی زبان بنائے جانے پر زور دیا۔ ۱۹۲۵ء کے دو دیگر اہم واقعات سلطان ابن سعود کا شریف حسین کو شکست دیکر حجاز پر قبضہ اور حکومت برطانیہ کا ریفارمز (اصلاحات) کی تیسری قسط کے سلسلے میں ایک شاہی کمیشن کے تقرر کا اعلان ہیں۔

ہندو لیڈروں کا طرز عمل

اس اعلان پر سوراج پارٹی نے اسمبلی میں ایک تجویز رکھی کہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ میں ہندوستان کو مکمل خود اختیار حکومت تفویض کرنے کے خیال سے اصلاح کی جائے اور اصلاحات کا تصفیہ کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ قریبی زمانے میں ایک گول میز کانفرنس منعقد کیجائے پارٹی کے اس مطالبے کا حکومت پر کوئی اثر نہوا کیونکہ ایک تو ہندو مسلمانوں میں نااتفاقی تھی۔ دوسرے خود سوراجی بھی آپس میں ایک دوسرے سے برسر پرخاش تھے۔ ۲۶ء کے آغاز میں سوراجیوں کا اختلاف رائے نمایاں طور پر منظر عام پر آگیا۔ اب سوراج پارٹی کے بعض نمایاں رکن، جیسے لاجپت رائے کیلکر اور جیکر وغیرہ عہدے قبول کر کے حکومت سے تعاون کرنا چاہتے تھے۔ ترک موالات کو چھوڑ کر کانگریس نے داخلۂ کونسل کا راستہ پکڑا۔ اب کونسل میں داخل ہونے کے بعد بعض کانگریسی عہدے قبول کرنے پر آگئے۔ لالہ لاجپت رائے تو حکومت سے تعاون ہی کی صلاح دینے لگے۔ اب وہ کانگریسی ہونے پر قناعت نہ کر کے ہندو قوم کے لیڈر بن چکے تھے۔ ۲۶ء میں بجٹ پیش ہونے پر مرکزی اسمبلی میں پنڈت موتی لال نہرو نے پارٹی سمیت واک آؤٹ (احتجاجاً ترک اجلاس) کیا تو اسے لالہ لاجپت رائے نے ہندو قوم کے لئے بہت نقصان دہ قرار دیا۔ انہوں نے ہندوؤں کو اس بات کی تلقین شروع کر دی کہ جو حکومت کے گُر گے بنیں انہیں برا نہ سمجھو۔ دیکھنا یہ چاہئیے کہ وہ حکومت سے مل کر ہندو قوم کو فائدہ پہنچاتے ہیں یا نہیں۔ بھائی پرمانند بھی جو ہندو مہاسبھا کے ایک تابندہ ستارے بن رہے تھے ہندوؤں کو سرکار سے بلکہ مسلمانوں کو کمزور کرنے کی تعلیم دے رہے تھے۔ مالویہ جی کا تو یہ اعتقاد ہی تھا کہ

سوراج ہندوراج ہوگا۔ رنگا آئر صاحب اسی بات کو جمہوری انداز سے یوں ظاہر کرتے تھے۔ کہ سوراجیہ کا راج اکثریت کا راج ہے جو کانگریس کے ذریعے سے حاصل ہو سکتا ہے جس میں ہندوؤں کا غلبہ ہے۔ ان سب باتوں کے اثرات سے ہندو مسلم مناقشات روز بروز بڑھتے جا رہے تھے۔

فسادات کلکتہ

اپریل ۱۹۲۶ء میں کلکتہ میں خوفناک ہندو مسلم فسادات ہو ہی چکے تھے پورے چھ ہفتوں تک کلکتے کی گلیاں ہندو مسلمانوں کے خون سے رنگین رہیں۔ آریہ سماج کی سرگرمیوں پر مسلمانوں کو بڑا زبردست اعتراض تھا کیونکہ یہ لوگ مسلمانوں کو مشتعل کر دینے والی حرکات کرتے تھے۔ کلکتہ کا فساد آریہ سماجیوں اور چند مسلمانوں کے باہمی جھگڑے ہی سے شروع ہوا تھا۔ مگر بہت جلد فساد کی آگ سب طرف پھیل گئی تھی۔ مسجدیں مسمار کی گئیں، مندر گرائے گئے۔ لوٹ مار اور ہلاکت کا ایک زبردست طوفان پھٹ پڑا۔ کل ۱۱۰ آدمی ہلاک اور ۹۷۵ آدمی مجروح ہوئے۔ لارڈ ارون اسی زمانے میں نئے نئے وائسرائے مقرر ہو کر آئے تھے۔ انہوں نے ایک بیان شائع کر کے ہندو مسلمانوں سے پُر امن رہنے کی اپیل کی۔

ہندو مسلمانوں میں نااتفاقی اس حد تک بڑھ چکی تھی کہ جس ہندو کے متعلق ہندوؤں کو ذرا بھی شبہ ہوتا تھا کہ وہ مسلمانوں کی طرف جھکا ہوا ہے یا آزاد خیال واقع ہوا ہے، اس کی ہر میدان میں پوری قوت سے مخالفت کرتے تھے۔ یوپی میں سوراج پارٹی کو انتخابات میں بڑی زبردست شکست ہوئی۔ شکست کیا مخالفین نے اسے بالکل پچھاڑ دیا۔ پنڈت موتی لال نہرو پر کھلم کھلا یہ الزام لگایا گیا کہ وہ گائے کا گوشت کھاتے ہیں، گاؤکشی کی حامی ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ ہندو مسجدوں کے آگے باجہ بجانا بند کر دیں۔ پنڈت جی نے اپنی ایک تقریر میں یہ بیان کرنے کے بعد کہا "میں ان الزامات کی تردید عام جلسوں میں تو کر سکتا تھا مگر وہ تو ہر گاؤں اور ہر گھر میں پہونچ چکے تھے جہاں میرا پہنچنا مشکل تھا۔"

قوم پرور مسلم لیڈروں کا طرز عمل

مسلم لیڈروں میں سے کچھ تو حکومت سے تعاون کر رہے تھے اور کچھ حکومت کے مخالف ہونے کے علاوہ اب ہندوؤں کی حرکتوں کا بھی ترکی بہ ترکی جواب دینے پر آمادہ تھے ایک طبقہ ایسا بھی تھا جو ہندو مسلم اتحاد کے فسادات کی ضربوں سے چور چور ہو جانے کے باوجود اب تک اسے بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ان میں نمایاں ترین علی برادران تھے گاندھی جی اس دور میں سیاسیات سے علیحدگی اختیار کر کے سابرمتی آشرم میں گوشہ نشین ہو چکے تھے۔ مولینا محمد علی، ڈاکٹر انصاری، مولینا ابوالکلام اور ڈاکٹر محمود وغیرہ نے کئی بار ان سے فضا کو صاف کرنے کی درخواست کی مگر ان کی خاموشی نہ ٹوٹی۔ تاہم علی برادران خاموش نہ بیٹھے۔ وہ کانگریس اور خلافت کمیٹی کے پلیٹ فارموں اور اپنے اخبار کے ذریعے سے برابر ہندو مسلم اتحاد کے لئے کوششیں کرتے رہے۔ انہوں نے تنظیم اور تبلیغ کی تحریکوں کی مخالفت کی۔ اس پر مسلمانوں نے ان کو نکتہ چینی کا نشانہ بنایا کہ آخر وہ شدھی اور سنگھٹن کی مخالفت کیوں نہیں کرتے۔ مولانا محمد علی کا خیال تھا کہ یہ کام محب وطن ہندو لیڈروں کو کرنا چاہیئے۔ انہوں نے پنڈت موتی لال کو فساد پرور ہندو لیڈروں کی مذمت کرنے کی صلاح دی۔ مگر پنڈت جی ایسا کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ اگر وہ لالہ لاجپت رائے کی مخالفت کرتے تو آئندہ انتخابات میں ان کی امداد سے محروم ہو جانے کا امکان تھا جو سوراج پارٹی کی کامیابی پر برا اثر ڈالتا۔ یہ بات مولانا کو بری لگی اور حکیم اجمل خاں صاحب نے بھی پنڈت موتی لال سے صاف صاف کہدیا کہ اب وہ مسلمانوں سے بھی کوئی توقع نہ رکھیں۔ مئی ۲۶ء میں خلافت کمیٹی کا ایک خاص اجلاس دہلی میں ہوا جس کے صدر علامہ سید سلیمان ندوی تھے۔ اس میں بھی محب وطن ہندوؤں کے اس طرز عمل پر افسوس ظاہر کیا گیا کہ وہ ہندو مہاسبھا، مونجے اور شردہانند کی اتحاد شکن حرکتوں کی مذمت نہیں کرتے۔ اور جس دلیری سے مسلمان محب وطن اپنے اس رنگ کے مسلمانوں سے لڑ رہے ہیں کانگریسی ہندو اپنے اتحاد کش مہاسبھائیوں سے اس طرح لڑنے پر آمادہ نہیں ہیں۔ مگر اس اظہار

افسوس کے باوجود خلافت کانفرنس میں ہندوؤں کی طرف سے بیزاری کا اعلان نہیں کیا گیا اور نہ ان کے خلاف ہتھیار اٹھانے کا عندیہ ظاہر کیا گیا۔ محمد علی کا خیال تھا کہ یہ دور آزمائش ہے مسلمانوں کو چاہئے کہ نہ تو خود مشتعل ہوں اور نہ اپنی زبان سے کوئی ایسی بات نکالیں جس سے دوسروں کو مشتعل ہونے کا موقع ملے۔ مولانا محمد علی عوام کو بالکل بیگناہ قرار دیتے تھے کانگریس کے اجلاس میں یہ خبر ملی کہ قاضی عبدالرشید نے سوامی شردھانند کو قتل کر ڈالا تو جو تجویز مولانا محمد علی نے مرتب کی اور جسے گاندھی جی نے پیش کیا اس میں یہی الفاظ تھے کہ سوامی شردھانند کے قتل کا مجرم قاضی عبدالرشید نہیں بلکہ وہ لوگ ہیں جو ایک دوسرے کے خلاف منافرت پھیلاتے اور عوام کو اکساتے ہیں۔

مسلمانوں کی قومی سیاسی پالیسی کیا ہو؟

اب مسلمان متحدہ قومیت سے پوری طرح متنفر ہو چکے تھے۔ ان میں ملکی ترقی اور سیاسی اتحاد کا جذبہ اب بھی زندہ تھا مگر ہندوؤں کے عام رجحان کو دیکھتے ہوئے بحیثیت اقلیت تحفظ حقوق کی ضرورت سب کو محسوس ہونے لگی تھی۔ نظام حکومت میں اہم تبدیلیاں ہونے والی تھیں مسلمانوں کو اپنی سیاسی حیثیت پر ایک نظر ڈال کر اپنی قومی پالیسی بنانی تھی۔ برطانوی حکومت اس پالیسی کا اعلان کر چکی تھی کہ وہ ہندوستان کو خود اختیار حکومت دینی چاہتی ہے۔ مسلمان یہ جاننے سے بے پرواہ نہیں رہ سکتے تھے کہ آئندہ مرحلۂ ترقی میں ان کی کیا جگہ ہوگی۔ گذشتہ چند برسوں میں انہوں نے ہندو لیڈروں کا یہ طرز عمل دیکھا تھا کہ ایک طرف تو وہ مسلمانوں کو حکومت کی نظروں میں مجرم بنانے کے لئے ان پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ یہ ہندوستان میں اسلامی حکومت قائم کرنی چاہتے ہیں اور ہندوستان کی سرزمین سے انہیں کوئی وابستگی نہیں ہے۔ دوسری طرف جب وہ اپنے جائز حقوق طلب کرتے ہیں تاکہ فراغت اور چین سے اس سرزمین کے پُرامن فرزندوں کی طرح زندگی گذاریں تو سب انہیں حقوق سے محروم رکھنے پر کمر کس لیتے ہیں۔ بنگال میں سی آر داس نے مسلمانوں کے حقوق دلوانے کے لئے جو معاہدۂ بنگال نافذ کیا تھا اسے ٹھکرا دیا گیا تھا

سر فضل حسین نے پنجاب میں معاہدہ لکھنؤ کے مطابق مسلمانوں کے حقوق محفوظ کئے تو ایک طوفان مخالفت برپا ہو گیا۔ خود کانگریس نے لاجپت انصاری پیکٹ کو منظور نہ کیا۔ مسلمانوں کے حقوق طلب کرنے پر ہندو یہ جواب دیتے ہیں کہ تم میں لیاقت کی کمی ہے۔ لیکن انگریز جب ہندوستانیوں کو حکومت کرنے کے ناقابل بتاتے تھے تو ان سے یہ کہتے تھے کہ تجربہ خود سکھا دیتا ہے۔

مسلم لیگ کا اٹھارھواں سالانہ اجلاس دہلی ۱۹۲۶ء

لیگ کا جو سالانہ اجلاس اس سال دہلی میں ہوا اسے مسلمانوں کی آئندہ پالیسی کی وضاحت کرنی تھی۔ خان بہادر پیرزادہ محمد حسین ایم، اے صدر مجلس استقبالیہ نے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ وہ متفقہ طور پر اپنے مطالبات کا مسودہ تیار کریں اور اگر کانگریس دوستی کا ہاتھ بڑھائے تو اس کے ساتھ اشتراک عمل کریں۔ مگر اپنے مطالبات جداگانہ انتخاب اور ملازمتوں میں تناسب کے لحاظ سے حصہ اور مذہب اور تمدن کے آئینی تحفظ پر زور دیں۔ سر عبدالقادر صدر منتخب نے اپنے خطبۂ صدارت میں یہ صلاح دی کہ موجودہ صورت میں مسلمانوں کو منظم ہو کر اپنے حقوق کی حفاظت کرنی چاہئیے اور یہ کام لیگ کے ذریعے سے ہونا چاہئیے جو مسلمانوں کے وجود کو قائم رکھنے کے لئے بہت ضروری ہے۔ انہوں نے یہ بھی تجویز کیا کہ اگر معاہدہ لکھنؤ میں ترمیم کی ضرورت محسوس ہو رہی ہو تو لیگ اور کانگریس کے چیدہ چیدہ نمائندے کانفرنس کر کے ایک جدید معاہدہ مرتب کر لیں۔ مسلمان معاہدہ پر نظر ثانی کیلئے تیار ہیں۔ وہ اسمبلی کونسلوں اور سرکاری ملازمتوں میں کافی نمائندگی چاہتے ہیں۔ سر عبدالقادر نے بتایا کہ ہندو لیڈر مسلمانوں کی نمائندگی کے اصول کو تو مانتے ہیں مگر یہ چاہتے ہیں کہ یہ نمائندگی مخلوط یا مشترک انتخاب سے ہو۔ انہوں نے کہا "یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ مخالفت کس وجہ سے ہے؟ مشترکہ انتخاب میں جھگڑے ہو جاتے ہیں۔ مسلمانوں کو یہ پسند بھی نہیں ہے اور ہندوؤں کو اس سے کوئی نقصان بھی نہیں پہنچتا۔ اس طریق انتخاب کو اس وقت تک رکھنا چاہئیے جب تک بے اعتمادی کی فضا موجود ہے۔" آپ نے تفصیل سے بتایا کہ مسلمانوں کا سرکاری نوکریوں میں تناسب کے لحاظ سے حصہ مانگنا برحق ہے۔ انہوں نے ہندوؤں کے اس شبہہ کا ازالہ کیا کہ بیرون ہند کے مسلمانوں سے

ہمدردی رکھنے کی وجہ سے مسلمانوں کی حب الوطنی میں کمی آجاتی ہے اور گائے اور باجے کے مسئلے پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالنے کے بعد رواداری کی اپیل کی۔ آپ نے مسلمانوں کی تمام انجمنوں کو ایک ہو کر آنیوالے شاہی کمیشن کے سامنے مطالبات پیش کرنے کا مشورہ دیا اور اپنے خطبۂ صدارت کو سوامی شردھانند کے قتل پر اظہار افسوس کرتے ہوئے ختم کیا۔

تجاویز دہلی ۱۹۲۷ء

ہندو مسلم فسادات کی جو فضا ۱۹۲۲ء سے قائم ہو چکی تھی وہ ابھی تک ختم نہ ہوئی تھی۔ کانگریس کا پروگرام اب کونسلوں تک ہی محدود رہ گیا تھا۔ گاندھی جی اس پروگرام کو ملک کے لئے نقصان وہ بتا رہے تھے مگر تھے سوراج پارٹی کے ساتھ ہی۔ ہندو مہاسبھا کا زور بندھ چکا تھا۔ اس کی طاقت میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا مسلمانوں کے مطالبات یہ تھے کہ برطانیہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۱۹ء پر جلد از جلد نظر ثانی کرنے کے لئے ایک کمیشن مقرر کرے جس کی تحقیقات کی بنیادوں پر حصول حکومت خود اختیاری کی اسکیم تیار ہو۔ اس اسکیم میں اقلیتوں کی مناسب نمائندگی کا پورا پورا لحاظ رکھا جائے۔ انہیں جداگانہ نمائندگی کا حق دیا جائے صوبہ سرحد میں بھی اصلاحات نافذ کی جائیں۔ سب قوموں کو پوری مذہبی آزادی حاصل ہو۔ اگر کسی ادارے میں کسی قوم کے ممبروں کا تین چوتھائی حصہ کسی تجویز کی جو ان کے قومی مفاد سے تعلق ہو مخالفت کرے تو تجویز پیش ہونے کے ناقابل قرار دی جائے۔ ہندو لیڈروں کو مسلمانوں کے یہ مطالبات ناپسند تھے۔ وہ اس بات پر بہت شدومد سے اصرار کرتے تھے کہ مسلمان مخلوط یا مشترکہ انتخاب کا اصول مان لیں۔ مسلمانوں کا یہ کہنا تھا کہ ہندوستان کی ابتک کی تاریخ میں کبھی اکثریت کی حکومت نہیں ہوئی۔ آنے والی اصلاحات سے پہلی بار ایسی حکومت قائم ہو گی جسمیں نہ کسی کا کوئی خاص اختیار چلیگا نہ ویٹو سے قانون نامنظور ہو سکیں گے بلکہ ہر فیصلہ اکثریت کے فیصلے سے ہوا کریگا۔ ہندوؤں کو ۶۶ فیصدی کی اکثریت حاصل ہے۔ ہم ان سے دو تہائی کم ہیں۔ ایسی صورت میں ہم سیاسی تحفظات کے بغیر کس طرح مطمئن ہو سکتے ہیں۔ ہندوؤں کی ذہنیت آج بھی وہی ہے جو ۱۹۰۹ء میں تھی، وہ چاہتے ہیں کہ مسلمان ہندوؤں کی غلامی قبول کریں۔ اس سے ہم اعلان بیزاری کرتے ہیں۔

۲۰ مارچ ۱۹۲۷ء کو ویسٹرن ہوٹل دہلی میں مولانا محمد علی کی کوششوں سے ہر طبقہ اور خیال

کے نمایاں مسلمانوں کا ایک اجتماع ہوا جس کی صدارت مسٹر جناح نے کی۔ دن کے دس بجے سے لے کر شام کے چھ بجے تک مسلسل بحث و مباحثہ ہوتا رہا۔ شرکائے اجلاس کو کسی ایسے راستے کی تلاش تھی جس سے مسلمانوں کو ہندوستان کی سرزمین پر باعزت زندگی بسر کرتے ہوئے انگریزوں اور ہندوؤں دونوں کی غلامی سے نجات حاصل ہو جائے۔ آخر یہ طے ہوا کہ مشترکہ انتخاب مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ منظور کر لیا جائے۔ سندھ کو صوبہ بمبئی سے جدا کر کے علیحدہ صوبہ بنا دیا جائے (اس سے مسلم اکثریت کا ایک صوبہ وجود میں آتا تھا) سرحد اور بلوچستان کو بھی وہی اصلاحات دی جائیں جو دوسرے صوبوں کو ملیں۔ پنجاب اور بنگال میں نمائندگی آبادی کے تناسب سے ہو۔ مرکزی اسمبلی میں مسلمانوں کے لئے نشستوں کا ایک تہائی حصہ مخصوص ہو۔ ملازمتوں کے سوال کو آئندہ کے لئے ملتوی کر دیا گیا۔ انہیں تجاویز دہلی کہتے ہیں۔ ان کے ذریعے سے اصلاحات کی مزید قسط ملنے سے قبل مسلمانوں نے متفقہ طور پر اپنے قومی مطالبات حکومت اور ہندوؤں کے سامنے رکھ دیئے۔ ہندو مہاسبھا نے اس کے دوسرے ہی دن اپنا جلسہ کیا اور یہ اعلان کر دیا کہ ہم مخلوط انتخاب تو منظور کرتے ہیں مگر مسلمانوں کے باقی مطالبات نامنظور کئے جاتے ہیں۔ ہندو اخبارات نے اب علی برادران اور ان کے شرکائے کار مسلمان محب وطنوں کو بھی نکتہ چینیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا تھا۔ کانگریس کی مجلس عاملہ نے اپنے ۵ مئی کے اجلاس بمبئی میں ڈاکٹر انصاری کے اثر سے تجاویز دہلی کو منظور کر لیا۔ مسٹر سری نواس آئنگر نے بھی ہندو مسلم اتحاد کے سلسلے میں زبردست کوشش کی۔ وہ اس سال کانگریس کے صدر تھے۔ مگر مہاسبھا کے اثرات اس وقت ملک پر بہت زیادہ حاوی تھے۔ ملک کے ہر گوشے میں ہندو مسلم فسادات ہو رہے تھے۔ ۲ مئی سے ۷ مئی تک لاہور میں ایک خوفناک ترین فساد ہوتا رہا۔ جولائی میں راجپال کی شرانگیز کتاب کی وجہ سے ہندو مسلمانوں کی کشیدگی میں مزید اضافہ ہوا۔ ۱۹۲۴ء میں پنجاب کے ایک دریدہ دہن آریہ راجپال نے (نقل کفر کفر نہ باشد) "رنگیلا رسول" کے نام سے رسول پاک صلعم کی زندگی پر ایک کتاب لکھی تھی جس میں ذات اقدس پر دریدہ دہنی کے ساتھ حملے کئے گئے تھے۔ مصنف پر اسی وقت فوجداری مقدمہ دائر ہو گیا تھا۔ وہ دو سال تک چلتا رہا۔ ماتحت عدالت نے راجپال کو سزا دی تھی۔ مگر لاہور ہائی کورٹ کے جسٹس دلیپ سنگھ

نے اسے رہا کر دیا۔ اس سے ہندوستان کے مسلمانوں میں شدید بے چینی پھیل گئی۔ ہر مسلمان کے دل میں ایک آگ سی بھڑک اٹھی۔ سب مسلمانوں نے متفق اللفظ ہو کر کہا کہ کتاب ضبط کی جائے مصنف کو سزا دی جائے اور جسٹس دلیپ سنگھ کو عدالت عالیہ کے جج کے نا قابل قرار دیتے ہوئے مستعفی ہونے پر مجبور کیا جائے۔ مولینا محمد علی کی یہ رائے تھی کہ بنیادی قصور قانون ضابطہ فوجداری کا ہے جس میں مذہبی پیشواؤں کی توہین پر سزا دینے کے لئے کوئی صاف اور واضح دفعہ نہیں۔ انہوں نے دہلی میں ایک زبردست جلسہ کیا جس میں بیس ہزار مسلمان شریک تھے اور ایک تجویز منظور کرائی کہ اس سلسلے میں اسمبلی میں ایک قانون منظور کرایا جائے۔ مولانا نے فوراً ایک مسودۂ قانون بھی تیار کر لیا جس کی رو سے کسی مذہب یا مذہبی پیشوا کی توہین قانوناً جرم قرار دی گئی تھی۔ اگست میں سر ذوالفقار علی خاں نے اسے مرکزی اسمبلی میں پیش کر کے قانون بنوا دیا۔ ہندو مسلم فسادات برابر جاری تھے۔ ملتان بریلی، ناگپور وغیرہ مقامات پر بھی فسادات ہوئے۔ وائسرائے ہند نے ہندو مسلمانوں سے قیام امن کی اپیل کی اور یہ تجویز کیا کہ ہندو مسلم رہبروں کو ایک اتحاد کانفرنس کر کے متنازعہ فیہ معاملات کو سلجھانا چاہیئے۔ مولانا محمد علی، مسٹر جناح اور دوسرے مسلم رہنما اور چند مخلص کانگریسی ہندو بھی یہی چاہتے تھے۔ انہوں نے ایک آل پارٹیز اتحاد کانفرنس کی۔ مگر ہندو مہاسبھا والوں نے سب کوششیں اکارت کر دیں۔ اس سے پہلے بھی کئی اتحاد کانفرنسیں اسی طرح ناکام رہ چکی تھیں۔ تاہم سری نواس آئنگر اور مولانا محمد علی شکست قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ مولینا کی طرح آئنگر بھی ہندو مسلم اتحاد کے بڑے زبردست حامی تھے۔ وہ اسے اپنی زندگی کا خواب سمجھتے تھے۔ اکتوبر میں انہوں نے کانگریس کی طرف سے ایک اتحاد کانفرنس کی۔ اس میں گائے اور باجے کا فارمولا تیار کیا گیا کہ ملک میں مذہبی عقائد کے بارے میں ہر شخص کو مکمل آزادی ملنی چاہیئے۔ ہندوؤں کو کسی خاص تیوہار یا جلوس پر مسجدوں کے سامنے باجہ بجانے کی پوری آزادی ہونی چاہیئے۔ لیکن مسجدوں کے سامنے خاص طور پر کھڑے ہو کر مظاہرے کرنا نہایت قابل اعتراض ہے کیونکہ اس طرح مسلمانوں کو مشتعل کیا جاتا ہے۔ مسلمانوں کو اپنے تیوہاروں پر گاؤکشی کی عام اجازت ہے مگر کسی شارع عام پر یا کسی مندر وغیرہ کے سامنے ایسا کرنے سے بچنا چاہیئے۔

باب ۲۲

مسلمانوں کے قومی مطالبات

سائمن کمیشن ۲۳ر نومبر کو وائسرائے نے ہندوستان کے مختلف طبقوں کے نمائندہ رہبروں سے ملاقات کی اور انہیں وزیر ہند کا اعلان دکھایا جس میں درج تھا کہ حکومت برطانیہ ایک شاہی کمیشن مقرر کرتی ہے جو ہندوستان میں دورہ کرے گا۔ اور تحقیقات کرنے کے بعد اپنی رپورٹ میں یہ بتائے گا کہ خود اختیار حکومت کی جو قسط ہندوستان کو دی گئی تھی ملک نے اسے کتنا کامیاب بنایا اور آئندہ قسط کے لئے وہ کہاں تک تیار ہے کمیشن کی رپورٹ کی تجاویز کو برطانوی حکومت برطانوی پارلیمنٹ میں پیش کریگی۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی ضرورت ہوگی کہ ہندوستان کی مختلف اقوام کے رہنما رپورٹ پر اپنی اپنی آراء کا اظہار کریں۔ چنانچہ ہندوستان کی مرکزی جماعت قانون ساز اور دیگر نمائندوں کی ایک مشترک کمیٹی بنے گی اور پارلیمنٹ کے سامنے پیش ہونے سے قبل کمیشن کی تجاویز اس کے آگے رکھی جائیں گی۔ حکومت برطانیہ نے یہ بھی اعلان کیا کہ جو دستوری تجویزیں ہندوستانیوں کیطرف سے پیش ہوں وہ متفقہ اور سب کے لئے قابل قبول ہوں۔

بائیکاٹ کا فیصلہ اس کمیشن میں سب انگریز ممبر تھے مسلم لیڈروں، مسلم لیگ اور کانگریس نے کمیشن کا بائیکاٹ کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ فیصلہ مسٹر محمد علی جناح اور مولانا محمد علی کے اثر سے ہوا۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ برطانوی پارلیمنٹ کو ہماری قسمت کا فیصلہ کرنے کے لئے ایک ایسا کمیشن مقرر کرنے کا حق نہیں ہے جس میں سب انگریز

ہیں جو ہندوستان کی حالت کو جاننے کے اعتبار سے محض جاہل ہیں۔ مولینا محمد علی تو اتنے آگے بڑھے ہوئے تھے کہ اگر کمیشن کے سب ممبر ہندوستانی ہوتے تو بھی انہیں اعتراض ہوتا کیونکہ وہ اس بات کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھے کہ کمزور ہندوستان پر انگلستان کو صرف اس لئے حکومت کرنے کا حق ہے کہ وہ زیادہ منظم اور طاقتور ہے۔ مگر مسلم لیگ کے ایک طبقے نے سر محمد شفیع کی قیادت میں اس فیصلے کو ماننے سے انکار کیا۔ اس طبقے کے لوگ کہتے تھے کہ ہمیں ہندوؤں سے کسی قسم کی کوئی توقع نہیں ہے اس لئے کمیشن سے تعاون کر کے مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ کرنا چاہئے تاہم جناح اور محمد علی کے مقابلے میں سر شفیع کی نہ چل سکی۔ قوم بحیثیت مجموعی انہی کے ساتھ تھی۔ مشکل یہ آپڑی کہ سر شفیع ۱۹۲۷ء کے سالانہ اجلاس کلکتہ کے صدر منتخب ہو چکے تھے۔ صدر منتخب اور صدر مستقل مسٹر جناح کے اختلاف رائے سے بڑی پیچیدگی پیدا ہوئی۔ سر شفیع نے لیگ کا سالانہ اجلاس اپنی صدارت میں لاہور میں کیا اور اس میں کمیشن سے تعاون کی تجویز منظور کرائی۔ مگر محمد علی جناح اور مولینا محمد علی دونوں نے اس اجلاس کو غیر آئینی قرار دیتے ہوئے مسلم لیگ کا انیسواں سالانہ اجلاس کلکتہ ہی میں منعقد کیا۔ مولوی سر محمد یعقوب اس کے صدر بنائے گئے۔ مدراس میں ان دنوں کانگریس کا سالانہ اجلاس ڈاکٹر انصاری کی صدارت میں ہو رہا تھا۔ وہاں مسلمانوں کی تجاویز دہلی کو منظور کر لیا گیا۔ اور ہندوؤں اور مسلمانوں سے ایک دوسرے کے مذہبی جذبات کا احترام کرنے کی پرزور اپیل کی گئی۔ اور ورکنگ کمیٹی کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ ملک کی دیگر اہم سیاسی جماعتوں سے تبادلۂ خیالات کر کے حکومت برطانیہ کو جواب دینے کے لئے ایک کانسٹی ٹیوشن (دستور اساسی) مرتب کرے۔ کانگریس نے مکمل قومی آزادی کو اپنا نصب العین قرار دیا۔ گاندھی جی اس اجلاس میں موجود نہیں تھے۔ اس قسم کی تجویز کے منظور ہو جانے کی متعدد وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بھی تھی کہ انہیں اس تجویز کی منظوری کا علم بعد میں ہوا۔

مسلم لیگ کا اُنیسواں سالانہ اجلاس کلکتہ

اس اجلاس کی مفصل کارروائی درج کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ اہم ترین قابل ذکر امور صرف دو ہیں۔ تجاویز دہلی کا اعادہ کیا گیا اور مولانا محمد علی نے

سائمن کمیشن کے بائیکاٹ کی تجویز منظور کرائی مسلمانوں کے آئندہ پروگرام کا تصفیہ وہ سب سے زیادہ اہم کام تھا جو اس اجلاس نے کیا۔ ایک تجویز منظور کی گئی کہ آل انڈیا مسلم لیگ کا یہ اجلاس لیگ کی کونسل کو یہ اختیار دیتا ہے کہ وہ ایک سب کمیٹی مقرر کرے۔ یہ سب کمیٹی کانگریس ورکنگ کمیٹی اور دوسری مناسب سیاسی جماعتوں سے ہندوستان کے لئے ایک ایسا دستور اساسی مرتب کرنے کے کام میں اشتراک عمل کرے جس میں مسلمانوں کے مفاد کا تحفظ تجاویز دہلی کے مطابق ہو جائے۔ کانگریس نے یہ طے کیا تھا کہ مارچ ۱۹۲۸ء میں ایک نیشنل کنونشن دہلی میں منعقد کی جائے۔ لیگ نے اس کنونشن کو کامیاب بنانے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ گائے باجے اور آزادئ ضمیر و مذہب کے بارے میں کانگریس نے جو تجویز منظور کی تھی اس کی بھی لیگ نے تائید کی۔ اس سے ہندو مسلم اتحاد کی فضا پھر پیدا ہونے لگی۔ پنڈت مالویہ نے جب آل انڈیا کانگریس کے اجلاس میں تجاویز دہلی کی تائید کی تو مولانا محمد علی نے خوش ہو کر کہا "اگر پنڈت مالویہ اپنی اس اسپرٹ پر عمل بھی کریں تو جب ارل ونٹرٹن یہ فرمائیں گے کہ ہم اقلیتوں کے محافظ ہیں تو میں ان سے کہدونگا کہ تم جھوٹ بول رہے ہو اقلیتوں کے محافظ تو پنڈت مالویہ ہیں"۔ مسٹر جناح نے ایک تقریر میں کہا "میں میل ملاپ کے اس ہاتھ کا خیر مقدم کرتا ہوں جو ہندو رہنماؤں نے ہماری طرف بڑھایا ہے۔ یہ اقدام ان مراعات سے کہیں زیادہ بیش قیمت ہے جو حکومت کر سکتی ہے۔ ہم برطانیہ کے خلاف آئینی جنگ کا اعلان کر چکے ہیں سفید فام افراد کا کمیشن مقرر کر کے برطانیہ نے ہمیں نااہل قرار دیا ہے۔ یہ ہماری روحوں کا قتل ہے جس کا ہم پوری طاقت سے مقابلہ کریں گے"۔ شفیع لیگ کمیشن سے تعاون کی تیاریاں کرتی رہی۔ مگر جناح اور محمد علی کے اثر سے مسلمانوں میں کمیشن کی مخالفت کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ کانگریس اور ہندو مہاسبھا میں بھی اسی قسم کی سرگرمیاں شروع ہو گئیں۔

سائمن کمیشن کا کامیاب بائیکاٹ اختلافات کا آغاز

۳ فروری کو سائمن کمیشن نے ہندوستان میں قدم رکھا تو سارے ہندوستان میں ہڑتال تھی جہاں کہیں کمیشن گیا لوگوں نے سائمن گو بیک (سائمن واپس جاؤ) کے پرجوش نعروں سے اس کا استقبال کیا۔ ہندوستانی لیڈروں نے فروری میں

دہلی میں ایک آل پارٹیز (کل جماعت) کانفرنس کی جو دو ماہ تک جاری رہی مسلم لیگ مسلمانوں کی نمائندہ جماعت کی حیثیت سے اس میں شامل نہیں ہوئی کیونکہ آئینی اعتبار سے لیگ کانفرنس کے فیصلوں کو عام اجلاس میں منظور کرائے بغیر قبول نہیں کر سکتی تھی۔ مگر اسی کے ساتھ ساتھ وہ اس کانفرنس کو کامیاب بھی دیکھنا چاہتی تھی اور علیحدگی اختیار کرنے کے لئے تیار نہ تھی۔ لیگ کے بعض نمایاں ممبران ذاتی حیثیت سے اس میں شامل ہوئے۔ کانفرنس کے کل ۲۵ اجلاس کئے گئے۔ اقلیتوں کے حقوق اور ہندو مسلم اتحاد کا سوال بھی سامنے آیا۔ کانفرنس ۱۵ مئی تک کے لئے ملتوی کر دی گئی۔ اس اثنا میں ہندو مہاسبھا پھر مسلم تجاویز دہلی کی مخالفت کرنے لگی۔ اسے یہ گوارا نہ تھا کہ ہندو کسی جگہ بھی ایسی اقلیت کی حیثیت میں ہوں جو مسلمانوں سے کم طاقت رکھتی ہو۔ یوں کل ہندوستان کی ہندو اکثریت من مانے طریقوں پر راج نہیں کر سکتی تھی۔ ڈاکٹر مونجے صدر ہندو مہاسبھا کا اصرار تھا کہ یہ ملک صرف ہندوؤں کا ہے، یہاں صرف ہندو راج قائم ہونا چاہئے۔ جو کانگریسی ہندو مہاسبھا کیطرف جھکے ہوئے تھے وہ اسی بات کو متحدہ قومیتِ ہند کی ضرورت کے پیرائے میں بیان کرتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ مسلمانوں نے مخلوط انتخاب تو قبول کر ہی لیا ہے، اب نشستوں کے تعین اور حقوق وغیرہ کے سوال کو اڑا دینا چاہئے۔ اس فضا کو دیکھتے ہوئے مسلم لیگ کے ذمہ دار رہبروں نے اعلان کر دیا کہ وہ صرف تجاویز دہلی کے تسلیم کئے جانے کی شرط پر مسلمانوں کے لئے مخلوط انتخاب قبول کر سکتے ہیں، ورنہ نہیں۔ سکھ لیگ بھی ہندو مہاسبھا کی رفاقت کا دم بھر رہی تھی۔ مسلم لیگ اور ہندو مہاسبھا اور سکھ لیگ میں شدید اختلافات پیدا ہو گئے۔

نہرو رپورٹ

تاہم ابھی اتحاد کی امید باقی تھی۔ آل پارٹیز کانفرنس نے سندھ کی علیحدگی اور اقلیتوں کی آبادی کے تناسب سے نمائندگی کے بارے میں تحقیقات کرنے کے لئے دو کمیٹیاں مقرر کر دی تھیں۔ ۱۱ مئی ۱۹۲۸ء کو بمبئی میں آل پارٹیز کا ملتوی شدہ جلسہ ہوا اور پنڈت موتی لال نہرو کی صدارت میں ایک کمیٹی مقرر ہوئی کہ وہ ہندوستان کے لئے ایک دستور اساسی مرتب کرے تاکہ برطانیہ کے اس چیلنج کا جواب دیا جا سکے کہ اگر ہندوستانی اپنی طرف سے اصلاحات کی متفقہ تجاویز پیش کر سکتے ہیں تو کریں۔ وزیر ہند لارڈ برکن ہیڈ نے اپنی طعن و تشنیع سے بھری ہوئی ایک تقریر میں کہا تھا کہ کتے بھونکا ہی کرتے ہیں اور گاڑی چلتی ہی رہتی ہے۔ ڈاکٹر انصاری نے اس کے

جواب میں یہ کہا کہ کتے یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ وہ بھونکنا ہی نہیں کاٹنا بھی جانتے ہیں۔

آل پارٹیز کانفرنس بمبئی میں ہندو مسلم لیڈروں کے اختلافات پوری طرح سامنے آگئے۔ مہاسبھا اور سکھ لیگ کے نمائندوں نے پوری طاقت سے مسلمانوں کے مطالبات کی مخالفت کی مگر ڈاکٹر انصاری وغیرہ کا خیال تھا کہ نہرو کمیٹی مدراس کانگریس کی تجویز، مسلم لیگ، ہندو مہاسبھا، سکھ لیگ اور دیگر سیاسی انجمنوں کی تجویزوں، خود اختیار حکومت کے قیام کے امکانات اور دیگر آئینی مشوروں پر غور کرنے کے بعد ضرور کوئی مناسب راستہ نکال لیگی۔ جولائی میں آل پارٹیز کانفرنس کا ایک اور جلسہ ہوا اور نہرو کمیٹی کی رپورٹ اس کے سامنے رکھی گئی۔ اس میں ملک کا سیاسی نصب العین برطانیہ کے ماتحت حصول درجۂ نوآبادیات رکھا گیا تھا۔ معاملات خارجہ، ڈیفنس (تحفظ مملکت) اور فوج وغیرہ کو فی الوقت وائسرائے ہند اور پارلیمنٹ کے زیر اختیار رکھا گیا تھا۔ ہندوستان کے لئے مرکزی نظام حکومت تجویز کیا گیا تھا۔ برطانوی تجارت کو دیگر ممالک کی تجارت پر ترجیح دی گئی تھی۔ علیحدگیٔ سندھ کے بارے میں یہ شرط رکھی گئی تھی کہ اگر وہ اپنے اخراجات کا بار خود اٹھا سکے تو بمبئی سے علیحدہ کر دیا جائے۔ جداگانہ انتخاب کو ہمیشہ کے لئے ختم کرتے ہوئے مخلوط یا مشترکہ انتخاب کا فیصلہ کر دیا گیا تھا اور اقلیتوں کے لئے نشستیں مخصوص کرنے سے انکار کر دیا گیا تھا۔ ۱۹۱۶ء کے معاہدۂ لکھنؤ کو کالعدم کر کے مسلم اقلیتوں کے صوبوں میں انہیں جو ویٹیج (پاسنگ یعنی تناسب آبادی سے کچھ زیادہ نشستیں) ملا ہوا تھا اسے بھی منسوخ کر دیا گیا تھا۔

مولانا شوکت علی اور حسرت موہانی کی صدائے مخالفت

علی برادران اور ان کے ہم خیال مسلمان مکمل آزادی کے قائل تھے۔ ان سے نہرو رپورٹ کی تائید کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ مولانا محمد علی جون ۱۹۲۸ء میں بغرض علاج یوروپ جا چکے تھے۔ مگر مولانا حسرت موہانی اور شوکت علی نے رپورٹ کی مخالفت کی۔ مولانا حسرت موہانی نے اسے لارڈ برکن ہیڈ کی فتح قرار دیا جو اس بات کے لئے بیقرار تھے کہ ہندوستان کے لیڈر برطانیہ سے تعلق قائم رکھنے کا اعلان کر دیں۔ مولانا مرکزی نظام حکومت کے بھی خلاف تھے۔ وہ ہندوستان کو آزاد صوبوں کا فیڈریشن (وفاق) دیکھنا

چاہتے تھے۔ اسی طرح وہ جداگانہ انتخاب اور تناسب کے لحاظ سے نمائندگی کو مٹانے کے حق میں بھی نہیں تھے مسلمانوں کا ایک دوسرا طبقہ جس میں مولانا ابوالکلام، ڈاکٹر انصاری، مولینا ظفر علیخاں تصدق احمد شروانی وغیرہ کے نام نمایاں ہیں، رپورٹ کی حمایت میں تھا۔ بعض دوسرے نمایاں مسلمان رہبر جیسے مہاراجہ محمود آباد اور مسٹر جناح وغیرہ یہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کے حقوق کے بارے میں نہرو رپورٹ میں ترمیمیں کرا کے درجۂ نوآبادیات کو منظور کرلیا جائے۔ انکے خیال میں مکمل آزادی کا مطالبہ خلاف تدبر تھا کیونکہ ابھی ہندوستان میں قوموں کے باہمی تعلقات اور آئندہ دستور کی نوعیت کے بارے میں کوئی یقینی معیار مقرر نہیں ہوا تھا۔ جہانتک مسلمانوں کے حقوق کا سوال تھا مسٹر جناح کی یہ پختہ رائے تھی کہ اکثریت کو کسی اقلیت پر غلبہ پانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ یہ جمہوری اسپرٹ کے خلاف ہے۔ اقلیت کے شکوک بے جا نہیں ہیں۔ اکثریت کے لئے انہیں دور کرنا ضروری ہے ورنہ ملک کی ترقی کا راستہ رُک جائیگا۔ مسلم لیگ کی اکثریت اسی خیال کی تھی۔ سر شفیع کی جماعت بنیادی طور پر ہی نہرو رپورٹ کے خلاف تھی۔ وہ ہندوؤں سے کسی قسم کا اتحاد کرنے پر آمادہ ہی نہ تھی۔ بلکہ سائمن کمشن کے سامنے اپنی طرف سے ایک یادداشت پیش کرچکی تھی گو اس کے مطالبات کو ساری مسلمان قوم کی قبولیت حاصل نہ تھی۔ جمعیتہ علمائے ہند نہرو رپورٹ کی مخالفت اور تجاویز دہلی کے حق میں تھی۔

آل پارٹیز کانفرنس لکھنؤ

۲۸، ۲۹، اور ۳۰ اگست ۱۹۲۸ء کو لکھنؤ میں نہرو رپورٹ پر غور کرنے کے لئے آل پارٹیز کانفرنس کا جلسہ ہوا۔ خلافت کمیٹی کے صدر اور سکرٹری مولینا شفیع داؤدی اور مولینا شوکت علی جمعیتہ علما کے صدر اور سکرٹری مفتی کفایت اللہ اور مولانا احمد سعید، مسلم لیگ کے صدر مولوی سر یعقوب اور مولینا حسین احمد وغیرہ بھی شریک ہوئے۔ یہ سب کسی نہ کسی اعتبار سے نہرو رپورٹ کے مخالف تھے۔ مگر ڈاکٹر انصاری اور مولینا ابوالکلام وغیرہ کی تائید حاصل ہوجانے کی وجہ سے ان کی رائے کو کوئی وزن نہ دیا گیا۔ اس پر ہر طبقہ وخیال کے مسلمانوں کی طرف سے رپورٹ کے خلاف آوازیں اُٹھنے لگیں۔ انہوں نے اخبارات اور جلسوں کے ذریعہ سے شدید اظہار ناراضگی کیا۔ مسٹر جناح نے بھی رپورٹ کی مخالفت

کی۔ وہ صرف اس صورت میں اسے قبول کرنے کے لئے تیار تھے جبکہ مسلمانوں کے سیاسی حقوق کو تجاویز دہلی کی شکل میں تسلیم کرتے ہوئے اس میں ضروری ترمیمیں کردی جائیں۔

مولانا محمد علی نہرو رپورٹ کی مخالفت میں

مولانا محمد علی نے بھی ولایت سے آکر نہرو رپورٹ کے خلاف آواز اٹھائی۔ ۱۰ دسمبر کو آل پارٹیز کانفرنس پٹنہ میں انہوں نے کہا: "ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہد میں منادی کی جاتی تھی کہ خلق خدا کی، ملک ملکہ کا اور حکم کمپنی بہادر کا۔ نہرو رپورٹ کا مقصد محض یہ ہے کہ خلق خدا کی، ملک وائسرائے یا پارلیمنٹ کا اور حکم ہندو مہاسبھا بہادر کا۔ درجۂ نوآبادیات کو تسلیم کر لینے اور اس میں بھی مسلمانوں کے تحفظ حقوق سے انکار کرنے کے یہی معنی ہیں۔" مولانا مکمل آزادئ ہند کے پُرجوش حامی بلکہ اس تصور کے بانی مبانی تھے۔ وہ نہ مسلم راج چاہتے تھے نہ ہندو راج برداشت کر سکتے تھے بلکہ ہندوستان کو انگریزوں کی غلامی سے آزاد دیکھنے کے آرزومند تھے۔ مسلمانوں کو آپ کی شخصیت سے جو غیر معمولی گرویدگی تھی اور جو غیر معمولی رسوخ انہیں مسلم عوام و خواص میں حاصل تھا اس سے کام لے کر مولانا نے من حیث قوم مسلمانوں میں نہرو رپورٹ کو ناقابل قبول بنا دیا۔ انہوں نے مسلم لیگ کے ذمہ دار افراد کو بھی اپنا کامل ہمنوا بنانا چاہا مگر اس میں کامیابی نہ ہوسکی۔ مسلم لیگ یہ تو تسلیم کرتی تھی کہ نہرو رپورٹ میں مسلمانوں کی حق تلفی کی گئی ہے جس کا ازالہ ہونا چاہئے۔ مگر وہ مولانا کے مکمل آزادی کے تصور کو باقتضائے حالات قبول کرنے پر آمادہ نہ تھی۔ جس طرح اس نے شفیع پارٹی کے اس روّیہ کو خلاف تدبر سمجھتے ہوئے اسے لیگ سے خارج کر دیا تھا کہ مسلمانوں کو حکومت سے مکمل تعاون کرنا چاہئے اسی طرح لیگ نے علی برادران کی پٹنہ کی اس تجویز کو بھی رد کر دیا جس میں نہرو رپورٹ کو اس بنا پر ناقابل تسلیم قرار دیا گیا تھا کہ اس میں مکمل آزادی کی تجویز نہیں ہے۔ اس معاملے میں مسلم لیگ کی پوزیشن کانگریس سے زیادہ مضبوط تھی جس کے متعلق یہ خیال کیا جانے لگا تھا کہ وہ ہندو مہاسبھا کی دھمکیوں سے دب گئی ہے۔

کلکتہ کنونشن اور بیسواں سالانہ اجلاس مسلم لیگ

دسمبر ۲۸ء میں کلکتہ میں سبھی سیاسی جماعتوں کے

سالانہ اجلاس تھے ۔ ۲۲ر دسمبر کو ایک نیشنل کنونشن منعقد کرنے کا فیصلہ کیا گیا تاکہ نہرو رپورٹ پر نظر ثانی کی جائے ۔ تمام سیاسی جماعتوں کو اس میں اپنے نمائندے بھیجنے کی دعوت دی گئی ۔ ۱۲ر دسمبر کو کلکتہ ہی میں مسلم لیگ کا بیسواں سالانہ اجلاس ہوا ۔ اس کے صدر مہاراجہ بہادر آف محمود آباد تھے وہ ۱۹۱۸ء میں بھی لیگ کے اجلاس خاص بمبئی کی صدارت کر چکے تھے ۔ انہوں نے اپنے مختصر خطبۂ صدارت میں نہرو رپورٹ کے مطالبۂ درجۂ نوآبادیات کے ساتھ اتفاق کرتے ہوئے اکثریت سے اقلیتوں کو مطمئن کر دینے کی اپیل کی اور یہ مشورہ دیا کہ مسلم لیگ اپنے نمائندے منتخب کر کے کنونشن میں بھیجے ۔ مسٹر چھاگلا کی تجویز پر ۲۳ با اختیار نمائندے کنونشن میں رپورٹ میں ترمیمیں کرانے کے لئے چنے گئے ۔ مولانا محمد علی اور ان کے بعض رفقائے کار بھی خلافت کمیٹی اور جمعیۃ علمائے ہند کے نمائندوں کی حیثیت سے کنونشن میں شامل ہوئے ۔ مگر مسٹر جناح اور مولانا محمد علی کی پُر زور اور مدلل تقریروں کے باوجود کنونشن نے ان کے مطالبات تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ۔ کنونشن میں مہاسبھائیوں کا طرز عمل بہت دلچسپ تھا ۔ وہ بار بار دھمکیاں دیتے تھے کہ اگر رپورٹ میں ایک شوشہ بھی کم کیا گیا تو ہم کنونشن کو ٹھکرا کر اُٹھ جائیں گے ۔ مولانا محمد علی جب تقریر کرنے اُٹھے تو انہیں بار بار روکا گیا ۔ جب مولانا نے دلیری کے ساتھ یہ کہا کہ "جو لوگ کامل آزادی کے مخالف ہیں وہ ملک کے بزدل فرزند ہیں" تو جلسے میں ایک زبردست غلغلۂ احتجاج بلند ہو گیا اور لوگ ان کا دامن پکڑ پکڑ کر بٹھانے کی کوشش کرنے لگے ۔ مسٹر جناح ، مہاراجہ بہادر آف محمود آباد اور مسٹر چھاگلا وغیرہ رپورٹ میں مسلم حقوق کے سلسلے میں چند ترمیمات چاہتے تھے اور رپورٹ کو منظور کرنے کے لئے تیار تھے ۔ مگر مہاسبھا کے زور اور پنڈت موتی لال کے اس اصرار نے کہ رپورٹ یا تو پوری منظور کی جائے یا پوری مسترد کی جائے ان کی بھی نہ چلنے دی ۔ مسٹر چھاگلا نے بعد میں کنونشن کے اس رویّے پر نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا "اگر کنونشن مسلمانوں کے ان ۲۳ نمائندوں سے گفتگوئے مفاہمت کرنے سے قاصر رہا ہے تو وہ ہندوستان کے کسی مسلمان سے کبھی سمجھوتہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا ۔ اگر یہ نمائندے بھی دشمن وطن سمجھے جا سکتے ہیں تو سمجھ لو کہ ہندوستان میں ایک بھی قوم پرور مسلمان نہیں ہے ۔"

مسلم کانفرنس کا قیام اور اس کی تجویز

جب کانگریس نے بھی کنونشن کے فیصلے کو درست تسلیم کرتے ہوئے نہرو رپورٹ کو ملکی ترقی کی جانب ایک قدم قرار دے دیا تو مسلمان لیڈر ہندوؤں سے بالکل مایوس ہو گئے ۲۸ء کا آخری دن مولانا محمد علی کی کانگریسی سیاسی زندگی کا بھی آخری دن تھا۔ ۱۰ر جنوری ۱۹۲۹ء کو انہوں نے ایک طویل بیان شائع کیا جس میں اپنے اور گاندھی جی کے قید ہونے کے بعد پنڈت موتی لال کی بغاوت، سوراج پارٹی کے قیام، ہندو مہاسبھا، تبلیغ، تنظیم، پنڈت موتی لال کی سوراج پارٹی کی ناکامی، وغیرہ امور پر روشنی ڈالی اور کانگریس سے اپنی علیحدگی کا اعلان کر دیا۔ ۳۱ر دسمبر ۱۹۲۸ء اور یکم جنوری ۱۹۲۹ء کو دہلی میں آل پارٹیز مسلم کانفرنس کا اجلاس ہوا جس کی غایت یہ تھی کہ مسلمانوں کے مطالبات کا ایک متحدہ اسلامی پلیٹ فارم سے اعلان کر دیا جائے۔ سر آغا خان کو اس کا صدر بنایا گیا۔ مسلمانوں کی سیاسی پوزیشن، حکومت کے طرز عمل اور ہندوستان کی دیگر اقوام کے رویّے پر پوری طرح بحث ہوئی۔ تقریباً تمام نمائندہ مسلم رہبروں نے صورت حالات پر روشنی ڈالی اور کافی غور و خوض کے بعد اجتماع کے نتائج کو ایک مفصل تجویز کی شکل میں مرتب کیا گیا جسے سر محمد شفیع نے پیش کیا جو سن رسیدہ، پختہ کار اور بارسوخ ہونے کے اعتبار سے اس کے لئے موزوں اور مناسب شخص سمجھے گئے تجویز یہ تھی کہ (۱) ہندوستان کی وسعت اور اس کی نسلی، لسانی، جغرافیائی اور ملکی تقسیم کو دیکھتے ہوئے ملک میں نظام حکومت وفاقی رکھا جائے جس میں ریاستوں اور صوبوں کو جو وفاقی حکومت کے ترکیبی اجزا ہوں کامل خود اختیارانہ اور فیصلہ کن اختیارات دیئے جائیں اور مرکزی حکومت کو ان امور کے صرف بقیہ اختیارات ملیں جو صوبوں اور مرکزی حکومت کے مشترکہ معاملات سے تعلق رکھتے ہوں (۲) اگر کسی قوم کے ممبروں کی تین چوتھائی تعداد کسی ایسے مسودۂ قانون یا تجویز یا تحریک یا ترمیم کے پیش ہونے یا زیر بحث آنے یا منظوری ملنے کی مخالفت کرے جس کا تعلق اس قوم سے ہو تو صوبوں اور مرکز دونوں کی جماعتہائے قانون ساز میں اسے پیش یا تجویز یا منظور نہیں کیا جا سکے گا۔ (۳) مسلمانوں کا یہ حق ہے کہ مختلف ہندوستانی جماعتہائے قانون ساز میں

جداگانہ حلقہائے انتخاب کے ذریعہ سے اپنے نمائندے بھیجیں۔ یہ ملک کا مُروّجہ قانون ہے۔ بغیر ان کی رضامندی کے مسلمانوں کو ان کے اس حق سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ (۴)، ان حالات میں جو اس وقت ہیں اور اس وقت تک جب تک یہ حالات رہیں مسلمانوں کیلئے جداگانہ نیابت کو قائم رکھنا ضروری ہے۔ (۵) جب تک مسلمانوں کو یہ اطمینان نہ ہو جائے کہ ان کے حقوق مناسب طور پر محفوظ ہو گئے ہیں وہ اس پر رضامند نہ ہوں گے کہ مشروط یا غیر مشروط طور پر مخلوط یا مشترکہ انتخاب رائج کر دیا جائے۔ (۶) اس مقصد کے حصول کے لئے یہ ضروری ہے کہ مسلمانوں کو مرکز اور صوبوں کے وزارتی کابینوں میں ان کا جائز حصہ دیا جائے (۷)، یہ بھی ضروری ہے کہ مختلف قانون ساز جماعتوں اور آئینی اداروں میں انکی نیابت اس طریق سے ہو کہ جہاں جہاں ان کی آبادی کثیر ہے وہاں ان کی اکثریت اقلیت میں تبدیل نہ ہو، نیز جہاں جہاں ان کی اقلیت ہے وہاں رائج الوقت قانون کی رُو سے ملی ہوئی نیابت میں فرق نہ آئے۔ (۸) مرکزی جماعتہائے قانون ساز میں مسلمانوں کو ۳۳⅓ فی صدی نیابت کا حق ملنا چاہیئے۔ (۹) سندھ کو بمبئی سے غیر مشروط طور پر جدا کر کے ایک علیحدہ صوبہ بنا دیا جائے جس کا علیحدہ نظام حکومت اور جداگانہ جماعت قانون ساز ہو۔ ہندو اقلیت کو سندھ میں اسی طرح مؤثر نمائندگی ملے جس طرح مسلم اقلیت کے صوبوں میں مسلمانوں کو دی جائے گی۔ (۱۰) صوبہ سرحد اور بلوچستان میں بھی اصلاحات نافذ کی جائیں۔ (۱۱) سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کو ان کا مناسب حصہ دلوانے کا قانوناً بندوبست کیا جائے۔ (۱۲) مسلمانوں کے تمدن، مذہب، زبان اور تعلیم کے تحفظ کے لئے دستور میں تحفظات رکھے جائیں۔ (۱۳) دستور اساسی میں یہ طے کر دیا جائے کہ نفاذ کے بعد اس میں اس وقت تک کوئی تغیر و تبدل نہیں کیا جائے گا جب تک کہ وہ صوبے اور ریاستیں جن کے مجموعے سے ہندوستان کی وفاقی حکومت بنی ہو متفقہ طور پر اس کی خواہش نہیں کریں گے۔ کانفرنس اعلان کرتی ہے کہ مسلمان کسی ایسے دستور اساسی کو قبول نہیں کریں گے جو ان اصولوں کو تسلیم نہ کرے۔ تجویز کی تائید مولینا محمد علی مفتی کفایت اللہ اور علامہ اقبال، وغیرہ نے کی۔

مسلم نیشنلسٹ پارٹی

مسلم کانفرنس کے متعلق ان مسلمانوں کو جو خود کو قوم پرست کہتے تھے یہ شکایت تھی کہ یہ ٹوڈیوں کی جماعت ہے کیونکہ سر آغا خاں اس کے صدر اور سر شفیع اس کے روح رواں ہیں۔ مولانا حسرت موہانی، علی برادران، مفتی کفایت اللہ، سر ابراہیم رحمتہ اللہ، حاجی عبد اللہ ہارون، مولوی مرتضیٰ بہادر، علامہ اقبال، سید جالب، مسٹر سید عبد العزیز بیرسٹر پٹنہ، مسٹر فضل الحق جیسے لوگ بھی مسلم کانفرنس میں شامل تھے مگر نیشنلسٹ مسلمانوں کا یہ اصرار برابر قائم رہا کہ شرکائے کانفرنس مسلمانوں کے مفاد کے ساتھ دشمنی کر رہے ہیں۔ مسلم کانفرنس کا کوئی نصب العین مقرر نہیں کیا گیا تھا تاکہ ہر جماعت اور شریک اپنے اپنے نصب العین پر قائم رہ کر بھی کارروائی میں حصہ لے سکے اور مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے مکمل اتحاد و اتفاق ممکن ہو جائے۔ مگر مسلم نیشنلسٹ کانفرنس میں شامل نہ ہوئے۔ انہوں نے مسلم نیشنلسٹ پارٹی کے نام سے اپنی ایک علیحدہ جماعت بنائی جس کا پہلا اجلاس ۲۷ جنوری ۱۹۲۹ء کو مولانا ابو الکلام کی صدارت میں ہوا۔ جماعت کا مقصد مسلمانوں میں حب الوطنی کا جذبہ پیدا کرنا تھا تاکہ وہ فرقہ پرستی (؟) سے بالا ہو کر ملکی جد و جہد میں حصہ لیں۔ پارٹی کے سکرٹیری تصدق احمد شروانی اور خزانچی ڈاکٹر انصاری تھے۔ منشا ان لوگوں کا بھی یہی تھا کہ اکثریت اور اقلیت میں ایسے خوشگوار تعلقات قائم ہو جائیں کہ اکثریت فراخدلی کے ساتھ مسلمانوں کے مطالبات تسلیم کر لے۔

جناح کے ۱۴ نکات

مسلم کانفرنس میں جو متفقہ تجویز منظور ہوئی تھی اس کے نکات مسلم لیگ کے اس نقشۂ مطالبات ہی سے اخذ کئے گئے تھے جو مسٹر جناح نے تیار کیا تھا اور جسے ترمیمات کی شکل میں نہرو رپورٹ میں رکھوانے کی کوشش کی گئی تھی مگر یہ نکات لیگ کے مطالبات کا صرف ایک جزو تھے جو صرف مسلمانوں کے حقوق کے حصول سے تعلق رکھتے تھے جبکہ لیگ کا پورا نقشۂ مطالبات مسلمانوں کے حقوق کے علاوہ ان کے ہندوؤں کے دوش بدوش آئینی ترقی کرنے کے راستوں پر بھی حاوی تھا لیکن لیگ اس مکمل لائحہ عمل کو اسی وقت مسلمانوں میں مقبول بنا سکتی تھی جب کنونشن میں اس کی مسلمانوں کے سیاسی حقوق والی ترمیمات مان لی جاتیں۔ ہندو مہاسبھا کے اثر سے جب کنونشن میں لیگ کے با اختیار نمائندوں

کو ناکامی ہوئی تو لیگ نے مسلم حقوق کے مطالبات پر پوری قوت سے اصرار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔
مسلم کانفرنس میں سر شفیع کے تجویز حقوق پیش کرنے کے معنے یہ تھے کہ وہ کم از کم اس پہلو پر مسٹر جناح سے اختلاف نہیں رکھتے اور تحفظ حقوق کے معاملے میں لیگ کے دونوں بازو ہم آہنگ ہو کر کام کر سکتے ہیں۔ لیگ کے سکریٹری ڈاکٹر سیف الدین کچلو نے شفیع پارٹی سے دونوں بازوؤں کے متحد ہو کر متفقہ لائحہ عمل بنانے کے مسئلے پر گفتگو کی۔ شفیع پارٹی اس پر رضامند ہو گئی۔ لیگ کی کونسل کا جو جلسہ ۲۸ مارچ ۱۹۲۹ء کو روشن تھیٹر اجمیری دروازہ میں ہوا وہ دونوں بازوؤں کا متفقہ جلسہ تھا۔ نیشنلسٹ مسلم آل انڈیا مسلم کانفرنس میں شامل نہیں ہوئے تھے۔ مگر مسٹر جناح کے ہمہ گیر لائحہ عمل میں ان کے لئے کشش باقی تھی۔ اس جلسہ میں مولانا ابوالکلام، تصدق احمد شروانی اور مولانا ظفر علی خاں وغیرہ بھی آئے۔ علی برادران بھی اپنے ہم خیال لوگوں کے ساتھ شامل اجلاس ہوئے۔ مسٹر جناح نے ایک تحریری بیان پڑھا۔ انہوں نے نہرو کمیٹی کی رپورٹ کو ہندو تجاویز قرار دیتے ہوئے رد کر دیا اور بتایا کہ وہ مسلم تجاویز دہلی ۲۷ء کے جواب میں تیار کی گئی ہیں۔ انہوں نے صاف کہدیا کہ صرف مسلمانوں ہی نے نہرو رپورٹ کو رد نہیں کیا ہے بلکہ ہندوستان کی دوسری غیر ہندو جماعتوں نے بھی اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ مسلم کانفرنس کی تجویز کو مسٹر جناح نے زیادہ بہتر سانچے اور آئینی پیرائے میں ڈھال کر ۱۴ نکات کی شکل دی۔ کونسل نے انہیں متفقہ طور پر منظور کر لیا۔ وہ نکات یہ ہیں:- (۱) ہندوستان کی آئندہ حکومت فیڈرل (وفاقی) ہوگی۔ (۲) صوبوں کو کامل صوبجاتی خود اختیاری دی جائے گی۔ (۳) اقلیتوں کو ہر صوبے میں کافی اور اثر دار نمائندگی ملیگی۔ کسی اکثریت کو گھٹا کر اقلیت میں یا اقلیت رکھنے والی قوموں کے مساوی حالت میں تبدیل نہ کیا جائے گا۔ (۴) مرکزی جماعتہائے قانون ساز میں مسلمانوں کو کل ایوان کی ایک تہائی نشستیں دی جائیں گی۔ (۵) نمائندگی جداگانہ انتخاب سے ہوگی۔ البتہ اپنی مرضی سے کوئی قوم اس سے دستبردار ہو سکے گی۔ (۶) صوبوں کے حدود میں کوئی ایسی تبدیلی نہ کی جائے گی جس سے پنجاب اور بنگال کی اکثریتوں کو نقصان پہنچے۔ (۷) سب قوموں کو آزادئ ضمیر و مذہب حاصل ہوگی۔ (۸) اگر کسی جماعت قانون ساز میں ایک قوم کے تین چوتھائی ممبر کسی

مسودۂ قانون یا تحریک یا ترمیم کو اپنے قومی مفاد کے لئے مضر سمجھیں تو وہ منظور نہ ہوگا۔ (۹) سندھ کو بلا شرط بمبئی سے جدا کر کے مستقل صوبہ بنا دیا جائے۔ (۱۰) صوبہ سرحد و بلوچستان میں دوسرے صوبوں جیسی خود اختیار صوبائی حکومتیں قائم کی جائیں۔ (۱۱) سرکاری نوکریوں میں مسلمانوں کو مناسب حصہ دیا جائے۔ (۱۲) اسلامی تہذیب، زبان، تعلیم، مذہب، شریعت اور خیراتی اداروں کی حفاظت کے لئے دستور میں مناسب تحفظات رکھے جائیں اور سرکاری و نیم سرکاری اداروں سے ملنے والی امداد میں ان کا مناسب حصہ ہو۔ (۱۴) صوبوں اور ریاستوں کی مرضی کے بغیر دستور میں کوئی ترمیم نہ ہو سکے گی۔

باب ۲۳

جدید دستور سنہ ۱۹۳۵ء

سائمن کمیشن اپنی امدادی کمیٹیوں سمیت برابر اپنے کام میں لگا ہوا تھا۔ ۱۴ اپریل ۱۹۲۹ء کو اس نے اپنا کام ختم کر لیا۔ جب کمیشن ہندوستان سے رخصت ہو کر انگلستان پہنچا تو کنزرویٹو (قدامت پسند) پارٹی کی وہ وزارت بدل چکی تھی جس نے اسے مقرر کیا تھا اور لیبر پارٹی برسراقتدار تھی اس وزارت میں وزیراعظم مسٹر رامزے میکڈانلڈ تھے جن کے متعلق کانگریسی حلقوں میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ ہندوستان سے گہری ہمدردی رکھتے ہیں۔ انہوں نے ایک کتاب اویکننگ آف انڈیا (بیداری ہند) بھی لکھی تھی جس میں ہندوستان کے سیاسی ولولوں کی تصویر چمکدار رنگوں میں پیش کی گئی تھی سمجھا جاتا تھا کہ وہ کانگریس اور ہندوؤں سے کسی قدر ہم آہنگ ہیں۔ اسی لئے مولانا محمد علی انہیں اپنے مخصوص مزاحیہ انداز میں بھائی رامجی مکنداس لکھا کرتے تھے۔ لیبر پارٹی کے کابینے میں مسٹر ویجوڈ بین کو وزیر ہند بنایا گیا تھا۔ وہ بھی ہندوستان کے ہمدرد گنے جاتے تھے۔ وائسرائے ہند لارڈ ارون کے متعلق یہ خیال کیا جاتا تھا کہ وہ ایک سچے اور نیکدل عیسائی ہیں اور ہر سچا عیسائی گاندھی جی کو حضرت عیسےٰ کے پیغام کی تجدید کرنے والا سمجھتا ہے۔ اس فضا نے کانگریسیوں کے حوصلے بڑھا دیئے۔ دسمبر ۲۸ء میں نہرو رپورٹ کو منظور کرتے ہوئے کانگریس نے یہ تجویز منظور کی تھی کہ حکومت برطانیہ ۳۱ دسمبر ۱۹۲۹ء تک اسے منظور کرلے ورنہ کانگریس عدم ادائیگی مالیانہ محصولات وغیرہ کی مہم شروع کر دیگی۔ فروری ۱۹۲۹ء کے پہلے ہفتہ میں گاندھی جی نے یورپ جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا جہاں سے انہیں دعوت نامے موصول ہو رہے تھے کیونکہ وہ کانگریس کے

پروگرام کی کامیابی کے ذرائع سوچنے کا زبردست کام شروع کرنا چاہتے تھے اور آنے والے سال کی جدوجہد اور کشمکش کے لئے اپنے آپ کو تیار کرنے کی فکر میں تھے۔ یہ بعید از قیاس نہیں ہے کہ انہیں مزدور پارٹی کے برسر اقتدار آنے کا یقین ہو چکا تھا جس کے متعلق کانگریسی حلقوں میں عام خیال یہ تھا کہ وہ کانگریس کی طرفداری کرے گی۔ کونسلوں کے اندر اور باہر کانگریس کے طرز عمل سے ان کے بڑھے ہوئے حوصلوں کا مظاہرہ ہونے لگا۔ دہشت انگیزوں نے حکومت کے خلاف متشددحرکات کا جو سلسلہ شروع کر رکھا تھا اس سے نبٹنے کے لئے گورنمنٹ نے اپریل میں اسمبلی میں ایک مسودۂ قانون پبلک سیفٹی بل (مسودۂ تحفظ عامہ) کے نام سے رکھا۔ مسٹر وٹھل بھائی پٹیل اس وقت اسمبلی کے صدر تھے انھوں نے حکومت سے کہا کہ وہ مقدمہ سازش میرٹھ کے اختتام تک اسے روک لے۔ حکومت نے اس مشورے کو قبول کرنے سے انکار کیا۔ اس کے جواب میں مسٹر پٹیل نے بحیثیت صدر اسمبلی اسکے پیش ہونے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ دوسرے دن وائسرائے نے دونوں ایوانوں کے مشترکہ اجلاس میں تقریر کر کے حکومت کو پبلک سیفٹی بل کے اختیارات دے دیئے۔ مسٹر پٹیل اب اور آگے بڑھے۔ انہوں نے وائسرائے کو ایک خط لکھکر اس بات پر پروٹسٹ کیا کہ ان کے رولنگ پر وائسرائے نے کیوں نکتہ چینی کی اور وائسرائے کے سکریٹری نے نہایت نرم الفاظ میں جواب دیا کہ وائسرائے کا ارادہ نہ تو آپ کے رولنگ پر نکتہ چینی کرنے کا تھا اور نہ وہ آپ پر اعتراض کرنا چاہتے تھے۔

۸ار اپریل کو دہشت انگیزوں نے اسمبلی تک میں اپنا آوازہ کر دیا۔ انہوں نے وزیٹروں کی گیلری سے ممبروں کی بنچوں کے قریب دو بم گرائے۔ گاندھی جی اس تمام عرصے میں ملک کا دورہ کرتے پھر رہے تھے۔ سائمن کمیشن کے ولایت پہنچنے کے بعد لارڈ ارون بھی چار ماہ کی رخصت لے کر انگلستان چلے گئے۔ ان کا یہ سفر آئندہ دستور کی تشکیل کے سلسلے میں تھا۔ مئی ۱۹۲۹ء میں بمبئی میں آل انڈیا کانگریس کا اجلاس ہوا۔ حکومت سوشلزم پھیلانے اور تشدد سے کام لینے والوں کیخلاف برابر سختی سے کام لے رہی تھی۔ کانگریس اس کے خلاف تھی۔ اس نے مقدمہ سازش میرٹھ کے قیدیوں کی امداد کے لئے ڈیڑھ ہزار روپیہ منظور کیا۔ لیڈروں کے انگلستان جانے

سے یہ بات صاف ہوگئی کہ حکومت دستور سازی کا کام شروع کر چکی ہے۔ وائسرائے نے ولایت
جانے سے پہلے یہ کہا تھا کہ حکومت برطانیہ کوئی قطعی اعلان کرنے سے پہلے ہندوستان کے ہر
طبقہ و خیال کے نمائندہ اصحاب کا زیادہ سے زیادہ تعاون حاصل کرنا چاہتی ہے۔ کانگریس نے
یہ پوزیشن اختیار کر رکھی تھی کہ حکومت نہرو رپورٹ کو تمام و کمال منظور کرکے اسے آئندہ دستور اساسی
کی حیثیت دیدے ورنہ ہم اس کے لئے ہندوستان میں راج کرسکنا ناممکن بنا دینگے۔ وائسرائے
کے بیان کے بعد اس نے روٹھنے کا مظاہرہ کرنے کے لئے ۱۵ر جولائی کو دہلی میں ورکنگ کمیٹی
کا اجلاس کرکے یہ فیصلہ کردیا کہ اگر تمام قانون ساز جماعتوں کے کانگریسی ممبر استعفے دیدیں تو یہ
کانگریس کی تحریک کے لئے بہت مفید ہوگا۔ مگر اس فیصلے کو قطعی فیصلہ قرار نہیں دیا بلکہ آخری
فیصلہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی پر چھوڑا۔ ۲۶ر جولائی کو الہ آباد میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا جلسہ ہوا
اس میں بھی کوئی فیصلہ نہ ہوسکا معاملہ کانگریس کے سالانہ اجلاس لاہور تک ملتوی کردیا گیا۔ اس
موقعہ پر آل انڈیا مسلم نیشنلسٹ پارٹی کو منظم کرنے کا معاملہ بھی درپیش تھا۔ پارٹی کا دوسرا
جلسہ بھی ہوا۔ پہلے جلسے کا مختصر سا تذکرہ ہم پیچھے کر آئے ہیں۔ ملک میں اسوقت دہشت انگیزی
اور سخت گیری کا دور دورہ تھا۔ پنجاب اور بنگال میں حکومت اور دہشت انگیزوں میں خاص طور
پر زوردار کشمکش ہو رہی تھی۔ سوشلزم کے خیالات پھیلنے کی وجہ سے مزدوروں میں بھی کافی بےچینی
پھیلی ہوئی تھی اور بمبئی، بنگال اور بہار کے ملوں کے مزدور خوب ہڑتالیں کر رہے تھے۔

۲۵ر اکتوبر کو وائسرائے ہند ہندوستان واپس آئے۔ ۳۱ر اکتوبر کو انہوں نے ایک اعلان
کیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ برطانوی حکومت کی یہ خواہش ہے کہ اس پالیسی کے مطابق جس کا
آغاز ۱۹۱۹ء کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ سے ہوچکا ہے ہندوستان میں بتدریج خود اختیار
حکومت قائم ہو اور ان طریقوں سے جو ۱۹۱۹ء میں پارلیمنٹ متعین کرچکی ہے ہندوستان
نوآبادیوں میں مناسب جگہ حاصل کرے کمیشن کے صدر سر جان سائمن نے ولایت پہنچنے کے بعد
وزیر ہند سے خط و کتابت کی ہے کہ مستقبل میں جو تعلق برطانوی ہند اور ہندوستان کی ریاستوں
میں پیدا ہوگا اسکے تعین کے ذرائع تلاش کرنے کے لئے ایک کانفرنس منعقد ہونی چاہئے جس میں

حکومت برطانیۂ برطانوی ہند، اور ریاستوں کے نمائندے ایک جگہ ہو کر تبادلۂ خیالات کریں۔ اور ان کی بنا پر جائنٹ پارلیمنٹ کمیٹی جو تجاویز مرتب کرے وہ برطانوی پارلیمنٹ کے آگے رکھی جائیں۔

وائسرائے ہند اور لیڈروں کی ملاقات

کانگریس نے اس اعلان کے فوراً بعد ہی ایک مینی فیسٹو نکالا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ ہم حکومت سے تعاون تو کر سکتے ہیں مگر حکومت اپنی پالیسی میں ایسی تبدیلی کرے جس سے لوگ یہ محسوس کرنے لگیں کہ نیا دور آج ہی سے شروع ہو گیا ہے۔ پالیسی کی تبدیلی سے کانگریس کی مراد یہ تھی کہ وہ سیاسی قیدیوں کو عام معافی دیدے۔ مگر حکومت نے اس قسم کا کوئی قدم نہ اٹھایا۔ ابھی اسے اطمینان نہیں تھا کہ دہشت انگیز اپنی حرکتوں سے باز آ گئے ہیں۔ ۲۳ر دسمبر ۱۹۲۹ء کو لارڈ ارون حیدر آباد کے دورے سے واپس آ رہے تھے کہ دہلی سے ایک میل کے فاصلے پر ان کی ٹرین کو بم سے اڑانے کی کوشش کی گئی۔ وائسرائے بال بال بچ گئے۔ مگر ان کی ڈائیننگ کار اڑ گئی اور ایک ملازم بھی زخمی ہوا۔ اسی دن انہوں نے مسٹر جناح، گاندھی جی، ڈاکٹر تیج بہادر سپرو اور پنڈت موتی لال نہرو وغیرہ سے ملاقات کی۔ وہ سیاسی قیدیوں کو چھوڑنے کے لئے تیار تھے تاکہ تبدیلئ قلب کا ثبوت دے سکیں۔ مگر گاندھی جی درجۂ نو آبادیات کے متعلق کوئی خاص وعدہ چاہتے تھے۔ وائسرائے نے صاف جواب دے دیا کہ جو کچھ اعلان میں بتایا جا چکا ہے اس سے زیادہ کچھ وعدہ نہیں کیا جا سکتا۔ مسٹر جناح نے مسلمانوں کا زاویۂ نگاہ اور ان کے مطالبات وائسرائے کے سامنے رکھدیئے۔

کانگریس سول نافرمانی کی راہ پر

کانگریس نے اپنے اجلاس لاہور میں فیصلہ کر دیا کہ بحالت موجودہ گول میز کانفرنس میں شامل ہونے سے کوئی فائدہ نہیں۔ نہرو رپورٹ کو مسترد کر کے درجہ نو آبادیات کی جگہ پورن سوراج کانگریس کا نصب العین قرار دیا جاتا ہے۔ اسمبلی اور کونسلوں کے کانگریسی ممبروں کو ممبری سے استعفٰی دیدینے کا حکم دیدیا گیا اور اجلاس نے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کو سول نافرمانی شروع کرنیکی اجازت دیدی جس میں عدم ادائیگی ٹیکس بھی شامل تھی۔ ۳۱ر دسمبر کو رات کے بارہ بجے لاہور میں مکمل

آزادی کا جھنڈا لہرا دیا گیا۔

۲ر جنوری ۱۹۳۰ء کو کانگریس کی ورکنگ کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا کہ ۲۶ر جنوری کو یوم آزادی منایا جائے۔ ۲۵ر جنوری ۱۹۳۰ء کو وائسرائے نے اسمبلی میں ایک تقریر کی۔ انہوں نے کہا "حکومت برطانیہ جو کانفرنس طلب کر رہی ہے اس کی نوعیت یہ نہیں ہے کہ ہندوستانی نمائندوں کی اکثریت دستور اساسی کی جو اسکیم منظور کرے گی اسے برطانوی پارلیمنٹ بلا ترمیم و تنسیخ منظور کر لے گی۔ یہ کانفرنس تو برطانوی حکومت کو کسی فیصلہ کن مرحلے پر پہونچنے میں امداد دینے کے لئے ہوگی۔ ۱۴، ۱۵، ۱۶ر فروری کو سابرمتی میں ورکنگ کمیٹی کا جلسہ ہوا۔ اور گاندھی جی اور ان کے رفقا کو سول نافرمانی شروع کرنے کی اجازت دیدی گئی۔

مسلمانوں کی سول نافرمانی میں مشروط شرکت پر آمادگی

مسلمان من حیث قوم سول نافرمانی کی تحریک سے علیحدہ رہے۔ علی برادران اور جناح صاحب اور ان کے ہمنوا اور پیرو کاران سیاست کا یہ خیال تھا کہ سول نافرمانی کی جنگ برطانیہ کے خلاف نہیں ہے کیونکہ نہرو رپورٹ کے قبول کرلئے جانے کی صورت میں کانگریس حکومت سے صلح کرکے گول میز کانفرنس میں شریک ہونے کے لئے تیار ہے۔ اصل میں یہ جنگ اس لئے ہو رہی ہے کہ حکومت برطانیہ اس رپورٹ کو کیوں آئندہ دستور اساسی کی بنیاد نہیں مانتی جسے کانگریس نے مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کی مخالفت کے باوجود منظور کرلیا تھا۔ گویا جنگ مسلمانوں کے مطالبات کیخلاف ہے۔ اگر آج مسلمان اس سول نافرمانی میں کانگریس کے ساتھ شریک ہوجائیں تو اسکا صاف مطلب یہ ہوگا کہ مسلمان بھی ہندوؤں کے ساتھ مل کر حکومت کو مجبور کر رہے ہیں کہ وہ آئندہ دستور میں ان کی سیاسی موت کا بندوبست کردیں اور حکومت کے ایسا کرنے سے انکار کرنے کی صورت میں وہ ہندوؤں کی طرح حکومت کی جڑیں ہلانے پر کمربستہ ہیں۔ مولانا محمد علی نے مسلمانوں سے سمجھوتہ کرنے کے بارے میں گاندھی جی کی رائے دریافت بھی کی۔ گاندھی جی نے جواب میں یہ کہدیا کہ مسلمانوں سے کوئی سمجھوتہ نہیں ہوسکتا۔ اگر مسلمان شریک نہ ہوئے

توان کی کوئی پرواہ نہ کی جائیگی۔ ۶ر اپریل کو قانون شکنی اس طرح شروع ہوگئی کہ سمندر کے کنارے
ڈانڈی نام ایک مقام پر گاندھی جی نے سمندر کے پانی سے نمک بنانا شروع کر دیا جو قانوناً ممنوع
ہے۔ دوسرے مقامات پر بھی قانون شکنی ہونے لگی۔ حکومت نے سختی شروع کر دی۔ گرفتاریاں
ہونے لگیں۔ مولانا محمد علی نے ملک کا دورہ شروع کر دیا۔ اور مسلمانوں کو شرکت کانگریس سے
روکنے لگے۔ کانگریسی لیڈروں اور ان مسلمانوں نے جو بلا شرط سول نافرمانی میں حصہ لینے کے
حق میں تھے محمد علی پر یہ الزام لگایا کہ وہ حکومت سے سمجھوتہ کر چکے ہیں۔ یہ زیادہ تر جمعیۃ علمائے ہند
اور مجلس احرار کے لوگ تھے۔ ۱۹۲۹ء میں جمعیۃ اپنے اجلاس پشاور کے موقع پر جناح صاحب
کے چودہ نکات کی تائید کر چکی تھی۔ مجلس احرار ۱۹۲۹ء کے اواخر ہی میں وجود میں آئی تھی۔ اس
کے صدر مولینا عطاءاللہ بخاری نے مولانا محمد علی کی سب سے زیادہ مخالفت کی کیونکہ مولانا نے یہ
کہدیا تھا کہ جمعیۃ اور مجلس احرار والے سول نافرمانی میں حصہ لیکر ہندوؤں کی نقالی کر رہے ہیں
جو علما مولانا محمد علی کے ہمنوا تھے انہوں نے اس زمانے میں جمعیۃ علمائے دہلی سے بغاوت
کر کے ایک دوسری جمعیۃ علمائے کانپور بنائی اور مولانا محمد علی کو اس کا پہلا صدر منتخب کیا۔

پہلی گول میز کانفرنس

۱۲ر نومبر ۱۹۳۰ء کو گول میز کانفرنس شروع ہوئی۔ اسمیں کل چھیاسی مندوبین تھے۔ ستاون برطانوی ہند کے،
سولہ ریاستوں کے اور تیرہ انگلستان کی مختلف سیاسی جماعتوں کے۔ حکومت نے
کانگریس کے نمائندوں کو کانفرنس میں شریک کرنے کی غرض سے جون سے اگست
۱۹۳۰ء تک کانگریس سے بات چیت کی تھی۔ مگر کانگریس نے شرکت سے انکار کر دیا
تھا۔ مسلم لیگ کی طرف سے مسٹر جناح شریک ہوئے۔ آپ کے علاوہ مسلم مندوبین
میں نمایاں لوگ مولانا محمد علی، سر آغا خاں، اور سر شفیع وغیرہ تھے۔ کانفرنس ۱۹ر جنوری
۱۹۳۱ء تک ہوتی رہی۔ یہ طے ہوا کہ ہندوستان کی آئندہ حکومت فیڈرل (وفاقی)
ہوگی۔ مرکزی حکومت، صوبائی حکومتیں اور ریاستیں اس کے اجزا ہونگی۔ ڈیفنس
(تحفظ ملک) اور معاملات خارجہ برطانیہ کے ہاتھوں میں رہینگے۔ اور اقلیتوں کے مذہب

ومعاشرت کا تحفظ کیا جائیگا۔ مختلف امور کے بارے میں غور کرنے کے لئے مختلف سب کمیٹیاں بن گئیں۔ مسٹر جناح نے اقلیتوں کے تحفظ کے ذرائع نکالنے کے لئے ایک مائنارٹی سب کمیٹی (امدادی مجلس اقلیت) بنوائی۔

مولانا محمد علی کا انتقال

مولانا محمد علی نے گول میز کانفرنس میں بھی کامل آزادی پر زور دیا۔ انہوں نے تقریر کرتے ہوئے کہا "میں غلام ملک کو واپس نہیں جاؤنگا۔ اگر آپ مجھے ہندوستان کی آزادی نہیں دیں گے تو میرے لئے یہیں ایک قبر کی جگہ دینی پڑیگی"۔ یہ یادگار فقرے ۱۹ جنوری ۱۹۳۱ء کو کہے گئے تھے۔ ۲۱ فروری ۱۹۳۱ء کو اس فدائے قوم وملک نے غلام وطن میں واپس آنا قبول نہ کرتے ہوئے سچ مچ دیار غیر میں جان دیدی۔ ہندوستان میں ان کی تقریر کا بڑا شاندار استقبال کیا گیا تھا۔ انتقال کی خبر کی پذیرائی کے لئے دوست دشمن سب کی آنکھوں سے آنسو نکلے۔ یہ ماتم تھا انہی محمد علی کا جن پر چند دن پہلے تک نکتہ چینیوں، الزامات اور اعتراضات کی بوچھار ہو رہی تھی۔ اب ظاہر ہوا کہ انہیں حکومت کا آدمی کہنے والوں نے کس حد تک اپنے دماغی توازن کا ثبوت دیا تھا۔ بعض لوگوں کے خیال میں شرکت کانفرنس محمد علی کا آخری کارنامہ تھا۔ کیا یہ سچ ہے؟ محمد علی کے کارناموں کا سلسلہ اتنے جلد کیسے ختم ہو سکتا ہے! اس مرد جانباز کی شاندار مثال تو قیامت تک شاندار کارناموں کا مخزن بنی رہیگی۔

۱۹۳۰ء میں مسلم لیگ کی حالت

یہ بات گذشتہ صفحات سے معلوم کی جا چکی ہے کہ اس دور میں مسلمان بہت غیر منظم اور پراگندہ تھے نیشنلسٹ مسلمانوں کو چھوڑ کر باقی سب مسلمان، قومی مطالبات کے معاملے میں توہم آہنگ تھے مگر ان میں آپس میں بڑی تفریق تھی۔ خلافت کمیٹی، مسلم لیگ، جمعیتہ علمائے دہلی، جمعیتہ علمائے کانپور، تنظیم کانفرنس، انجمن تبلیغ الاسلام، مسلم کانفرنس سب ہی کو مسلمانوں کی تنہا نمائندگی کا دعوے تھا مگر جہاں تک مسلمانوں کی سیاسی وقعت واہمیت کے تحفظ کا سوال ہے یہ بات عام طور پر تسلیم کی جاتی تھی کہ لیگ ہی

ایک ایسی جماعت ہے جس کے پلیٹ فارم سے اس سلسلے میں موثر کام ہوا ہے مگر اس پہلو پر بھی مسلم کانفرنس مسلم لیگ کی حریف بن بیٹھی تھی۔ یہ صرف مسلمانوں کے متفقہ مطالبات ترتیب دینے کی غرض سے۔ بنی تھی مگر شفیع داؤدی وغیرہ لوگوں نے اسے بھی ایک مستقل جماعت کی شکل دیدی۔ جس سے مسلم لیگ کمزور ہوئی۔ اس دور میں مسلمان رہبروں اور قومی کارکنوں میں ذاتی مخالفتوں کی بے پایاں خلیجیں حائل تھیں۔ قوم کی کشتئ حیات انتشار کے بہاؤ پر مصائب کے بھنور کا رخ کر رہی تھی۔ مگر ملاحوں کو یہ دھن نہ تھی کہ ہم میں سے کون عمل کی پتوار سنبھال کر زوال کی دہار کو کاٹے۔ وہ ایک دوسرے کے کہنیاں مارنے میں مصروف تھے۔ ہر ایک پر یہ جنوں سوار تھا کہ دوسروں کو غرق کر دوں تاکہ قوم کی قیادت کے لئے صرف میں رہ جاؤں۔ یہ صاف نظر آ رہا تھا کہ اگر اس وقت تدبیر کی مقراض سے اس جال کو نہ کاٹا گیا جو روپے، عقل اور چالاکی کے ہاتھوں سے ڈالا جا رہا ہے تو غلامی کا مستقل جُوا قوم کی گردن میں پڑ کر آئندہ نسلوں کے لئے ایک دوامی طوق لعنت بن جائیگا مگر کیسی تدبیر، کہاں کا عمل، وہ تو آپس ہی میں گتھم گتھا تھے۔ (قوم کے قصر زندگی سے اینٹیں چرا چرا کر اپنے گھروندے کھڑے کرنے سے کیسے باز رہتے۔ کیا خبر پھر موقع ملے نہ ملے)۔ قوم کے لئے وہ ذاتی رنجشوں اور کھینچا تانیوں کو چھوڑ دیتے تو پھر ان رہبران قوم کا اپنا وجود ہی کہاں رہتا۔ باہمی اعتماد بالکل مفقود تھا۔ پر خلوص اتحاد عمل تو بڑی چیز ہے، اس کا شائبہ تک بھی کہیں نہ پایا جاتا تھا

مسٹر جناح کی بے تعلقی اور اس کا اثر

نا اتفاقی کی اس فضا کو دیکھکر اس شخص کے دل پر کیا گذری ہوگی جو ۱۹۱۳ء کے بعد سے برابر مسلمانوں کے قومی وقار اور ان کی سیاسی وقعت کو مستحکم کرنے کے لئے بیغرض جد و جہد کر رہا تھا جس نے ۱۹۱۶ء میں ہندو مسلم معاہدۂ لکھنؤ سے مسلمانوں کا سیاسی وجود قائم کیا تھا، جس نے ۱۹۲۷ء میں تجاویز دہلی مرتب کر کے متفقہ مطالبات کے ذریعہ سے متحدہ قومی پلیٹ فارم وجود میں لانے کی تدبیر کی تھی، جس نے چودہ نکات میں

مسلمان قوم کے مطالبات کو کچھ اس انداز سے دستوری شان دیدی تھی کہ انگریز سے لیکر ہندو تک سب ان سے کھلم کھلا انکار کر سکنے سے عاجز تھے اور جس نے بالآخر پہلی گول میز کانفرنس میں اپنی قوم کو ایک قابل لحاظ اور مستحق تحفظات اقلیت منوا دیا تھا۔ وہ آزمودہ کار سپاہی محاذ پر تو لڑ رہا تھا اور اس نے دوسری گول میز کانفرنس میں بھی لڑنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ مگر اس قومی انتشار نے اسے ہندوستان سے بددل کر دیا۔ جناح صاحب نے پہلی گول میز کانفرنس کے بعد انگلستان ہی میں مستقل بود و باش اختیار کر لی اور پریوی کونسل میں بیرسٹری شروع کر دی۔

اس سے لیگ کے استحکام کی بنیادیں ہل گئیں۔ جناح یوں الگ ہو گئے۔ محمد علی اور مہاراجہ محمود آباد کو موت نے چھین لیا۔ ڈاکٹر کچلو اوائل سنہ ۳۱ء ہی میں سکرٹری شپ سے علیحدہ ہو چکے تھے۔ قوم پرور مسلمانوں کا میدان ہی دوسرا بن گیا تھا۔ اب لیگ میں رہ کون گیا؟ سب سے زیادہ نقصان تو قائد جماعت کے بے تعلق ہو جانے سے پہنچا۔ سنہ ۲۱ء سے سنہ ۳۰ء تک کے سیاسی طوفان میں لیگ کو جناح صاحب ہی نے تو زندہ رکھا تھا۔ وہی اس کی روشنی تھے۔ انہی سے اس میں جان تھی۔ ان ہی کے خلوص انہماک اور تدبر سے مسلم لیگ نے دستوری فتوحات حاصل کی تھیں۔ کیا اب ان کے بغیر لیگ زندہ رہ سکے گی؟ مسلمانوں کو اس سے کتنا زبردست نقصان پہنچے گا! ہندوستان اور مسلمانوں کی تقدیر بن رہی ہے اور جناح ہندوستان اور مسلمانوں سے دور!!

سمجھدار طبقہ لیگ کے وجود سے مایوس سا ہو گیا۔ ڈاکٹر کچلو کے بعد فروری سنہ ۳۰ء سے مولوی سر محمد یعقوب سکرٹری شپ کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ قومی خادموں کے افلاس کے اس دور میں وہ بھی غنیمت تھے کیونکہ ایک مدت سے مسلم لیگ کی کارروائیوں میں حصہ لیتے رہنے کی وجہ سے انہیں دستوری معاملات کا تجربہ تھا۔ جناح صاحب کے بعد سر محمد شفیع کو صدر بنایا گیا۔

مسلم لیگ کا اکیسواں سالانہ اجلاس الہ آباد

۱۹۳۰ء کے کوائف لیگ علامہ اقبال کے خطبۂ صدارت کی تذکرے کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتے۔ اس بلند نظر خود آگاہ مرد مسلمان نے دسمبر ۱۹۳۰ء میں اکیسویں سالانہ اجلاس لیگ الہ آباد کی صدارت کرتے ہوئے حالات پر اپنے عشق ملی کی شعاعیں ڈال کر یہ دکھایا کہ ہندوستانی مسلمانوں کے مستقبل کے لئے اس کی نظر میں کونسا سانچہ موزوں ہے۔ علامہ موصوف نے بنظر حالات آزاد ہندوستان میں آزاد اسلامی ریاست کا تصور پیش کیا اور بتایا کہ ایک مسلمان کی زندگی کا ہر شعبہ اس کے مذہب سے متاثر ہوتا ہے اس لئے وہ اسلام کو صرف اخلاقی تخیل نہیں سمجھتا اور نہ یہ برداشت کر سکتا ہے کہ سیاسی نظام کی حیثیت سے اسے ایسے قومی نظامہائے سیاسی میں جذب کر دیا جائے جن کے ماتحت مسلمانوں کو پوری مذہبی آزادی حاصل نہیں ہو سکتی۔ آپ نے کہا کہ "پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان آپس میں مدغم کر دئیے جائیں۔ اس متحدہ مسلم مملکت کے نظرئیے سے ہندوؤں یا برطانیہ کو خائف نہ ہونا چاہئیے اس کی بنا آزادانہ نشوونما کی ایک حقیقی خواہش پر ہے جو اس وحدانی حکومت کے ماتحت پوری ہونی مشکل ہے جو نیشنلسٹ ہندو سیاستدانوں کے مدنظر ہے اور جس میں وہ فرقہ دارانہ غلبہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔"

فساد کانپور مسلم لیگ اور مسلم کانفرنس کا اعادۂ حقوق

۵ر مارچ ۱۹۳۱ء کو وائسرائے ہند لارڈ ارون اور گاندھی جی میں ایک معاہدہ ہو گیا۔ سول نافرمانی بند ہو گئی۔ معاہدے کی تفصیلات کی ضرورت ہے نہ اس کے لئے گنجائش ہے۔ ہندو مسلم تعلقات برابر کشیدہ چلے آ رہے تھے۔ آگرہ، بنارس، مرزاپور وغیرہ مقامات پر فسادات ہو رہے تھے۔ ان سب شہروں میں ہندو بکثرت آباد ہیں۔ سب سے زیادہ ہولناک فساد ۲۴ر مارچ ۱۹۳۱ء کو کانپور میں ہوا جہاں ہندو آبادی کا ۵/۴ حصہ ہیں۔ مسلمانوں نے بھگت سنگھ کی پھانسی

کے موقع پر ہڑتال نہیں کی۔ ہندوؤں کو غصہ آگیا اور ۲۴ مارچ کو خونریز فساد شروع ہوگیا۔ بچارے گنیش ودیارتھی ایڈیٹر اخبار پرتاپ مسلمانوں کو ہندوؤں کے غصہ اور انتقام سے بچانے ہی میں اپنی جان سے گئے۔ سرکاری رپورٹ کے مطابق اس فساد میں ۱۶۶ آدمی ہلاک اور ۴۸۰ زخمی ہوئے۔ ۵ اپریل ۱۹۳۱ء کو مولانا شوکت علی نے خاص اجلاس مسلم کانفرنس دہلی کی صدارت کرتے ہوئے ان فسادات پر اظہار افسوس کیا اور کہا: "منظم کوشش کی جارہی ہے کہ مسلمانوں کو مرعوب کرکے اطاعت پر مجبور کیا جائے مگر مسلمان ان تدبیروں سے کبھی نہیں جھکے گا۔ ہندو اکثریت کا فرض ہے کہ وہ مسلمانوں کے جائز اور معقول مطالبات منظور کرکے اعتماد قائم کرے" اسی اثنا میں پہلی گول میز کانفرنس کی رپورٹ شائع ہوئی۔ ۱۵ مارچ ۱۹۳۱ء کو لیگ کونسل نے اس سلسلے میں سات تجویزیں منظور کیں مسلمانوں کے لئے تمام وفاقی جماعتہائے قانون ساز میں ایک تہائی نشستوں کا مطالبہ کیا گیا۔ اقلیتوں کے صوبوں میں مسلمانوں کو پاسنگ دیئے جانے پر زور دیا گیا اور یہ ظاہر کیا گیا کہ اسی قسم کا پاسنگ سندھ اور صوبہ سرحد میں ہندوؤں کو بھی دیا جاسکتا ہے۔ کل تجاویز میں جناح کے چودہ نکات ہی کا اعادہ تھا۔

اسی ماہ میں مسلم نیشنلسٹ پارٹی نے اپنا تیسرا اجلاس کیا۔ اس کے صدر سرسید علی امام تھے۔ مسلم حقوق کے بارے میں جو تجویز منظور کی گئی اس میں اور جناح کے چودہ نکات میں صرف اتنا فرق تھا کہ مسلم نیشنلسٹ جداگانہ انتخاب کی جگہ مخلوط یا مشترک انتخاب رکھنا چاہتے تھے اور مسلم نیشنلسٹوں اور ہندو مہاسبھا کی تجویز میں یہ فرق تھا کہ ہندو مہاسبھا صرف مخلوط انتخاب منظور کرتی تھی اور مسلمانوں کے باقی تمام مطالبات کے خلاف تھی گاندھی جی گول میز کانفرنس میں جانے سے قبل ہندو مسلم اتحاد کے بہت خواہشمند تھے بلکہ اس کے بغیر گول میز کانفرنس میں جانا بیکار خیال کرتے تھے۔ ان ہی کی کوششوں سے کراچی کانگریس میں آزادئ ضمیر و مذہب کی قرار بھی منظور ہوئی تھی اور انہی کی خواہش کے مطابق کانگریس نے گاندھی جی مسٹر پٹیل اور سیٹھ جمنالال بجاج کا ایک وفد بھی مسلم لیڈروں سے گفتگوئے مفاہمت

کرنے کے لئے مقرر کیا تھا۔ مگر چونکہ نیشنلسٹ جداگانہ انتخاب کو تسلیم نہیں کرتے تھے اسلئے گاندھی جی نے نمائندہ مسلم لیڈروں کے مطالبات تسلیم کرنے سے معذوری ظاہر کر دی

۱۷ اپریل کو نئے وائسرائے لارڈ ولنگڈن ہندوستان آگئے اور حکومت نے گاندھی ارون معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کانگریس پر سختی شروع کر دی۔ مگر کانگریس ورکنگ کمیٹی نے یہی فیصلہ کیا کہ گاندھی جی کانگریس کے تنہا نمائندہ کی حیثیت سے دوسری گول میز کانفرنس میں شریک ہوں۔ گاندھی جی نے حکومت سے خط وکتابت شروع کی کہ وہ اپنی سختی میں کمی کر کے تبدیلیٔ قلب کا ثبوت دے۔ مگر حکومت نے سرکاری انداز سے انھیں اطمینان دلانا شروع کر دیا کہ سختی ہو ہی نہیں رہی ہے۔ اس سے بگڑ کر گاندھی جی نے ۱۱ر اگست کو گول میز کانفرنس میں شامل ہونے سے انکار کر دیا۔ مگر صلح کا دروازہ کھلا رکھا اور وائسرائے سے ملاقات کی درخواست کی۔ ملاقات کے بعد وہ کانفرنس کی شرکت پر رضامند ہو گئے اور ۲۹ر اگست کو انگلستان روانہ بھی ہو گئے۔ مسلم مندوبین میں قابل ذکر مسٹر جناح سر آغاخاں، مولانا شوکت علی، علامہ اقبال اور سر شفیع وغیرہ تھے۔

دوسری گول میز کانفرنس میں اہم ترین تصفیہ طلب سوال اقلیتوں کے حقوق کا تھا۔ ۲۸ر ستمبر ۱۹۳۱ء کو مائنارٹی کمیٹی میں وزیر اعظم برطانیہ مسٹر میکڈانلڈ نے اس مسئلے کے حل کے لئے اپیل کی۔ مجلس ایک ہفتہ کے لئے ملتوی ہو گئی۔ تین یا پانچ ممبروں کی ایک چھوٹی کمیٹی تصفیئے کے لئے مقرر کی گئی جس کا جلسہ ۸ر سے ۱۲ر اکتوبر تک جاری رہ کر ناکام ہو گیا۔ اقلیتوں کی مجلس کا ملتوی شدہ جلسہ ۱۴ر اکتوبر کو شروع ہوا۔ گاندھی جی پنجاب میں ہندوؤں اور سکھوں اور سرحد میں ہندوؤں کو اقلیت ماننے اور منوانے پر بضد تھے۔ ان کے علاوہ ہندوستان میں اور کسی کو اقلیت ماننے کے لئے وہ تیار نہ تھے۔ جہانتک مسلمانوں کا تعلق تھا وہ اپنی ذات سے انہیں سب کچھ دے دینے پر آمادہ تھے مگر اس مجبوری کا اظہار کرتے تھے کہ ہندو اور سکھ نہیں مانتے۔ پنڈت مالویہ، ڈاکٹر مونجے اور پنجاب کے ہندو اور سکھ لیڈروں

کا طرزِ عمل بھی مسلمانوں کے لئے بہت تکلیف دہ تھا۔ مسلمانوں کے علاوہ عیسائی اور اچھوت بھی ہندوؤں اور گاندھی جی کی طرف سے بددل تھے۔ نزاکت حالات بڑھنے لگی۔ مسلمان نمائندے گاندھی جی کو برابر یقین دلاتے رہے تھے کہ اگر کانگریس مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کی ذمہ داری لے لے تو وہ ہر صورت میں اس کے ساتھ اشتراکِ عمل کے لئے تیار ہیں۔ مگر ہندو مہاسبھا اور پنجاب کے تفرقہ پرور ہندو سکھ لیڈر اس پر زور دیتے تھے کہ مسلمان مخلوط انتخاب قبول کریں جس میں نشستوں کی تخصیص بھی نہ ہو۔ گاندھی جی انھیں سمجھانے سے عاجز تھے۔ وہ مسلمانوں کو تحفظ حقوق کا یقین کیسے دلا دیتے!

ادھر سے مایوس ہو کر مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں میں ایک باہمی سمجھوتہ کرنے کے لئے گفت و شنید شروع ہو گئی۔ اب گاندھی جی نے مسلمانوں کے مطالبات ماننے کے لئے یہ شرط پیش کی کہ وہ سکھوں کے علاوہ دوسری اقلیتوں کے حقوق کی مخالفت میں کانگریس کی مدد کریں۔ اس شرط کو مسلمانوں نے نہ مانا اور ۱۳ر نومبر کو اقلیتوں کی مجلس کے جلسے میں وہ معاہدہ سامنے آگیا جو مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں میں ہوا تھا۔ اس معاہدے کی دفعات کا خلاصہ یہ تھا کہ اقلیت رکھنے والی قوموں کے مذہب، تمدن، دستور، تعلیم، زبان اور خیراتی اداروں کے تحفظ کا آئندہ قانون حکومت میں یقینی انتظام ہونا چاہئے۔ مرکز اور صوبوں میں ان کو مناسب تعداد میں ملازمتیں ملنی چاہئیں اور ان جگہوں کی قانون ساز جماعتوں میں ان قوموں کے نمائندوں کو وزارتوں میں بھی لئے جانے کی شرط رکھی جانی چاہئے۔ ہندوؤں کے لیڈروں نے اس کو تسلیم کرنے سے انکار کیا۔ گاندھی جی نے بھی یہی کہا کہ یہ تو مردے کی چیر پھاڑ ہو رہی ہے۔ مگر سر آغا خاں نے کہہ دیا کہ یا تو یہ معاہدہ پورا کا پورا منظور کیا جائے یا پورا کا پورا مسترد قرار دیا جائے۔ وزیر اعظم نے جلسہ ملتوی کر دیا اور یہ کہا کہ شرکائے مجلس مجھ سے تحریری درخواست کریں کہ میں اس مسئلہ کو سرکاری طور پر حل کر دوں اور جس طور پر میں اسے حل کر دوں گا وہ تسلیم کر لیں گے۔

۱۴ نومبر کو گاندھی جی نے مُسلم نمائندوں کو اقلیتوں کے معاہدے سے جدا کرنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ اسی دن پنڈت مالویہ، ڈاکٹر مونجے، سیٹھ برلا، مسٹر جیکر وغیرہ کے دستخطوں سے ایک درخواست وزیر اعظم برطانیہ کو بھیجی گئی کہ وہ اس معاملے میں ثالث بن کر فیصلہ کر دیں۔ گاندھی جی نے علیحدہ ایک خط لکھا کہ ہندو لیڈروں کی درخواست پر میرے دستخط نہ کرنے کا یہ مطلب نہیں نکالنا چاہیئے کہ کانگریس آپ کے فیصلے کی مخالفت کریگی۔ اعتدال پسند لیڈروں نے بھی اسی طرح وزیر اعظم کو خطوط بھیجے۔ مسلمان اس درخواست کے ہمنوا نہ تھے کیونکہ وہ حکومت کی دست اندازی کے بغیر آپس ہی میں فیصلہ کرنے کے خواہشمند تھے۔ ہندوؤں کو یہ خوش فہمی تھی کہ برطانوی وزیر اعظم مسٹر میکڈانلڈ مصنف "بیداریٔ ہند" کو ہندوؤں کی سیاسی آرزوؤں سے ہمدردی ہے اور ان کا فیصلہ ہندوؤں کے حق میں ہوگا۔ یکم دسمبر ۱۹۳۱ء کو دوسری گول میز کانفرنس ختم ہوگئی

مسلم لیگ اور مسلم کانفرنس میں سے کونسی جماعت رہے؟

۱۹۳۱ء کے اواخر میں مسلم رہبروں کو یہ محسوس ہونے لگا کہ اب ان دونوں جماعتوں میں سے ایک ہی جماعت برقرار رکھنی چاہیئے۔ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا تھا کہ ایک تو مسلم لیگ زیادہ قدیم اور موقر ہے جس کی پشت پر طویل تاریخ اور شاندار کارنامے ہیں، دوسرے، اس کے پلیٹ فارم پر ہر طبقہ و خیال کے مسلمانوں کے لئے گنجائش نکل سکتی ہے۔ مسلم کانفرنس کو مسلم لیگ میں جذب کر دیا جائے۔ سر ظفر اللہ خاں نے لیگ کے بائیسویں اجلاس دہلی ۱۹۳۱ء کی صدارت کرتے ہوئے یہ مشورہ پیش کیا کہ لیگ اور کانفرنس کو ملا کر ایک کر دیا جائے اور متحدہ جماعت کا نظام ایسا ہمہ گیر اور وسیع ہو جس کے دائرے میں مسلمانوں کی تمام قومی سرگرمیاں آجائیں۔ اس مشورے پر عمل نہ ہوا مگر لیگ کے کارکنوں نے اسے مقبول بنانے کا تہیہ کر لیا۔ سالانہ چندہ چھ روپیہ کی جگہ ایک روپیہ ہوگیا تاکہ ممبر بڑھ سکیں

ملکی حالات پر نظر رکھنے اور ہر ماہ جلسہ کرنے کے لئے ایک ورکنگ کمیٹی بھی مقرر ہوئی۔ مگر اس کے چند ہی جلسے ہو سکے۔ وجہ یہ تھی کہ کمیٹی کے ممبر ایک دوسرے سے بہت زیادہ فاصلے پر رہتے تھے۔ ۱۷ جنوری کو لوتھین کمیٹی ہندوستان آن پہنچی تاکہ

کمیونل اوارڈ

اقلیتوں کے حقوق کے تعین کے سلسلے میں وزیر اعظم کے فیصلے کی بنیاد کے لئے رائے دہی اور نشستوں کے بارے میں تحقیقات کر سکے۔ گاندھی جی نے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ اس تحقیقات کے نتائج کے طور پر مسلمانوں اور اچھوتوں کو جداگانہ انتخاب دیا جائیگا۔ اس عرصے میں کانگریس اور حکومت کی از سر نو بگڑ جانے کی وجہ سے وہ یروودہ جیل میں تھے۔ وہیں سے انہوں نے ۱۱ مارچ ۱۹۳۲ء کو وزیر ہند سر سیموئل ہور کو ایک خط لکھا کہ اگر اچھوتوں کو جداگانہ نیابت کا حق دیکر ہندوؤں سے جدا کیا گیا تو میں احتجاج کے طور پر فاقہ کر کے جان دیدونگا۔

لفظ اچھوت ہندوستان کی ان نیچ ذاتوں کے لئے استعمال ہوتا ہے جن کے سیاسی و معاشرتی وجود کو ہندوؤں نے ہزارہا سال سے ہونے کے برابر کر رکھا ہے ویسے تو ایک اونچی ذات کا ہندو بھی دوسری اونچی ذات کے ہندو کے ساتھ کھانے پینے یا رشتہ کرنے سے دستوراً و مذہباً معذور ہے۔ مگر بچارے اچھوت تو صدہا برس سے ادنیٰ ترین مدنی و رواجی آسانیوں سے بھی محروم ہیں۔ اچھوتوں کا ہندوستان کی سرزمین پر زیادہ سے زیادہ برے حال میں زندہ رہنا بھی ہندوؤں کے نزدیک اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کی بڑی زبردست مہربانی ہے۔ اسی مصیبت سے پیچھا چھڑانے کے لئے لاکھوں کی تعداد میں اچھوت اسلام اور عیسائیت کے دامن میں پناہ لے چکے ہیں گول میز کانفرنس کے موقع پر حکومت کو یہ معلوم ہوا کہ اچھوت ہندوؤں کا حصہ نہیں ہیں بلکہ وہ ایک جداگانہ سیاسی وجود رکھتے ہیں اور ہندوؤں نے اپنی اکثریت برقرار رکھنے کیلئے انھیں اپنے ساتھ ظاہری طور پر نتھی کر رکھا ہے۔ اس کے فوراً بعد نمایاں ہندو لیڈروں نے اچھوتوں سے اظہار ہمدردی شروع کر دیا۔ ان میں پنڈت مدن موہن مالویہ نمایاں ترین تھے۔

۴ر اگست ۱۹۳۲ء کو کمیونل اوارڈ کا اعلان ہوا جس میں مسلمانوں اور اچھوتوں کو جداگانہ نمائندگی کا حق دیدیا گیا۔ گاندھی جی نے ۱۸ر اگست کو فاقہ کر کے جان دینے کا اعلان کیا۔ اور وزیر اعظم کو اس کی اطلاع دیدی ۸ر ستمبر کو وزیر اعظم نے جواب دیا کہ وہ کچھ نہیں کر سکتے۔ ۲۰ر ستمبر کو گاندھی جی نے فاقہ شروع کر دیا اس سے ہندوؤں اور اچھوتوں کے لیڈروں میں ۲۵ر ستمبر کو معاہدۂ پونا ہوا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اچھوتوں کے لئے جداگانہ انتخاب نہیں ہوگا بلکہ ہندوؤں ہی کی نشستوں میں سے چند نشستیں انکے لئے مخصوص کر دی جایا کرینگی۔ اچھوت اپنے میں سے چار آدمی چنیں گے، اس کے بعد ہندوؤں اور اچھوتوں کا ایک مشترکہ انتخاب ہوگا اس میں اچھوتوں کے منتخب کردہ چار افراد میں سے ایک شخص ممبر منتخب ہو جائیگا۔ حکومت نے یہ فیصلہ کمیونل اوارڈ میں اس حد تک شامل کر لیا جس حد تک یہ اس کی تجویز پر اثر انداز نہیں ہوتا تھا

لیگ کو جناح کی ضرورت

۱۹۳۳ء کے آغاز میں مسلم لیگ کا پلیٹ فارم باہمی تنازعوں سے خاصا سیاسی اکھاڑہ بن گیا۔ ایک پارٹی میاں عبدالعزیز سرحدی کی تھی۔ وہ سر ظفر اللہ خاں کے وائسرائے کی ایگزکٹو کونسل کا ممبر بن جانے کی وجہ سے عارضی طور پر صدر بنائے گئے تھے۔ دوسری پارٹی مولوی سر محمد یعقوب کی تھی جو لیگ کے آنریری سکرٹری تھے۔ ۱۲ر مارچ ۱۹۳۳ء کے لیگ کونسل کے اجلاس میں صدر صاحب نے سکرٹری صاحب کو عہدے سے ہٹا دیا۔ اس پر سر یعقوب کی پارٹی والوں نے وہیں اور اسی وقت سر یعقوب پر اظہار اعتماد کر کے صدر صاحب کے فیصلے کی مذمت کر ڈالی۔ اب آئندہ سالانہ اجلاس کے لئے صدر منتخب کرنے کا مرحلہ آیا۔ سکرٹری صاحب نے کونسل کا جلسہ طلب کرنا چاہا۔ مگر صدر صاحب نے جلسہ بلانے کی اجازت نہ دی بلکہ خود ہی سالانہ اجلاس کو دسمبر ۱۹۳۳ء کی کسی تاریخ تک ٹال دیا۔ اس پر لیگ کے بہت سے ممبر بگڑے۔ انہوں نے تحریری درخواست پیش کر کے کونسل کا ایک فوری جلسہ طلب کرایا اور اس میں میاں عبدالعزیز کے خلاف عدم اعتماد کی تجویز منظور ہو گئی۔ ۱۶ر جولائی ۱۹۳۳ء کو سر رضا علی کی صدارت میں مسلم لیگ کونسل کا جو جلسہ ہوا اس نے تجویز عدم اعتماد کی تصدیق کر دی۔ اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ مسلم لیگ کا تیئسواں سالانہ اجلاس خان بہادر حافظ ہدایت حسین ایم ایل سی کی صدارت

میں منعقد کیا جائے - میاں عبدالعزیز اب بھی نہ مانے - انہوں نے بھی اسی طرح لاہور میں اپنی پارٹی والوں کی لیگ کونسل کا ایک جلسہ کر ڈالا - ایک جماعت ایسی موجود تھی جو ان کے صدر رہنے کے خلاف تھی مگر انھیں یہی ضد تھی کہ میں صدر ہونگا - اب ایک ایسے شخص کی ضرورت بہت شدت سے محسوس ہونے لگی جس پر مختلف پارٹیاں اعتماد کر سکیں - وہ شخص جناح کے سوا اور کون ہو سکتا تھا - ان کی زندگی، تدبر، خلوص اور بیغرض خدمت قوم کا ایک شاندار مسلسل ریکارڈ تھی وہی مختلف الخیال لوگوں کو بیک وقت قابو میں رکھ سکتے تھے - مگر کیا جناح صاحب اپنی کامیاب بیرسٹری کو خیر باد کہکر منتشر قوم کو ایک مرکز پر جمع کرنے کے لئے میدان میں اترینگے ؟ ہر شخص کو یہی تشویش تھی مگر جناح صاحب نے مسلم لیگ کی متفقہ تجویز کا وہی جواب دیا جو ان جیسے بلند پایہ انسان کی شان کے شایاں تھا - انہوں نے ولایت کی رہائش اور پریوی کونسل کی کامیاب پریکٹس کو مسلمانوں کا مستقبل بنانے کے لئے بیدریغ قربان کر دیا اور ہندوستان تشریف لے آئے - ۱۹۳۴ء کے سالانہ اجلاس میں آپ لیگ کے مستقل صدر منتخب ہو گئے - آپ کے مطلع سیاست پر طلوع ہوتے ہی اختلافات اور رنجشوں کی سیاہی کافور ہو گئی اور مسلم لیگ میں جان پڑنے لگی - ۱۹۳۴ء کے اسمبلی کے انتخابات میں مسٹر جناح بمبئی کے شہری حلقے سے ممبر منتخب ہو کر اسمبلی میں آئے اور انہوں نے ایک انڈیپنڈنٹ پارٹی بنائی - کانگریس بھی کونسلوں میں داخلہ کا فیصلہ کر چکی تھی اور مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی کی قیادت میں اسمبلی میں کانگریس پارٹی کام کر رہی تھی

ہندوؤں کی طرف سے کمیونل اوارڈ کی مخالفت

۸ رجون کو کانگریس ورکنگ کمیٹی نے اپنے اجلاس بمبئی میں یہ طے کیا کہ سفید کاغذ تو ناقابل قبول ہی ہے مگر جہاں تک کمیونل اوارڈ کا تعلق ہے جب تک اختلاف رائے موجود ہے کانگریس کی پالیسی رد نہ قبول ہے - پنڈت مالویہ اور ڈاکٹر انے اس کے خلاف تھے - انہوں نے کانگریس کے پارلیمنٹری بورڈ سے استعفے دیکر اگست ۱۹۳۴ء میں ایک علیحدہ پارٹی بنائی جس کا مقصد کونسلوں کے اندر اور باہر کمیونل اوارڈ کے خلاف ایجی ٹیشن کرنا تھا - یہ

کانگریس کی کھلی ہوئی مخالفت تھی۔ ۷ رفروری کو مرکزی اسمبلی میں گول میز کانفرنس کی جوائنٹ پارلیمنٹری کمیٹی کی رپورٹ برائے بحث پیش ہوئی۔ مالوی اور اینے کی پارٹی کل رپورٹ کے خلاف تھی جسمیں کمیونل اوارڈ بھی آتا تھا۔ کانگریس پارٹی رپورٹ کے خلاف مگر کمیونل اوارڈ کے معاملے میں غیر جانبدار رہی۔ مسٹر جناح نے کمیونل اوارڈ کے قائم رکھے جانے کے لئے ایک ترمیم پیش کی جس کے تین جزو تھے (۱) جب تک متعلقہ ملتیں سمجھوتہ کر کے کمیونل اوارڈ کا کوئی بہتر بدل نہ تیار کرلیں اسمبلی کمیونل اوارڈ کو منظور کرتی ہے (۲) صوبجاتی خود اختیاری کی اسکیم اپنے نقائص گورنروں کے غیر معمولی اختیارات اور ایوان بالا وغیرہ کی وجہ سے غیر تسلی بخش ہے (۳) آل انڈیا فیڈریشن کی اسکیم غلط ہے۔ صرف برطانوی ہند میں مکمل ذمہ دار حکومت قائم کی جائے۔ اس ترمیم سے مسٹر جناح نے بیک وقت تین مخالف قوتوں کو شکست دی۔ ترمیم کے پہلے حصے کی کانگریس مخالف تھی۔ اس نے مسٹر جناح کی ترمیم کے اس حصے پر یہ ترمیم پیش کی اسمبلی کمیونل اوارڈ کو نہ رد کرتی ہے نہ قبول کرتی ہے۔ مگر حکومت اس معاملے میں مسلمانوں کا ساتھ دینے پر مجبور تھی کیونکہ اُسے کمیونل اوارڈ کو منظور کرانا تھا۔ چنانچہ حکومت اور مسلمانوں کے ووٹوں سے کانگریس کی ترمیم مسترد ہوگئی۔ کانگریس نیشنلسٹ پارٹی کمیونل اوارڈ کو مسترد کرانے کی فکر میں تھی۔ مگر کانگریس پارٹی غیر جانبدار ہوگئی۔ اس سے کانگریس نیشنلسٹ پارٹی اپاہج سی ہو کر رہ گئی۔ ترمیم کی دوسری اور تیسری دفعات کی حکومت مخالف تھی۔ مگر کانگریس پارٹیاں ان کا ساتھ دینے پر مجبور تھیں۔ حکومت کو مسلمانوں اور کانگریس کے متحدہ ووٹوں کے مقابلے میں شکست ہوئی۔ اس دوران میں ۲۶ر جنوری ۱۹۳۵ء سے مسٹر جناح اور صدر کانگریس بابو راجندر پرشاد میں گفت وشنید بھی ہو رہی تھی تاکہ کوئی ایسا سمجھوتہ ہو سکے جو کمیونل اوارڈ کا نعم البدل ثابت ہو۔ یہ ۳۱ر مارچ ۱۹۳۵ء تک جاری رہکر ناکام ہوگئی۔ مسٹر جناح اس کے لئے تیار تھے کہ اگر مخلوط انتخاب کی بنیاد پر کمیونل اوارڈ کا کوئی ایسا نعم البدل پیش کیا جائے جو اس کے مقابلے میں مسلمانوں کے مفاد کو زیادہ محفوظ رکھ سکے تو میں اس پر غور کر سکتا ہوں اور اگر اسے ہندوؤں اور سکھوں کی تائید بھی حاصل ہوئی تو میں اسے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں بھی پیش کر دونگا۔ لیکن بنگال کے کانگریسی

لیڈروں اور پنجاب کے مہاسبھائی نیتاؤں نے اسے منظور نہ کیا۔

دستور سنہ ۱۹۳۵ء ۲ر جولائی کو گورنمنٹ آف انڈیا بل تاجدار انگلستان کی رسمی منظوری کے بعد گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ سنہ ۱۹۳۵ء بن گیا۔ یہ برطانوی پارلیمنٹ کی سلیکٹ (چیدہ) کمیٹی کی رپورٹ پر مبنی تھا جو اس نے وائٹ پیپر کی تجاویز پر غور کرتے اور ہندوستانی مندوبین سے مشورہ لینے کے بعد مرتب کر کے اکتوبر ۱۹۳۴ء میں پیش کی تھی۔ اس ایکٹ کی رُو سے تاج انگلستان کے ماتحت ہندوستان میں ایک جمہوری فیڈرل (وفاقی) حکومت قائم ہوئی جس میں گورنروں کے صوبوں، چیف کمشنروں کے صوبوں اور ہندوستانی ریاستوں کو بطور اجزا شامل کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ دستور کا خلاصہ یہ ہو سکتا ہے کہ ملک معظم کے نائب کی حیثیت سے گورنر جنرل فیڈریشن کا سر افسر ہوگا جسکے بعض خصوصی ذمہ داریاں ہونگی اور جسے تمیز خصوصی کے استعمال کا حق بھی ہوگا۔ مرکزی جماعت قانون ساز کے دو ایوان کونسل آف اسٹیٹ اور اسمبلی رکھے گئے۔ صوبوں میں گورنروں کو حکومت کا سر افسر بنایا گیا اور انہیں اقلیتوں کے تحفظ وغیرہ کی خصوصی ذمہ داریاں سپرد کی گئیں۔ سندھ اور اڑیسہ جدید خود اختیار صوبے بن گئے۔ صوبے سرحد کو خود اختیار حکومت مل گئی۔ گورنروں کو مشورہ دینے کے لئے وزیروں کی کونسلیں رکھنے کا فیصلہ کیا گیا۔ جہانتک ریاستوں کا تعلق ہے ان کو قدیم عہدناموں اور سندوں وغیرہ کی رُو سے حاصل شدہ مراعات تو حاصل رہیں مگر انہیں تاج برطانیہ کے ماتحت رکھا گیا جو اپنی سیاسی فوقیت کی بنا پر جو قدم چاہے اٹھا سکتا ہے مگر ریاستی عدالتوں، پولیس اور سکہ سازی پر اسے کوئی قابو حاصل نہیں وفاق ہند کی شمولیت ریاستوں کی مرضی پر چھوڑ دی گئی۔ دستور میں صرف طریق کار اور نتائج درج کر دئیے گئے۔ مسلمانوں کے لئے جدید دستور میں جداگانہ انتخاب اور نشستوں کا تعین منظور کر لیا گیا۔

گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے دو حصے تھے۔ مرکز میں خود اختیاری اور صوبوں میں خود اختیاری پہلے صوبوں میں خود اختیار حکومت قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ ۱ر جنوری ۱۹۳۷ء سے صوبوں کی قانون ساز جماعتوں کی ممبریوں کیلئے عام انتخابات شروع ہونے کا اعلان کر دیا گیا۔

مسلم لیگ اور مسلمانوں میں نئی زندگی

دستور ۱۹۳۵ء کی آمد پر مسلم لیگ بہت کمزور تھی مگر مسلمانوں کے سیاسی رہبر اعظم مسٹر محمد علی جناح نے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم کو مسلمانوں کی تمام جماعتوں کا متحدہ میدان عمل بنا کر انتخابات میں حصہ لینے اور صوبوں کی حکومتوں میں مسلمانوں کو ان کا جائز حق دلوانے کے لئے جدوجہد شروع کرنے کا تہیہ کر لیا۔

یہاں سے مسلمانوں کی حیرت انگیز تازہ سیاسی بیداری اور مسلم لیگ کی نئی کامیاب زندگی کی وہ شاندار داستان شروع ہوتی ہے جسے غور اور توجہ سے پڑھنا ہر مسلمان کا فرض ہے کیونکہ اس داستان میں قدم قدم پر ایسی سیاسی حقیقتیں آتی ہیں جنھیں ذہن نشین کرنے پر ہی ہندوستان میں مسلمانوں کے آئندہ وجود اور ان کی قومی زندگی اور خوشحالی کا دارومدار ہے

ارادہ یہ تھا کہ دلوں کو لہرا دینے والی اس تاریخی داستان کو بھی پیش نظر کتاب میں شامل کیا جاتا۔ مگر اس صورت میں یا تو کتاب کو غیر معمولی طور پر بڑھانا پڑتا یا واقعات کو کم کرنا پڑتا۔ اس لئے مسلمانوں کی نئی سیاسی بیداری اور مسلم لیگ کی تازہ زندگی کے واقعات کو ایک علیحدہ کتاب کی شکل میں پیش کیا گیا ہے جس کا نام ہے :-

تاریخ مسلم لیگ حصہ دوم یا مسلمانوں کی سیاسی بیداری

ان صفحات میں تفصیل کی گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے اس کے مضامین

کی پوری فہرست یہاں درج نہیں کی جاسکتی۔ چند بڑے عنوانات یہ ہیں:۔

ہندوستان کی سیاسی دنیا میں انقلاب۔ صوبوں کی حکومتیں ہندوستانیوں کے ہاتھ میں مسلمانوں میں احساس بیداری۔ مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس بمبئی اپریل ۱۹۳۶ء۔ مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ۔ مسٹر جناح کی سرگرم کوششیں۔ انتخابات میں مسلم لیگ کی کامیابی۔ ہندوؤں کی اکثریت کے صوبوں میں کانگریسی وزارتوں کا مسلمانوں کو وزارتیں دینے سے انکار۔ مسٹر جناح کانگریس کی مخالفت میں۔ مسلمانوں میں سیاسی ہلچل۔ کانگریسی صوبوں میں مسلمانوں پر مظالم۔ مسلم لیگ اور مسلمانوں میں نئی زندگی کی لہر۔ مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس لکھنؤ ۱۹۳۷ء۔ مسلم لیگ کی بے پناہ مقبولیت۔ گاندھی جی اور پنڈت جواہرلال کی مسٹر جناح سے خط وکتابت۔ کیا مسلم لیگ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت نہیں؟ مسلمانوں میں سیاسی بیداری۔ مسلم لیگ کا چھبیسواں شاندار سالانہ اجلاس پٹنہ ۱۹۳۸ء۔ جنگ یورپ ۱۹۳۹ء اور مسلم لیگ و مسٹر جناح کی شاندار آئینی فتوحات۔

یہ صرف نمایاں عنوانات ہیں۔ ورنہ کتاب میں موجودہ سیاسی دور کا ہر واقعہ آگیا ہے۔ مسلم لیگ کی تمام کارروائیاں، تجویزیں اور سرگرمیاں درج کردی ہیں۔ مسٹر جناح اور نمایاں لیڈروں کی تقریریں بھی ہیں۔ اور لیگ کے ذکر کے ساتھ ساتھ پسِ منظر کے طور پر ہندوستان کی دوسری جماعتوں کی سیاسی نقل وحرکت بھی دکھادی ہے۔

ہٹلر

جدید یورپ کے آہنی انسان کی مکمل داستان زندگی

الاماں! کتنا خوفناک اور دیدہ دلیر انسان ہے!! صرف طاقت کو پوجتا ہے۔ اور طاقت ہی کے حصول کیلئے ایسی ایسی دشواریوں سے گذرا ہے کہ اسکی زندگی کی داستان "ہٹلر" میں پڑھکر آپ دنگ اور حیران رہ جائینگے۔ اس کتاب میں نازی پارٹی کی تشکیل، اسکے کارناموں، ہٹلر کی انتھک جدوجہد، ہٹلر کے پردے میں جرمنی کی تقدیر بنانے والے انسانوں، ہٹلر کے نازی ازم کے فلسفے، اس کی آسٹریا، زیکوسلوواکیہ، اور پولینڈ کی فتوحات وغیرہ کا مفصل ذکر ہے۔ ہٹلر کا ذکر شروع کرنے سے پہلے جرمنی کی شروع سے لیکر جنگ عظیم تک کے زمانے کی تاریخ بھی دیدی گئی ہے۔ ہٹلر کی ابتدائی جدوجہد کے زمانے کو بڑے دلچسپ انداز سے بیان کیا ہے۔ اسکے جرمن پارلیمنٹ پر قبضہ کرنے اور جرمنی کی قسمت کا مالک بننے کے واقعات کا ذکر اتنی شستہ اور سادہ زبان میں کیا ہے کہ آنکھوں کے آگے انکی تصویریں پھرنے لگتی ہیں۔ اردو زبان میں نادر تاریخی سیاسی کتاب ہے۔ قیمت مجلد ڈہائی روپیہ۔